ISSN 0971-9288

www.urdubookreview.in

عام شمارہ
₹ 40

اردو بک ریویو

جولائی - اگست - ستمبر 2025

میں دستِ علم میں رہ کر قلم کی صورت ہوں اگر کمان میں رہتا تو تیر ہو جاتا

— حمایت علی شاعر [آمد: 14 جولائی 1926 (اورنگ آباد، دکن) — رخصت: 15 جولائی 2019 (کینیڈا)]

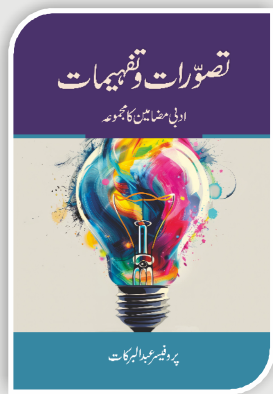

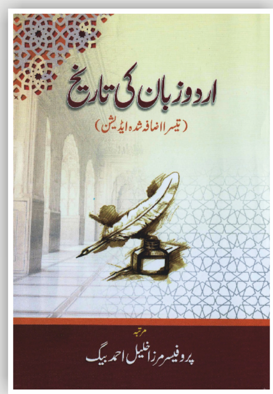

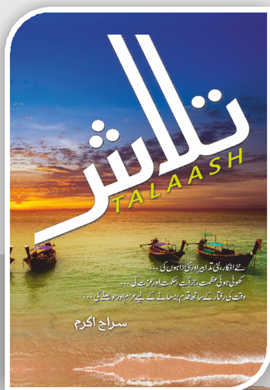

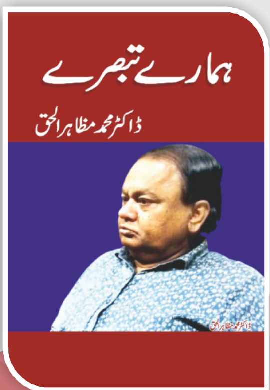

ابن صفی کی عصری معنویت

ابن صفی کا ادبی نصب العین

تحقیقی و تنقیدی مطالعہ

مصنف: محمد عارف اقبال

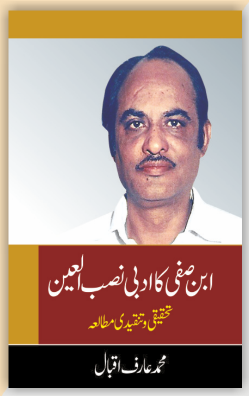

ابن صفی کی تخلیقات میں مستقبل کی آگہی اور زبان و ادب کے
گراں قدر علوم پوشیدہ ہیں
اردو اکادمی دہلی سے اول انعام یافتہ کتاب
صفحات: 312، اشاعت: 2018، قیمت: -/300 روپے
ISBN 978-93-83239-81-8

فلسفی ابن صفی

تالیف و ترجمہ: ایم طاہر

ابن صفی کے ناولوں سے 283 متنوع موضوعات پر
منتخب اقتباسات کا مجموعہ
اردو اقتباس کے ساتھ انگریزی ترجمہ
نئی نسل کے لیے گراں قدر تحفہ
صفحات: 144، اشاعت: جون 2022، قیمت: -/250 روپے
ISBN 978-93-90579-43-3

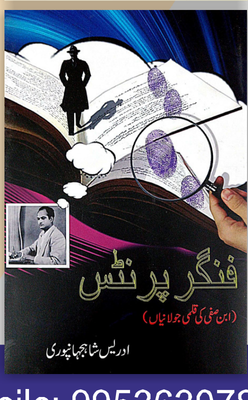

فنگر پرنٹس (ابن صفی کی قلمی جولانیاں)

تحقیق و ترتیب: ادریس شاہجہانپوری

اُن تمام ثقہ حضرات کے نام جنہوں نے اپنی خلوتوں میں بیٹھ کر
ابن صفی کی تخلیقات سے حظ تو اٹھایا لیکن روز روشن میں
ان کی عظمت کا اعتراف کرنے کا حوصلہ نہ کر سکے
صفحات: 808، اشاعت اول: مارچ 2021، قیمت: -/850 روپے
ISBN 978-93-5457-057-5

رابطہ: اردو بک ریویو، نئی دہلی Mobile: 9953630788

یہ جگہ اشتہار کے لیے خالی ہے

Website: www.urdubookreview.in

سہ ماہی

اردو بک ریویو

ISSN 0971-9288

URDU BOOK REVIEW

جلد: XXXI شمارہ: 43 جولائی، اگست، ستمبر: 2025

محرم الحرام، صفر، ربیع الاوّل ۱۴۴۷ھجری

مدیر

محمّد عارف اقبال

مدیر اعزازی

ڈاکٹر سیّد تنویر حسین

سرکولیشن مینیجر

ندیم عارف

Mobile: 9953067664

مجلس ادارت

☆ ڈاکٹر شمس بدایونی (بریلی) ☆ اے۔یو۔آصف (نئی دہلی)

☆ شفیق الرحمٰن (نئی دہلی)

☆ سعید اختر اعظمی (ریاض، سعودی عرب)

مجلس مشاورت

☆ کاشف الہدیٰ (USA) ☆ رضوان احمد فلاحی (لندن)

☆ پروفیسر خالد محمود (نئی دہلی) ☆ ادریس احمد خاں (دہلی)

☆ ڈاکٹر محمد قطب الدین ابوشجاع (انڈیانا، USA)

☆ عارف محمود انصاری (مسقط، عمان)

☆ شاہ حسین نہری (اورنگ آباد، مہاراشٹر)

☆ احمد ابوسعید (حیدرآباد) ☆ سلمان غازی (ممبئی)

☆ ڈاکٹر سیّد احمد خاں (نئی دہلی) ☆ پروفیسر ارتضیٰ کریم (دہلی)

☆ انتخاب عالم انصاری (ممبرا، تھانے)

☆ عبدالرحمٰن صدیقی (ممبئی) ☆ اعزاز حسن (دہلی)

ممبر آل انڈیا اردو ایڈیٹرز کانفرنس

Under UGC Care List

Member, Press Club of India, New Delhi

قیمت

عام شمارہ (اسٹینڈ قیمت)	:	40/-
سالانہ (عام بذریعہ سادہ ڈاک)	:	200/-
سالانہ (عام رجسٹرڈ ڈاک)	:	350/-
سالانہ (کتب خانے و ادارے)	:	550/- (رجسٹرڈ ڈاک)
تاحیات (ہندوستان)	:	5000/-
پاکستان، بنگلہ دیش و نیپال	:	2000/- (سالانہ)
تاحیات	:	15000/- (بھارتی کرنسی)

دیگر ممالک

	:	35 امریکی ڈالر (سالانہ)
	:	500 یو ایس ڈالر تاحیات

آن لائن رقم ٹرانسفر کرنے کے لیے

Mohammad Arif Iqbal

Current A/c No. 33469561425

State Bank of India, Jama Masjid Delhi

IFSC: SBIN0002366

بینک ڈرافٹ یا ملٹی سٹی چیک پر صرف

"URDU BOOK REVIEW"

تحریر کریں۔

Registered Office

URDU BOOK REVIEW

1739/3 (Basement) New Kohinoor Hotel

Pataudi House, Darya Ganj, New Delhi-2

ترسیل زر اور ادارتی و انتظامی امور میں رابطے کا پتہ

1739/104, First Floor, M.P. Street

Pataudi House, Darya Ganj

New Delhi-110002 Ph: [O] 011-44753890

[M] +91 9953630788 +91 9899506816

Email: urdubookreview1995@gmail.com

کمپیوٹر کمپوزنگ: اردو بک ریویو، ڈی ٹی پی ڈویژن

کمپوزیٹر: محمد عمران

Printer, Publisher and Editor: Mohammad Arif Iqbal

پرنٹر، پبلشر اور اونر محمد عارف اقبال نے اصیلا آفسیٹ پرنٹرز، 08-1307، کلاں محل، دریا گنج، نئی دہلی-2 سے چھپوا کر دفتر اردو بک ریویو، 1739/3، (ذیلی منزل)، نیو کوہ نور ہوٹل، پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی-2 سے شائع کیا۔

ترتیب

اداریہ: • 'ہندتو' اور ہندوستان 03-06
• این سی ای آر ٹی (NCERT) کا گیم پلان

عرضِ ناشر: اردو دنیا کی ذہنی پستی 07-08

قارئین کے تاثرات 09-11/14

بلا تبصرہ: اورنگ زیب اور اس کا نظریہ (ڈاکٹر اوم پرکاش پرساد) 13-14

علم وادب: کچھ ایسی ڈھیٹ ہے کم بخت، آتی ہے نہ جاتی ہے [ابونثر] 15-16

کتاب زندگی 17-21
• پروفیسر صغیر افراہیم (علی گڑھ) 17
• پروفیسر قاضی حبیب احمد (چنئی، تمل ناڈو) 18
• ڈاکٹر عقیل احمد (نئی دہلی) 19
• ڈاکٹر اے کے علوی (سہسرام، بہار) 20
• محمد رمضان عبدالشکور (مالیگاؤں، مہاراشٹر) 21

سیر حاصل: (مفصّل تبصرہ) 23-34
• نمی رقصم [خودنوشت] 23
• نسیم شمال [سلسلہ صوفیا] 31

نقد و تبصرہ 35-65
• تحقیق و تدریس قرآن (معروف علما اور اداروں کا مطالعہ) 35
• ناجنس اور اسلام (انحرافی جنسی رویوں کا نفسی معاشرتی بیانیہ) 37
• دبستانِ نعت (کتابی سلسلہ ۹) 39
• اردو زبان کی تاریخ (تیسرا اضافہ شدہ ایڈیشن) 41
• خدا کے سرکش دوست (عہد وسطیٰ کے درویش ...) 43
• مجلّہ اثبات (کتابی سلسلہ 44 مع گوشہ اطہر فاروقی) 45
• تنویر احمد علوی (مونوگراف) 47
• مسئلۃ المصافحہ (سیّد شاہ محمد نظام الدین قادری مجیبی پھلواروی) 49
• تصورات و تفہیمات (ادبی مضامین کا مجموعہ) 51
• ہمارے تبصرے (ڈاکٹر محمد مظاہر الحق) 52
• تلاش (مسلمانوں کے مسائل پر 56 مضامین) 54
• سچ ہی تو ہے (ہفت روزہ گواہ، حیدرآباد کے اداریے) 56
• اردو نثر میں جدید ترسیل کے ذرائع (صحافتی نثر اور ...) 58
• پرائی کوکھ کا درد (افسانے) 60
• کردار کا جنم (ڈراموں کا مجموعہ) 62
• وجے تیندولکر: شناخت کی تلاش 64

جائزہ: اردو کتب ورسائل 67-71
• اردو صحافت اور ادب (اداریے اور شذرات) 67
• روضۃ الشہدا اور کربل کتھا (تقابلی مطالعہ) 69
• یادگار زمانہ ہیں یہ لوگ 70

شعری ادب: (مجموعہ کلام) 73-84
• نصاب (رشید افروز) 73
• لہو بادبان (کلیات اوّل، ساجد حمید) 75
• ریت کی تحریر (جاوید رانا) 76
• دیوانِ نسیم (مبنی بر نسخہ اشاعت اوّل 1873) 77
• پسِ غبارِ وجود (پروفیسر منظر اعجاز) 78
• بارشِ رحمت (مینو بخشی) 79
• گلدستۂ غزل (آن لائن طرحی مشاعرے کا مجموعہ) 82
• اسفارِ زندگی (مجموعہ کلام) 83

وفیات [Obituaries]: 85-92/66
• پروفیسر چودھری محمد نعیم (85)
• انیس رفیع (86) • پروفیسر زبیر حسن (86)
• پروفیسر آصفہ زمانی (87) • ڈاکٹر ستیہ پال آنند (87)
• عبدالسمیع بوبیرے (88) • عبدالمجید خاں مجید (90)
• اقبال دانش (90) • شاکر ادیبی (91)
• خالد ندیم بدایونی (91) • شکیل سہسرامی (92)
• احمر جلیسری (92)
• قاضی ناصر علی (92)
• جلیس احمد حمیدی (92)
• اشتیاق لاری ندوی (66)

نئی کتب: [New Arrivals] 93-96

مضمون نگار یا مبصر کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

’ہندتو‘ اور ہندوستان

لال قلعہ دہلی کی تاریخی فصیل سے 79 ویں یوم آزادی کے موقع پر 15 اگست کو ہندوستان کے وزیر اعظم نریندر مودی نے اپنی طویل تقریر کے دوران میں پہلی بار ملک کی انتہا پسند تنظیم آر ایس ایس کی خدمات کو بڑے والہانہ انداز میں اجاگر کرنے کی کوشش کی۔ وزیر اعظم کا آر ایس ایس سے کس قدر گہرا رشتہ ہے، سب کو معلوم ہے۔لیکن اس جمہوری ملک کے عوام کے لیے وزیر اعظم کی طرف سے یہ اعلان شاید غیر متوقع تھا۔ اس لیے ہر طبقے میں بحث کا آغاز ہو گیا۔ پھر چند ہی دنوں میں آر ایس ایس یا ’ہندو راشٹر‘ کی بحث دَم توڑ گئی۔

ہندوستان کی قدیم مذہبی اور ثقافتی تاریخ کے ماہرین کے نزدیک یہاں آریہ قوم نے غیر آریہ قوموں پر ظلم و بربریت کی انتہا کردی تھی۔ یہ سلسلہ 1500 قبل مسیح سے 550 قبل مسیح تک جاری رہا۔ بھارت میں آ کر بس جانے والی آریہ نسل کئی قبیلوں میں منقسم تھی۔ انہوں نے غیر آریائی قوموں کو تہہ تیغ کیا، خون کی ندی بہادی۔ جو بچ گئے انہیں اپنا غلام بنالیا۔ ’ہندتو‘ کا آغاز یہیں سے ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ نسلی تفوق اور اس کے پردے میں ظلم کی یہ تاریخ تین ہزار سالوں سے جاری ہے۔ مغلوب غیر آریائی قوموں کو ’شودر اور ملیچھ‘ قرار دیا گیا۔ دانشور کہتے ہیں کہ ’ہندتو‘ کی حقیقت نسل، خون، ہڈی اور تسلسلِ نطفہ ہے۔ دانشور یہ بھی کہتے ہیں کہ اس وقت ’ہندتو‘ کے بلاواسطہ قائلین میں نمایاں ترین داعی سنگھ پریوار ہے۔ بالواسطہ ’ہندتو‘ کے قائلین میں نمایاں ترین داعی کانگریس ہے۔

’ہندتو‘ کے اس مختصر تاریخی پس منظر اور حالاتِ حاضرہ کے تناظر میں اندازہ کیجیے جب انڈین نیشنل کانگریس (INC) کا قیام 28 دسمبر 1885 کو عمل میں آیا تھا، اس کے مؤسسین میں اے او ہیوم (1829-1912) کے ساتھ کئی ہندوستانی چہرے تھے۔ اے او ہیوم (Allan Octavian Hume) کو فادر آف دی انڈین نیشنل کانگریس بھی کہا جاتا ہے۔ برٹش راج کی یہ پہلی نیشنلسٹ تحریک ایشیا اور افریقہ کو محیط تھی۔ 1885 سے 1947 تک اس نیشنلسٹ تحریک کے 63 صدور بنائے گئے جن میں دادا بھائی نوروجی، بدرالدین طیب جی، سریندر ناتھ بنرجی، گوپال کرشن گوکھلے، مدن موہن مالویہ، بھوپیندر ناتھ بوس، اینی بیسنٹ (1917)، سیّد حسن امام (1918)، موتی لعل نہرو، لالہ لاجپت رائے، حکیم اجمل خاں (1921)، چترنجن داس (1922)، محمد علی جوہر (1923)، ابوالکلام آزاد (1923; 1940-1946)، مہاتما گاندھی (1924)، مختار احمد انصاری (1927)، جواہر لعل نہرو (1929-30)، ولبھ بھائی پٹیل، راجندر پرساد، سبھاش چندر بوس (1939) اور جے بی کرپلانی (1946-47) شامل تھے۔ کئی نام ایسے ہیں جو ایک سے زائد بار کانگریس کے صدر رہے۔لیکن ایک چبھتا ہوا

سوال یہ ہے کہ برٹش راج کے ایک سول سرونٹ اور ماہر طیوریات (Ornithologist) کو آخر انڈین نیشنل کانگریس قائم کرنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ اس کے صدور میں چند سرکردہ برٹش بھی شامل تھے۔ سب سے زیادہ اہم سوال یہ ہے کہ 1857 میں مغلیہ حکومت کے دردناک خاتمے کے پیچھے کون تھے؟ کیا برٹش حکمراں اتنے ظالم تھے کہ آخری مغلیہ حکمراں بہادر شاہ ظفر اور ان کی آل اولاد کو دردناک انجام سے دوچار کیا۔ یہ واقعہ بھی تحقیق طلب ہے کہ برٹش حکمراں کے اپنے مخالفین کو زیر کرنے کے بعد ایک برٹش سول سرونٹ نے کس کے ایما پر 1885 میں انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد رکھی؟ اس کی اصل حقیقت کیا ہے؟

برٹش راج میں ہندو یا 'ہندتو مشن' کی مذہبی تحریکات کا جائزہ لیجیے۔ 'ہندو مہاسبھا' کی بنیاد 1915 میں مدن موہن مالویہ نے رکھی، جو انڈین نیشنل کانگریس کے ایک سے زائد بار صدر رہ چکے تھے۔ بعد میں یہی ہندو مہاسبھا ایک مختلف جماعت کی شکل میں 1930 کی دہائی میں اُبھری جس کے کلیدی رہنما ونائک دامودر ساورکر (1883-1966) تھے۔ ناتھورام گوڈسے (1910-1949) کا تعلق بھی 'ہندو مہاسبھا' سے تھا جس نے مہاتما گاندھی کو قتل کیا تھا۔ سوامی وویکانند (1863-1902) نے عالمی سطح پر ہندو مذہب اور ثقافت کی تبلیغ کا آغاز کرتے ہوئے 1897 میں 'رام کرشن مشن' کی بنیاد ڈالی تھی۔ سوامی وویکانند ایک زمیندار کائست بنگالی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا یہ قول مشہور ہوا:

"Arise, Awake, and Stop not till the goal is reached."

'ہندتو' کی تبلیغ کے لیے ان کے مشن کی آماجگاہ خاص طور سے امریکہ تھا۔ انہوں نے 'ہندو دھرم' کی نشاۃ اور عالمی تجدید میں کلیدی اور تاریخی کردار ادا کیا تھا۔

اب ذرا 'ہندو نیشنلسٹ تحریک' راشٹریہ سویم سیوک سنگھ (RSS) کے پس منظر پر ایک نظر ڈالیے۔ آر ایس ایس جس کی بنیاد 6 ستمبر 1925 کو برٹش انڈیا میں رکھی گئی تھی، اس کے بانی (Founder) اور پہلے سرسنگھ چالک کیشو بلی رام ہیڈ گیوار (1889-1940) تھے۔ ہیڈ گیوار جس شخص سے سب سے زیادہ متاثر تھے، اس کا نام ونائک دامودر ساورکر ہے۔ ساورکر نے 1923 میں ایک کتابچہ "Essentials of Hindutva" کے نام سے لکھا تھا۔ یہ کتابچہ دراصل 'خلافت تحریک' (خلافتِ عثمانیہ) کے ردعمل میں لکھا گیا تھا۔ دوسرے سرسنگھ چالک ایم ایس گولوالکر (1906-1973) تھے۔ اس وقت سنگھ پریوار کے چھٹے سرسنگھ چالک موہن بھاگوت (پ: 1950) 21 مارچ 2009 سے سنگھ پریوار کی مسلسل قیادت کر رہے ہیں۔ 6 ستمبر 2025 کو آر ایس ایس کی تشکیل کا صد سالہ جشن منایا گیا ہے۔

'ہندتو' کی سماجی و تہذیبی تاریخ کے ایک دانشور کا خیال ہے کہ ''1906 میں کلکتہ کانگریس سیشن میں ایک فیصلہ لیا گیا۔ وہ فیصلہ تھا: 'سوراج کا حصول' تب یہ ایک ذو معنی اور مبہم اصطلاح رہی ہوگی جس کا ظاہر انگریزی حکومت سے چھٹکارا حاصل کرنا تھا اور ملک کو آزاد کرانا تھا لیکن جس کا باطن 'ہندتو' کے لیے قوتِ نافذہ حاصل

کرنا تھا۔''

'ہندتو' کے اس تناظر میں 1857 کا 'غدر' بھی ایک منصوبہ بند سازش محسوس ہوتی ہے۔ اس کا خمیازہ غلام ہندوستان میں صرف مسلمانوں کو بھگتنا پڑا۔ عوام سے لے کر شاہی خاندان تک بدترین تباہی سے دوچار ہوا۔ ایسا لگتا ہے کہ دوسری منصوبہ بند سازش 1947 میں کی گئی اور پنجاب کو 'شکارگاہ' بنایا گیا۔ اس وقت ایسی نسل کشی کی گئی کہ اس کے زخم سے آج بھی ٹیس اٹھتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ آزادی کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کو خوف و ہراس کی نفسیات میں مبتلا کر کے زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا گیا۔ ملک میں لامتناہی فرقہ وارانہ فسادات کے سلسلے نے مسلمانوں کو سماجی، معاشی ہر سطح پر معذور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ 'سچر کمیٹی' کا سروے اس لیے کرایا گیا کہ مسلمانوں کو ان کی حیثیت بتائی جائے کہ وہ پستی کے کس مقام پر آپہنچے ہیں۔

آر ایس ایس کی سرپرستی میں بھارتیہ جنتا پارٹی کے سیاسی عزائم بظاہر پہلے سے معلوم ہیں لیکن عزائم کے باطن میں 'قدیم ہندتو' کا جو فلسفہ مخفی ہے، اس سے کم ہی لوگ واقف ہوں گے۔ دانشور کہتے ہیں کہ 'ہندتو' تنزل کی صورت میں کچھوے کی طرح سمٹا ہوا ساکت و صامت رہتا ہے، حتیٰ کہ سیپ کی طرح مضبوط خول میں چھُپ جاتا ہے۔ اس کے برعکس ترقی کی صورت میں 'ہندتو' لامتناہی طور پر پھیلتا ہے، اس کی وجہ اس نسل کی نفسیات ہے۔ کیوں کہ ہندتو نفسیات بنیادی طور پر حساس اندرونی نفسیات (Insular Psyche) کی حامل ہوتی ہے۔ اس لیے اپنی اصل کے اعتبار سے اس کا رجحان تسابق للبقاء کا نہیں ہوتا بلکہ تنازع للبقاء کا ہوتا ہے۔

ہندوستان کے موجودہ سیاسی اور سماجی پس منظر میں پابند سلاسل عمر خالد اور شرجیل امام وغیرہ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ اندازہ کیجیے کہ 'آزاد ہندوستان' میں ملک کی مختلف جیلوں میں لاکھوں مسلمان برسوں سے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے ہیں جن کا کوئی پُرسان حال نہیں ہے۔ زعفرانی حکومت میں 'ماب لنچنگ' اور 'بلڈوزر کلچر' کا فروغ ایسا جارحانہ طریقہ کار ہے کہ سانپ کے گزر جانے کے بعد ہمارے رہنما، دانشور اور صحافی حضرات صرف لکیر پیٹتے رہتے ہیں۔ میڈیا میں ان کے لاحاصل بیانات اور صحافیوں کے مضامین کے انبار لگے ہوئے ہیں۔ حاصل کیا ہے، صفر...؟ ہمارے خودساختہ 'امیر الہند' کو اب بھی یہ گمان ہے کہ سنگھ پریوار کے سربراہ سے گفتگو کی جائے تو شاید کوئی حل نکل آئے۔ اس بات پر کف افسوس ملنے کے علاوہ اور کیا کیا جا سکتا ہے۔

این سی ای آر ٹی (NCERT) کا گیم پلان

ہندوستان میں این سی ای آر ٹی (NCERT) ایک ایسا تعلیمی تحقیقی ادارہ ہے جو مرکزی حکومت کے تحت کام کرتا ہے۔ اول درجے سے بارہویں درجے تک کی تحقیقی نصابی کتابیں شائع کرنا اور ملک کے سرکاری اساتذہ کے لیے بطور رہنما (Guide) خدمات انجام دینا، اس کا بنیادی مقصد ہے۔ یہ ادارہ اپنی خواہش کے مطابق یا مرکزی حکومت کے ایما پر جب چاہے نصاب میں تبدیلی کر سکتا ہے۔

1990 کی دہائی میں اشاعت اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ) دہلی کے معروف اشاعتی ادارہ مرکزی مکتبہ اسلامی کو این سی ای آر ٹی کی طرف سے ایک نوٹس بطور چارشیٹ موصول ہوا تھا۔ اس میں مرکزی مکتبہ اسلامی کی چند اردو کی نصابی کتابوں کے اسباق پر سخت اعتراض کیا گیا تھا۔ ان میں ابتدائی درجے کے اردو قاعدہ کے ایک جملہ ''لالو مورت مت پوج، ایک خدا کو پوج'' پر سخت برہمی کا اظہار کیا گیا تھا۔ اس نوٹس کا یہ اثر ہوا کہ مرکزی مکتبہ اسلامی کی تقریباً تمام ہی نصابی کتابوں میں تبدیلی کا آغاز ہو گیا۔ واضح ہو کہ مکتبہ کی نصابی کتابوں کو اس وقت کے سکریٹری جنرل، جماعت اسلامی ہند افضل حسین (ایم اے، ایل ٹی) کی نگرانی میں تیار کیا گیا تھا۔ وہ خود ماہر تعلیم تھے اور تعلیمی میدان کا طویل تجربہ رکھتے تھے۔ اب مذکورہ بالا عبارت اردو قاعدہ یا ہماری کتاب حصہ اول میں موجود نہیں ہے۔ یہ بات ملحوظ رکھی جائے کہ اس وقت مرکز میں سیکولر حکومت قائم تھی۔ اب جبکہ مرکز میں گزشتہ گیارہ برسوں سے 'ہندو راشٹر' کے خواہاں لوگوں کے ہاتھ میں حکومت ہے، اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے تعلیمی نصاب میں کیونکر کوئی گنجائش ہو سکتی ہے۔ مسلمان یا مسلم حکمرانوں کے نام کو مٹا کر گلی، سڑک اور شہر کے ناموں کو مسلسل تبدیل کیا جا رہا ہے تو ہمارے رہنما اور دانشور محض تماشائی بنے ہوئے ہیں۔ وہ اس سلسلے میں کچھ بھی کرنے کی سکت نہیں رکھتے۔ لہٰذا ان سے کسی انقلابی اقدام کی توقع کیسے کی جا سکتی ہے؟

آر ایس ایس کے پروردہ پُرشوتم ناگیش اوک (1917-2007) نے 'ہندتو' کے منصوبے میں اپنا تاریخی کردار ادا کرتے ہوئے مسلم حکمرانوں کی وراثت کو غلط ثابت کیا تھا۔ جب وہ اپنی تاریخ نگاری کا قلعہ تعمیر کر رہے تھے تو اس وقت مسلم دانشور اور قوم کے رہنما کہاں تھے۔ پی این اوک کی بات کو شاید وہ 'ادبی طنز و مزاح' کا رنگ دینے میں مصروف تھے۔ 1966 میں پی این اوک کی کتاب "Some Blunders of Indian Historical Research" شائع ہوئی تھی، تب بھی مسلم دانشوروں کے کان کھڑے نہیں ہوئے۔ پی این اوک نے 1980 میں ایک تحقیقی ادارہ قائم کیا تھا جس کا نام ہے "Institute of Rewriting History" کیا یہ ادارہ ایک مذاق تھا۔ اب جبکہ NCERT اپنی کتابوں سے مسلم حکمرانوں کی خدمات کو کھرچ کھرچ کر نکال رہا ہے تو اردو میڈیا میں احتجاجی مضامین لکھے جا رہے ہیں اور خاص طور پر سوشل میڈیا پر ہیجان انگیز ویڈیوز اپلوڈ کیے جا رہے ہیں۔ مسلم زعما تماشائی بنے ہوئے ہیں اور محض بیان بازی میں مصروف ہیں۔ وہ کر بھی کیا سکتے ہیں۔ 'ہندتو' کی نفسیات اور تاریخ سے ان کی واقفیت ایسا لگتا ہے، صفر کے درجے پر ہے۔ اگر ان کے پاس بحیثیت مسلم رہنما کوئی منصوبہ ہوتا تو کچھ کرنے کا داعیہ بھی ہو سکتا تھا۔ حیرت ہے کہ وہ جماعت یا تحریک جو 'دعوت اسلامی' کے زعم میں مبتلا تھی اور اب بھی اس کا دعویٰ یہی ہے، اس نے بھی سپر ڈال دیا تھا۔ علامہ اقبال نے کہا تھا:

بیاں میں نکتۂ توحید آ تو سکتا ہے
ترے دماغ میں بُت خانہ ہو تو کیا کہیے

9 ستمبر 2025 — محمد عارف اقبال

عرض ناشر

اردو دنیا کی ذہنی پستی

محترم قارئین! 'اردو بک ریویو' کی باضابطہ اشاعت کا اکتیسواں سال (2025) جاری ہے۔ اردو دنیا خوب واقف ہے کہ یہ مجلّہ محض ادبی ذوق کی آبیاری کا ثمرہ نہیں بلکہ اردو کی ایک علمی و ادبی دستاویز ہے۔ یہ مجلّہ اول روز سے جن کے لیے خاص طور سے مفید تر رہا ہے ان میں پبلشرز (بالخصوص اردو)، اساتذہ (یونیورسٹی سے اسکول تک)، طلبا و طالبات (بالخصوص ریسرچ اسکالرز)، مطالعے کا ذوق رکھنے والے جملہ قارئین شامل ہیں۔

انتہائی افسوس لیکن ادب واحترام کے ساتھ عرض ہے کہ 'اردو بک ریویو' کے ساتھ اس تیس سالہ سفر میں ہمیں اردو کے بیشتر پبلشرز اور اساتذہ (بشمول یونیورسٹی پروفیسرز) نے بہت مایوس کیا ہے۔ ان کے عدم تعاون نے ہمیں ابتدا سے شدید آزمائش میں مبتلا رکھا ہے۔ اگر اردو کے ناشرین چاہتے تو اپنے اشتہارات سے مجلّہ کا مسلسل تعاون کرسکتے تھے۔ اساتذہ چاہتے تو اس منفرد دستاویزی مجلّہ کو اپنی آنکھوں سے لگاتے اور اس کے مطالعے کے لیے طلبا کو تحریک دیتے۔ لیکن معدود چند کو چھوڑ کر اکثر اساتذہ نے عدم تعاون کی انتہا کردی۔ ان حالات میں جن محبانِ اردو کی جانب سے دامے، درمے، سخنے مسلسل تعاون ملتا رہا، ان میں مطالعہ کا ذوق رکھنے والے وہ قارئین ہیں جن کے خلوص و محبت کو ہم سلام کرتے ہیں۔ ان قارئین میں سائنس کے اساتذہ اور طلبا بھی ہیں اور کاروبار زندگی سے وابستہ وہ علم دوست حضرات ہیں جن میں مشترک بات 'اردو سے محبت' ہے۔

ادارے کو مالی تعاون دینے والے ان حضرات کے خلوص اور محبت کی دل کی گہرائیوں سے قدر کرتا ہوں جنہوں نے نام و نمود اور صلے کی پروا کیے بغیر ادارے کی کفالت کی اور اب بھی ان کا تعاون ہمیں حاصل ہے۔ اس تعاون کا صلہ تو صرف اللہ رب العزت کے پاس ہے۔

اس موقع پر 'اردو بک ریویو' کے لیے لکھنے والے ان مبصرین کا انتہائی ممنون و احسان مند ہوں جنہوں نے ادارے کی طرف سے فراہم کردہ کتابوں پر کسی اُجرت کے بغیر بروقت اپنی تحریریں ارسال کرتے رہے۔ کئی محترم مبصرین ہم سے جدا ہوگئے اور جاتے جاتے اردو بک ریویو کے صفحات میں اپنے یادگار نقوش ثبت کر گئے اور عنداللہ ماجور ہوئے۔ دنیا بھی اِن شاء اللہ انہیں یاد رکھے گی۔

اردو کے عام رسائل کے مدیران کا یہ مزاج رہا ہے کہ وہ اپنے قارئین کو رِجھانے کے لیے اور شہرت کی لَت میں مبتلا کرنے کے لیے 'کچھ لو اور کچھ دو' کی پالیسی پر عمل کرتے رہے ہیں۔ کچھ لوگ شاید 'اردو بک ریویو' سے یہی توقع رکھتے تھے۔ لیکن ادارے نے اول روز سے اپنی پالیسی پر سختی سے قائم رہتے ہوئے خود کو 'ادبی دنیا' کی آلائشوں سے محفوظ رکھنے کی حتی الامکان کوشش کی ہے۔ گزشتہ تیس برسوں سے کسی بھی مصنف کی کتاب پر تبصرہ منفعت کے بغیر مفت شائع ہوتا رہا ہے۔ اسی طرح 'کتابِ زندگی' کالم میں کسی شخصیت کی شمولیت بھی مشروط نہیں

رہی ہے۔ اس کے باوجود اردو ادب سے وابستہ چند افراد نے بزعمِ خود ادارے کے لیے 'عدم تعاون' کی پالیسی اختیار کرتے ہوئے اسے 'تنہا' کر دینے کی کوشش کی۔ لیکن اللہ جسے زندہ رکھے اسے کون چکھ سکتا ہے۔ تیس برسوں کی ریاضت کے بعد بھی ادارے کا انفرااسٹرکچر بھلے ہی وجود میں نہ آیا ہو لیکن الحمدللہ! 'اردو بک ریویو' کی اشاعت کے تسلسل میں کوئی فرق نہیں آیا۔ کووڈ: 19 کے سخت اور ہولناک حالات میں بھی، جبکہ ادارے کا دفتر تقریباً آٹھ ماہ بند تھا، مجلّہ کے مدیر نے الحمدللہ پیٹھ دکھانے کی کوشش نہیں کی۔ ہمیشہ امید اور حوصلے کے ساتھ کام کیا ہے اور مدیر پر پژمردگی یا مایوسی طاری نہیں ہوئی۔

اردو کا یہ علمی و ادبی حلقہ کتنا بے حس ہے کہ تاریخی، علمی و دستاویزی کام میں تعاون کرتا ہے اور نہ ہی اس کی کامیابی کا اعتراف کرتا ہے۔ ماہنامہ آج کل کے مدیر محبوب الرحمٰن فاروقی (مرحوم) نے لکھا تھا:

''یہ بہت نیک کام ہے جس کا بیڑا آپ نے اٹھایا ہے۔ خدا کرے آپ اپنے مشن میں کامیاب ہوں۔'' (شمارہ: دسمبر 95 تا جنوری 96ء)

برٹش ہائی کمیشن کے انفارمیشن آفیسر سیّد راحت حسن (مرحوم) نے لکھا:

''اردو بک ریویو کو بے حد معلوماتی، مفید اور دلچسپ پایا۔۔۔ اپنی نوعیت کا ایک منفرد رسالہ ہے۔ یہ اردو بولنے اور پڑھنے والوں کی ضروریات اور وقت کے تقاضوں کو بخوبی پورا کرتا ہے۔'' (شمارہ: اپریل، مئی 1996)

کیا یہ سوال قائم نہیں ہوتا کہ اردو دنیا واقعی ذہنی پستی میں مبتلا ہو چکی ہے۔ مطالعے سے زیادہ اسے اردو کتابوں کے اجرا میں دلچسپی ہے۔ یہ اردو دنیا کی ستم ظریفی ہے کہ ایک دستاویزی مجلّہ کے 30 سال مکمل ہونے پر بھی اس کی خدمات کے اعتراف اور اس کی خدمات کو اجاگر کرنے کے لیے کوئی مضمون لکھنے والا ابھی نہ پایا جاتا ہو۔

بہرحال یہ اللہ رب العزت کا فضل ہے کہ گزشتہ برس ستمبر 2024 میں چند مخلص دوستوں کے خصوصی تعاون سے 'اردو بک ریویو' کی ویب سائٹ لانچ ہو گئی۔ اس پر 'اردو بک ریویو' کے تمام شمارے اپلوڈ کیے جا رہے ہیں۔ ایک تہائی کام باقی ہے۔ اب اردو بک ریویو' کی دستاویز پوری دنیا میں عام ہو گئی ہے۔ مکافاتِ عمل کا انتقام بڑا سخت ہوتا ہے۔ آنے والی نسل آج کے نام نہاد اردو ادیبوں، شاعروں اور نقادوں کی بے حسی یا تجاہلِ عارفانہ کو اِن شاء اللہ طشت از بام کر دے گی۔

باقی باتیں آئندہ شمارے میں، اِن شاء اللہ!

اس موقع پر حضرت کلیم عاجز کا یہ شعر یاد آیا:

اپنا تو کام ہے کہ جلاتے چلو چراغ — رَستے میں خواہ دوست یا دشمن کا گھر ملے

31 اگست 2025

—— محمد عارف اقبال

Mobile: 09953630788

قارئین کے تاثرات

❑ ... ’اردو بک ریویو‘ کے 42 ویں شمارے (اپریل تا جون 2025) پر ذرا دیر سے نظر پڑی۔ برادرم عرفان جعفری صاحب نے کلیات قیصر عنایت فرمائی تھی۔ میں قیصر صاحب کی شاعری کا ہمیشہ مداح تھا۔ ’کلیات قیصر‘ کا مطالعہ کرتے ہوئے میں واہ واہ کرتا رہا، البتہ یہ احساس تکلیف دے رہا تھا کہ اگر قیصر صاحب حیات ہوتے تو اس کے اجرا کی محفل سجانے سے منع کر دیتے۔ یہاں ان لوگوں کی بھیڑ تھی جنہیں اردو سے کوئی شغف ہے نہ شاعری یا قیصر جعفری صاحب کی شاعری سے۔

’سر بازارمی رقصم‘ پر آپ کا تبصرہ بہت اچھا ہے۔ پروفیسر محمد حسن مرحوم ذی علم شخصیت تھے میری ان سے دو یا تین ملاقات تھی۔ ان کی بیوی کے احوال جو مختلف ذرائع سے مجھ تک پہنچے ہیں ان کے ’شیزوفرینیا‘ جیسی بیماری میں مبتلا ہونے کا پتا دیتے ہیں۔ یہ بڑی آزمائش ہے۔ اللہ والے بزرگ جناب مظہر جانجاناں بھی اس قسم کی آزمائش میں مبتلا تھے۔ ظ انصاری میرے ممدوح تھے مگر بیوی سے ان کے سلوک کو میں ناپسند کرتا تھا۔ علی سردار جعفری کی کفالت ایک طرح سے ان کی بیوی نے کی اس کے باوجود وہ جنسی تسکین کے لیے ادھر اُدھر منہ مار لیا کرتے تھے۔ محمد حسن مرحوم نے اس کی تصدیق کی ہے۔ میرے قریبی لوگوں میں کالی داس گپتا رضا آر ایس ایس، آریہ سماج اور پھر سناتن دھرم سے قریب تھے مگر ان کی جنسی زندگی میں پھوہڑپن نہیں تھا۔ دوسرے بزرگ دوست لاجپت رائے پکے کمیونسٹ اور دہریہ تھے مگر بیوی کے وفادار تھے۔ مجھے یہ تسلیم کرنے میں تامل ہے کہ محمد حسن مرحوم کسی ایسی نفسیاتی پیچیدگی میں مبتلا رہے جس کا نام خود انہیں معلوم نہیں تھا۔ ان کی بیوی جیسے اور جن حالات میں بیوی بنی ہو مگر تھی منکوحہ — محمد حسن جو بھی تھے جیسے بھی تھے مگر اوچھے نہیں تھے۔ جہاں تک جنسی رجحان کا تعلق ہے ہندوستانی اور مسلم معاشرے میں تین قسم کے لوگ ملتے ہیں:

اوّل وہ ہیں جو جہاں بھی موقع ملے منہ مار لیتے ہیں۔

دوم وہ ہیں جو اللہ سے نہیں ڈرتے مگر بیوی سے بہت خوفزدہ رہتے ہیں۔

سوم وہ ہیں جو استغفراللہ، معاذ اللہ میں اپنی بدکرداری یا بُری عادتوں کو چھپاتے ہیں۔

مگر مسلم معاشرے میں اکثریت ان کی ہے جو اپنی اصلاح بھی کرتے رہتے ہیں اور دوسروں کے بارے میں حسن ظن بھی رکھتے ہیں۔ ان حقائق کو سمجھنے کے لیے ماہرین نفسیات و جنسیات کی موٹی موٹی کتابوں کی ضرورت نہیں تجربات و مشاہدات سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ میں ذاتی طور پر ان کو بھی بُرا سمجھتا ہوں جو کسی علت میں مبتلا ہیں اور ان کو بھی جو تنگ نظری اور حسد کی بنیاد پر کہانیاں بناتے رہتے ہیں۔...

محمد حسن نے علی سردار جعفری کو قابل اعتراض حالت میں دیکھا۔ انہیں شاید علم نہیں کہ ان کے ارد گرد ایسے لوگ بھی تھے جو ’قابلِ اعتراض‘ حالت میں ہونا قابلِ اعتراض نہیں سمجھتے تھے۔ بہتوں کی علتیں تو ذہنی امراض کی نشاندہی کرتی ہیں۔ ان امراض کو جنسیات اور نفسیات کے ماہرین کی کتابوں کو پڑھے بغیر بھی سمجھا جا سکتا ہے۔

’یادوں کی بارات‘ (جوش) اور ’اس آباد خرابے میں‘ (اخترالایمان) میں بیان کیے گئے بعض واقعات ممکن ہے سچے ہوں مگر ان کی تشہیر بہت بھونڈے ڈھنگ سے کی گئی ہے۔ ساقی فاروقی وغیرہ کی تحریروں میں تو ایسے کئی واقعات اور جملے ہیں جن پر یقین کرنے کے لیے ’شہرت پرست‘ ہونا ضروری ہے۔ ’سر بازارمی رقصم‘ میں محمد حسن نے جو جو لکھا ہے وہ ان کے مظلوم ہونے کا احساس دلاتا ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ انہیں بیوی کے مظالم، ان کی بعض عادتوں یا بیوی پر کیے گئے ماضی کے بعض مظالم کے سبب سہنے پڑے ہوں۔ آپ نے اچھا کیا ہے کہ زخم کو کریدا یا موضوع کو لذت پرستی کی نذر نہیں کیا ہے ورنہ میرا مشاہدہ تو یہ ہے کہ عمرانہ کے معاملے میں دانت چبا چبا کر ایسی ایسی باتیں کہی گئیں کہ کمزور اعصاب کے لوگوں پر غسل واجب ہو گیا۔

جنسی ناآسودگی اور جنسی ہوس کو وہ بھی سمجھتے ہیں جو نیاز فتح پوری یا کسی اور کی کتاب نہیں پڑھتے۔ اس کا سب سے پختہ سبق تو زندگی اور عمر پڑھاتی ہے۔ فراق نے کیا اچھی بات کہی ہے:

رات بھی نیند بھی کہانی بھی
ہائے کیا چیز ہے جوانی بھی

کمال ہے آپ کی تحریر کا کہ ایسے موضوعات پر لکھتے ہوئے بھی آپ نے اپنی نیت اور صالح فکر کو آلودہ ہونے سے بچایا ہے۔ میں محمد حسن مرحوم کی صفائی نہیں دیتا مگر وہ لذت پرست سے زیادہ ذہنی طور پر بیمار بیوی کے ستائے ہوئے شخص معلوم ہوتے ہیں۔ اس خط میں جوش اور اخترالایمان کا نام لے کر جن واقعات کی طرف اشارہ ہے ان میں لذت وشہوت کا فاتحانہ ذکر ہے، محمد حسن کے یہاں ایسا نہیں ہے اور آپ نے تو وعظ وتبلیغ نہ کرنے کے باوجود گناہ سے دور ہونے اور دور رہنے کا احساس دلایا ہے۔ یہ بڑی بات ہے۔

شمیم طارق

فلیٹ نمبر 27، چوتھی منزل، مرزبان منشن، بائکلہ فروٹ مارکیٹ، ممبئی-400007 موبائل نمبر:9224751077

❑ ... 'اردو بک ریویو' کے تازہ شمارے کو دیکھ کر طبیعت خوش ہوگئی۔ ماشاءاللہ! اس شمارے میں ابن صفی کو مختلف ادیبوں، دانشوروں اور محققوں کی جانب سے جو خراج عقیدت پیش کیا گیا، آپ نے اس کا خوبصورت انتخاب شامل کر کے رسالے کو خوب زینت بخشی ہے۔

علم وادب کے تحت احمد حاطب صدیقی کا مضمون 'کیوں کر عینک کو نہ آنکھوں سے لگاؤں اے یار' بہت ہی دلچسپ مضمون ہے۔'اردو بک ریویو' کے تمام مشمولات دل کو چھو لینے والے ہیں کس کس کی تعریف کی جائے۔ آپ اسے ترتیب دینے اور سجانے سنوارنے میں خون پسینہ ایک کرتے ہیں، پھر بھی چند ایک غلطی راہ پا ہی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر نقد وتبصرہ کے تحت صفحہ 50 پر 'اردو شاعری میں قومی یکجہتی' میں مبصر نے مشہور شاعر کنور مہندر سنگھ بیدی سحر کو کنور مہندر ناتھ بیدی سحر لکھا ہے جو کہ غلط ہے۔ خود میری بستی کا نام چپریا ٹولہ ہے لیکن قارئین کے تاثرات میں صفحہ 9 پر اسے چھپریا قاضی ٹولہ لکھا گیا ہے۔ اور ہاں وفیات کے کالم میں ڈاکٹر سیّد عباس متقی کے سلسلے میں تحریر کیا گیا ہے کہ روزنامہ منصف میں ان کے طنز و مزاح سے بھرپور مضامین ادبی حلقوں میں بڑی مقبولیت حاصل کر چکے تھے۔ جبکہ

فرمانِ الٰہی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جن لوگوں نے اپنے ربّ سے کفر کیا ہے ...

ترجمہ:

''نہایت بزرگ و برتر ہے وہ جس کے ہاتھ میں (کائنات) کی سلطنت ہے، اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ○ جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تا کہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔ اور وہ زبردست بھی ہے اور درگزر فرمانے والا بھی ○ جس نے تہہ برتہہ سات آسمان بنائے۔ تم رحمٰن کی تخلیق میں کسی قسم کی بے ربطی نہ پاؤ گے۔ پھر پلٹ کر دیکھو کہیں تمہیں کوئی خلل نظر آتا ہے؟ ○ بار بار نگاہ دوڑاؤ۔ تمہاری نگاہ تھک کر نامُراد پلٹ آئے گی ○ ہم نے تمہارے قریب کے آسمان کو عظیم الشان چراغوں سے آراستہ کیا ہے اور انہیں شیطان کو مار بھگانے کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ ان شیطانوں کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ ہم نے مہیا کر رکھی ہے ○ جن لوگوں نے اپنے ربّ سے کفر کیا ہے اُن کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور وہ بُرا ہی ٹھکانا ہے ○ جب وہ اُس میں پھینکے جائیں گے تو اس کے دہاڑنے کی ہولناک آواز سنیں گے اور وہ جوش کھا رہی ہوگی ○

[سورہ مُلک: آیات ۱ تا ۷]

ترجمانی: علّامہ سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

منجانب ——— ایک خیر خواہ

روزنامہ منصف کے علاوہ وہ ماہنامہ شگوفہ حیدرآباد میں بھی پابندی سے لکھتے تھے اور قارئین شگوفہ ان کے مضامین کا ہر ماہ 'شگوفہ' میں شائع ہونے کا بے چینی سے انتظار کرتے تھے۔ ان کا خود بھی 'شگوفہ' کے مدیر سیّد مصطفیٰ کمال اور ماہنامہ شگوفہ سے بہت مضبوط تعلق تھا۔ پتہ نہیں کیوں مدیر گواہ سیّد فاضل حسین پرویز نے شگوفہ سے ان کے تعلق کا ذکر نہیں کیا۔

ابرار احمد صدیقی
چپریا قاضی ٹولہ، وایا بسفی، ضلع مدھوبنی-847122 (بہار)
Mobile: 9162876181

❑ ... نئی دہلی سے جناب محمد عارف اقبال کی ادارت میں شائع ہونے والا سہ ماہی مجلّہ 'اردو بک ریویو' کا تازہ شمارہ (اپریل تا جون 2025) ڈاک سے موصول ہوا۔

اپنی نوعیت و انداز کا یہ الگ ہی رسالہ ہے، جس میں افسانے، غزلیں و نظمیں شائع نہیں ہوتیں۔ اس میں اردو دنیا میں شائع ہونے والی مفید کتابوں پر اسکالرز اور علماء ادب کے تبصرے شائع ہوتے ہیں۔ طلبا، اساتذہ، ریسرچ اسکالرز اور اردو کے عام قارئین کے لیے اس کا مطالعہ بے حد مفید ہے۔ گزشتہ تیس برسوں سے مسلسل شائع ہونے والا یہ منفرد مجلّہ اردو زبان وادب کے تئیں اس کے مدیر کی محنتِ شاقہ کا غماز ہے۔ انتہائی دشوار حالات اور سخت مالی بحران میں بھی 'اردو بک ریویو' نے اپنے معیار سے مداہنت نہیں کی ہے۔

اللّٰہ تعالیٰ ادارے سے وابستہ افراد کو سلامت رکھے۔ آمین!

افضل بیگ (بنگلور)
موبائل نمبر: 9449002947

❑ ... اردو بک ریویو (اپریل مئی جون 2025) میں 'زندہ تحریریں؟' کے عنوان سے آپ کی تحریر پڑھی۔ تحریر کیا ہے 'صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے'۔ میں سمجھتا ہوں کہ ادب اور صحافت پر یکساں دسترس رکھنے میں شمیم طارق صاحب کا کوئی جواب نہیں ہے۔ تجزیاتی مضامین لکھنے میں تو ان کا مماثل بھی نہیں ہے۔ انقلاب 31 مئی 2025 کے شمارے میں بھی انہوں نے جو لکھا ہے اس کے تین دائرے ہیں۔ ہندوستانی معاشرہ، مسلم معاشرہ اور ہندوستان کا مسلم معاشرہ۔

ترجمے کے ذریعہ 'بوکر پرائز' پانے والی افسانہ نگار نے تینوں کے منفی پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔ مترجم نے بھی جس طرح اور جتنی کہانیوں کا انتخاب کیا ہے، ان سے بانو مشتاق کی ہی صلاحیت اور نقطۂ نظر پر روشنی نہیں پڑتی، چہ جائیکہ مسلم معاشرے کے حقائق کی صحیح ترجمانی ہو۔

آپ نے تین اقتباسات نقل کیے ہیں اور میں شمیم طارق صاحب کا مکمل مضمون پڑھ چکا ہوں۔ مجھے یہ کہنے میں قطعی کوئی تکلف نہیں کہ شمیم طارق صاحب نے اردو والوں اور صحافت و ادب کی طرف سے 'فرضِ کفایہ' ادا کیا ہے۔ ایک ایک حرف سچ پر مبنی ہے ان کی تحریر کا۔ مجھے لگتا ہے عبدل بسم اللّٰہ نے ہندی میں، سلمان رشدی نے انگریزی میں مسلمانوں کے خلاف لکھنے کا دروازہ کھول دیا ہے مگر انہی کی زبان میں یا اردو میں ان کا جواب دینے والے نہیں رہ گئے ہیں۔ آپ کو حیرت ہوگی کہ کانگریس سے تعلق رکھنے والے ایک سیاست داں نے بیان دیا کہ کعبہ شریف یا بیت اللّٰہ کے دروازے غیر مسلموں کے لیے کھولنے کی وہ تحریک چلائیں گے تو عالمانہ وضع قطع کے کئی لوگوں نے کانگریس اعلیٰ کمان سے ان کی سفارش کی تھی۔ شمیم طارق صاحب مومنانہ اور قلندرانہ اوصاف کے حامل ہیں۔ وہ اس قسم کی حرکت کرنے والوں کو برداشت نہیں کرتے۔ مذکورہ مضمون میں بھی انہوں نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ 33 سال میں لکھی ہوئی کہانیوں میں سے صرف بارہ کہانیوں کی بنیاد پر کیا کوئی فیصلہ کیا جاسکتا ہے؟

اللّٰہ شمیم طارق اور آپ کو اچھا رکھے جنھوں نے قلمی جہاد جاری رکھا ہے۔ میں شمیم طارق صاحب کی مذکورہ تحریر کے حرف حرف سے متفق ہوں۔

ڈاکٹر محمد دانش غنی
شعبۂ اردو، گوگٹے جوگلیکر کالج، رتنا گری۔ (مہاراشٹر)
Mobile: 7558600893

❑ ... 'اردو بک ریویو' کا تازہ شمارہ اپریل تا جون 2025 موصول ہوا۔ ابتدائی صفحات پر بانو مشتاق کے بوکر ایوارڈ اور ہندی اخبار نوبھارت ٹائمز میں مطبوعہ انٹرویو سے متعلق جناب شمیم طارق کے تاثراتی مضمون کے چند اقتباسات نے بہت کچھ سوچنے اور سمجھنے پر مجبور کردیا۔ بقول شمیم طارق: [باقی صفحہ 14]

THE GLORIOUS QURAN دی گلوریس قرآن

مستند ابتدائی مآخذ پر مبنی تشریحات کے ساتھ نیا انگریزی ترجمہ قرآن

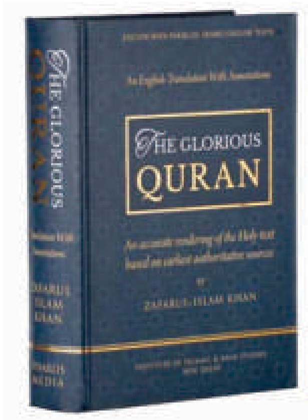

اسلام کی مقدس کتاب قرآن مجید کا درست ترین اور سلیس انگریزی ترجمہ، جس میں قرآن مجید کی تاریخ اور مسائل سمیت متعلقہ موضوعات پر وسیع تشریحات اور ضمیمے، سیرت محمدی ﷺ، اسماء اللہ الحسنیٰ، قرآن میں مذکور انبیاء علیہم السلام کا مختصر تعارف، اسلامی اصطلاحات پر مبنی لغت اور قرآن کا موضوعاتی اشاریہ شامل ہیں۔ یہ سب انتہائی مستند ابتدائی عربی مآخذ پر مبنی ہے۔ قرآن اور اسلام کو سمجھنے کے لیے ایک مکمل اور مستند دستاویز۔ 11 سال کی محنت کا نتیجہ۔

ترجمہ، تشریحی حواشی اور ضمائم: ڈاکٹر ظفر الاسلام خان

مترجم نے ہندوستانی مدارس میں تعلیم حاصل کی۔ بعد ازاں جامعۃ الازہر اور قاہرہ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی اور مانچسٹر یونیورسٹی (انگلینڈ) سے 1987ء میں اسلامیات میں پی ایچ– ڈی کی۔ وہ عربی، انگریزی اور اردو میں 50 سے زیادہ کتابوں کے مصنف اور مترجم ہیں۔

انگریزی ترجمہ قرآن بشمول عربی متن، 1216 صفحات (مجلد/ ڈبل کلر)۔

ہندوستان: 1195 /روپے / بیرون ممالک: 48 USD (ڈاک/ کوریئر فری)

صرف انگریزی ایڈیشن، 816 صفحات (مجلد/ بلیک اینڈ وھائٹ)۔

ہندوستان: 795 /روپے / بیرون ممالک: 38 USD (ڈاک/ کوریئر فری)

PHAROS MEDIA & PUBLISHING PVT LTD
New Delhi
Email: books@pharosmedia.com
Mobile/WhatsApp: +91-98686-56614, +91-98181-20669;
or visit: www.pharosmedia.com

Advtt. 03/2025

اورنگ زیب اور اس کا نظریہ

از: ڈاکٹر اوم پرکاش پرساد

بنارس کے کاشی وشوناتھ مندر کو توڑنے کا الزام اورنگ زیب کے سر ڈالا گیا، لیکن اب تک اس کا ایک بھی معاصر ثبوت نہیں ملا ہے، جس کی رو سے اورنگ زیب کے ذریعہ اس مندر کا توڑا جانا ثابت کیا جا سکے۔ جیسا کہ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے کہ ہندو راجاؤں اور بادشاہوں کے ہاتھوں کتنے ہی مندر تباہ و برباد کیے گئے لیکن ان پر کوئی خاص نکتہ چینی نہیں کی گئی۔ ایک اہم سوال یہ ہے کہ صرف بنارس اور متھرا وغیرہ میں ہی اس کے زمانہ میں مندروں کو تباہ کرنے کی معلومات سامنے آتی ہیں۔ آخر کیوں؟ کیا ہندوستان کے دوسرے حصوں میں بڑے بڑے مندر نہیں تھے؟ جنوبی ہندوستان بڑے اور اہم مندروں کے لیے آج بھی دنیا بھر میں مشہور ہے۔ دوسرا سوال یہ بھی قابل غور ہے کہ اگر اورنگ زیب مذہب کے معاملہ میں سخت اور کٹّر مسلمان ہونے کی وجہ سے تمام مذہبی اور سماجی معاملوں کو اسلامی شریعت کے مطابق ہی انجام دیتا تھا تو کیا مندر توڑ کر اس کی جگہ مسجد تعمیر کرنے کی شریعت اجازت دیتی ہے؟ شریعت نے تو واضح الفاظ میں اس فعل کی ممانعت کرتے ہوئے دوسرے کی زمین یا کسی بھی مذہبی جگہ کو چھین کر یا قبضہ کر کے اس پر مسجد تعمیر کرنے کو اسلام کے منافی اور ناجائز بتایا ہے۔ پھر یہ بھی توجہ طلب ہے کہ مغل بادشاہ کے پاس کیا زمین کی کمی تھی جس کی وجہ سے انہیں مندروں کو توڑ کر ہی مسجد تعمیر کرنا ضروری تھا؟ آزادی سے پہلے تک ہندوستان کے تقریباً تمام ہی حصوں میں بہت کافی افتادہ اراضیات کا علم ہوتا ہے جن پر پہلے سے کوئی قابض نہیں تھا بلکہ جس نے بھی وہاں مستقل سکونت اختیار کر لی اس کی وہ ملکیت قرار پا گئی۔ پھر اورنگ زیب کے زیر حکومت تو ملک کا سب سے بڑا رقبہ تھا اس لیے وہ کہیں بھی مسجد تعمیر کرا سکتا تھا۔ اس کے علاوہ اس حقیقت کو بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ مسجدیں تعمیر کرانے کا اورنگ زیب شوق نہیں رکھتا تھا۔ اس کے عہد حکومت میں زیادہ تر مسجدوں کی مرمت اور درستی کا ہی کام ہوا ہے۔

تقریباً سارا ہندوستان اورنگ زیب کے زیر حکومت رہا پھر بھی ہندو مذہب اپنی انفرادی حیثیت قائم کیے رہا۔ اورنگ زیب یقیناً اس حقیقت سے باخبر تھا کہ ہندو دھرم کو ٹھیس پہنچا کر اس کے ماننے والوں کے غم و غصہ کو بھڑکانا مناسب نہیں۔ محض یہی سبب ہے کہ اس کے زمانہ میں زیادہ تر مندروں کا مذہبی تقدس برقرار رہا۔

مذکورہ بالا ماحول کی روشنی میں ہمیں اورنگ زیب کے عہد حکومت اور اس کے مذہبی نظریات کو سمجھنا ہوگا۔ بنارس کے کاشی وشوناتھ مندر کو توڑنے کے سلسلہ میں پی سیتارام ناتھ[1] نے نہایت ہی اہم ثبوت پیش کیا ہے جسے بی این پانڈے نے بھی اپنے مضمون میں بطور حوالہ تحریر کیا ہے[2]۔ وہ لکھتے ہیں:

''کچھ کی آٹھ مہارانیاں کاشی وشوناتھ میں درشن کرنے گئیں۔ ان میں سے ایک حسین رانی کو مہنتوں نے اغوا کر لیا۔ کچھ کے راجہ نے اس واقعہ کی اطلاع اورنگ زیب کو پہنچائی۔ پہلے تو اورنگ زیب نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ یہ ہندوؤں کا آپسی معاملہ ہے اور اس میں اس کی طرف سے کوئی بھی قدم اٹھانا ٹھیک نہیں ہوگا۔ لیکن جب کچھ کے راجہ نے کافی منّت سماجت کی تو اورنگ زیب نے کچھ ہندو سپاہیوں کو واقعہ کی چھان بین اور حقیقت معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ ان سپاہیوں کو مہنت کے آدمیوں نے ڈانٹا ڈپٹا اور مار پیٹ کر بھگا دیا۔ اورنگ زیب کو سپاہیوں کے ساتھ کیے گئے اس برتاؤ پر ناگواری ہوئی۔ اس نے دوبارہ کچھ اہل اور بہتر فوجی جوانوں کو اصل واقعات معلوم کرنے کی غرض سے بھیجا۔ لیکن مندر کے پجاریوں نے اس

مرتبہ بھی ڈٹ کر مخالفت کی۔ مغل فوجیوں نے مقابلہ کیا۔ مندر کے اندر فوجیوں اور پجاریوں کے درمیان ہوئی لڑائی کے نتیجہ میں مندر تباہ ہوا اور لڑائی کی صورت میں ایسا ہونا امکانی بات ہے۔ فوجی جب مندر کے اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے تو انہوں نے گم شدہ رانی کی تلاش شروع کر دی۔ تلاش کے دوران خاص دیوتا (بڑے دیوتا) کے پیچھے ایک سرنگ کا پتہ چلا جس سے انتہائی ناگوار قسم کی بدبو نکل رہی تھی۔ دو دن تک دوا چھڑک کر اس بدبو کو ختم کیا گیا اور فوجی برابر پہرہ دیتے رہے۔ تیسرے دن فوجیوں نے سرنگ میں گھس کر کئی گلی سڑی لاشیں جو عورتوں کی تھیں وہاں سے برآمد کیں۔ کچھ کی لاپتہ رانی کی لاش بھی ملی جو برہنہ تھی۔ اجتماعی آبروریزی کی وجہ سے وہ ختم ہو گئی تھی۔ بڑا پجاری گرفتار کیا گیا اور اسے سخت سزا دی گئی۔

حوالے:

ا۔ پی سیتارام کی تصنیف کردہ کتاب 'دی فیدرس اینڈ دی اسٹونس' سے تفصیلی معلومات مل سکتی ہے۔

۲۔ بی این پانڈے خدابخش میموریل لکچرس، پٹنہ، 1986

[کتاب: اورنگ زیب: ایک نیا زاویہ نظر

مصنف: ڈاکٹر اوم پرکاش پرساد، مترجم: فیضان رشید

پہلا اردو ایڈیشن 1990 (صفحہ 18-17)

ناشر: خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ-800004]

❑❑❑

اعتذار

شمارہ اپریل، مئی، جون 2025

صفحہ 79 (پروفیسر خورشید احمد)

علامہ سیّد ابوالاعلیٰ مودودی کے تفہیم القرآن (6 جلد) کے انگریزی ترجمے کا کام ظفر اسحٰق انصاری (مرحوم) نے انجام دیا تھا۔ یہ کام پروفیسر خورشید احمد (مرحوم) کی نگرانی اور سرپرستی میں پایۂ تکمیل کو پہنچا تھا۔ (ادارہ)

بقیہ صفحہ 11 سے آگے 'قارئین کے تاثرات'

''یہ حقیقت ہے کہ ادب کے نام پر اردو میں خاص طور پر ایسے لوگ بھی اُچھل کود کر رہے ہیں جنہوں نے تمام عمر ایسا کچھ لکھا ہی نہیں ہے جس پر ادب کی تعریف صادق آتی ہے۔ ... ان کی کل متاع غیبت اور بہتان تراشی ہے۔''

کالج کے زمانے تک ہم بھی ابن صفی کے مستقل قاری رہے ہیں، تازہ شمارے میں ان کی تخلیقات کے تعلق سے اہل علم وادب کے بیش بہا تاثرات نے ہمیں بھی بہت زیادہ متاثر کیا ہے اور پرانی یادیں تازہ ہو گئی ہیں۔

پروفیسر محمد حسن کی آپ بیتی 'سر بازار می رقصم' پر آپ کی سیر حاصل تحریر قاری کو بیک نظر متوجہ کرتی ہے۔ پروفیسر محمد حسن اگر بقید حیات ہوتے تو آپ بیتی میں 'زخم تمنا کی بہار' کا اضافہ نہیں ہوتا۔ تاہم پروفیسر محمد حسن کی فحش نگاری کے تعلق سے ڈاکٹر حسن رضا صاحب کی ساری باتیں غلط بھی نہیں ہیں۔ آپ نے اپنے تحریری حوالوں سے کسی حد تک پروفیسر محمد حسن کے عیوب کی پردہ پوشی کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

دراصل سماجی، معاشرتی اور اخلاقی طریقہ کار بھی یہی ہے۔

اختر کاظمی (پونے)

Mobile: 9326356942

پٹنہ میں 'اردو بک ریویو' ملنے کے پتے

M/s Book Emporium
Sabzi Bagh
PATNA - 800004 (Bihar)
Mobile: 9304888739

Mr. Zafar Sultan
Flat No. 203, Gulistan Apartment
Garhua Tola, Sultangunj,
Post Mahendru
PATNA - 800006 (Bihar)
Mobile: 09334390268

کچھ ایسی ڈھیٹ ہے کم بخت، آتی ہے نہ جاتی ہے

از: احمد حاطب صدیقی (ابونثر)

جی چاہتا ہے کہ نام لے لے کر نشان دہی کی جائے۔ مگر کسی کا نام لے کر سرِ عام رُسوا کرنے کی اجازت ہماری طبیعت دیتی ہے نہ تہذیب۔ برقی ذرائع ابلاغ پر نمودار ہونے والے کئی نام وَر حضرات اور تقریباً تمام نام وَر خواتین اُردو کے نام کو بٹّا لگا رہی ہیں۔ معلوم نہیں کہ اُنھیں 'بٹّا لگانے' کا مطلب بھی معلوم ہے یا نہیں؟ خواتین کے مروّجہ مطبخ میں تو 'سِل بٹّا' بالکل بے رواج ہو چکا ہے۔ لو بھلا 'مطبخ' کا لفظ کون سا رائج ہے؟ مطبخ ہی نہیں، اب تو 'باورچی خانہ' بھی بے رواج ہو چکا ہے۔ سِل بٹّے کی جگہ مسالا پیسنے والے برقی آلات نے لے لی ہے۔ احساسِ مروّت کو کچل دینے والے اِن آلات کے بیچ مسالے ہی نہیں، خواتین کی شیریں زبان، اُن کا رسیلا لب ولہجہ اُن کے چٹخارے دار محاورے اور ہماری رومان انگیز تہذیب بھی پِس گئی ہے۔ منجمد کھانوں کو پگھلانے کے لیے گھروں میں ننھی ننھی برقی لہروں کے تنور آگئے ہیں، جنھیں 'مائیکرو ویو اوون' کہا جاتا ہے۔ برقی لہروں کے اس تنور میں سرد کھانوں کے ساتھ ساتھ سرد مہری کا شکار ہو جانے والی کچھ اور چیزیں بھی رکھ دی گئی ہیں اور وہ بھی ساتھ ہی 'دم پُخت' ہو گئی ہیں۔ تربیتِ اطفال، بالخصوص بچیوں کے لیے اُمورِ خانہ داری کی تربیت، خاندانی روایات اور ادب آداب سب ہی کچھ اس برق رفتار چولھے میں جھونک دیا گیا ہے۔ یوں ہماری پوری گھریلو تہذیب کو بٹّا لگا دیا گیا۔

'بٹّا' یوں تو پتھر کے اُس ٹکڑے کو کہتے ہیں جس سے سِل پر مسالا پیسا جاتا تھا، مگر کسی کے نام کو بٹّا لگانا کسی کی عزت و شہرت کو داغ دار کر دینا، عیب دار بنا دینا یا دھبّا لگا دینا ہے۔ محمد علی تشنہ دہلی کا مرثیہ بعنوان 'دار و رسن' لکھتے ہوئے دلّی کے تاجروں کا احوال یوں سناتے ہیں:

وہ ساہوکار نہ تھا جس کی ساکھ میں بٹّا
اب اُس کے نام پہ لگتا ہے لاکھ میں بٹّا

ہمارے قومی ذرائع ابلاغ جس طرح قومی زبان کے نام کو بٹّا لگا رہے ہیں وہ بتانے کی حاجت نہیں، صرف سننے اور دیکھنے کی حاجت ہے۔ ہمارے برقی ذرائع ابلاغ کا بڑا عیب یہ ہے کہ عیب دار زبان نشر کرنے کو عیب سمجھا ہی نہیں جا رہا ہے۔ کہنے کو ہر نشریاتی ادارے کی نشریات اُردو میں ہو رہی ہیں۔ سننے بیٹھیے تو اُردو کا ایک آدھ لفظ ہی سننے کو ملے گا۔ باقی انگریزی کے نامطلوب الفاظ کی بھر مار ہے۔ ہم یہ بات دعوے کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ جو خواتین و حضرات اُردو نشریات میں مسلسل بے تکان بولے جاتے ہیں، اگر اُن پر یہ پابندی لگا دی جائے کہ وہ اُردو بولتے ہوئے انگریزی کا ایک لفظ بھی نہ بولیں، تو یقین مانیے سب کے سب گُنگ ہو کر رہ جائیں گے۔

اِنھیں کالموں میں ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں (دوبارہ لکھنے میں کوئی حرج نہیں) کہ دیگر زبانوں کی طرح انگریزی زبان سے بھی اُردو نے بے شمار الفاظ قبول کیے ہیں۔ جن انگریزی الفاظ کا تلفظ اُردو کے مزاج اور اُردو تلفظ کے ترنم سے ہم آہنگ تھا اُنھیں جوں کا توں قبول کر لیا گیا۔ مثلاً جج، نل، مشین، کاپی، نوٹ، ٹائی، کوٹ، کالر، کاج، بٹن، ووٹ، اسمبلی، فیشن اور موٹر وغیرہ۔ بہت سے انگریزی الفاظ کو اُردو نے اپنے تلفظ کے ترنم میں ڈھال لیا ہے۔ مثال کے طور پر بوتل، لالٹین، لاٹ صاحب، میم صاحب، بشرٹ، پتلون، اَلمونیم اور اس کا بکس یا بکسا، میز کی دراز (Drawers) کاریگروں کا پانا (Spanner) اور پلاس (Pliers) وغیرہ ایسے الفاظ ہیں جن کا تلفظ تبدیل کر کے اپنایا گیا ہے۔ انگریزی مہینوں کے ناموں میں سے مارچ، جون اور

جولائی کو اُردو تلفظ کے ترنم کے مطابق ہونے کی وجہ سے جوں کا توں قبول کرلیا گیا، بقیہ مہینوں کا تلفظ اُردو کے مزاج کے موافق کرلیا گیا۔ چوں کہ اُردو اور اس کی ہم شیر زبانوں میں کسی لفظ کا آغاز ساکن حرف سے نہیں ہوتا، ہر لفظ کا پہلا حرف ہمیشہ متحرک ہوتا ہے، چناں چہ اِسکول، اِسٹول، اِسٹال اور اِسٹیشن وغیرہ کے تلفظ میں زیر کے ساتھ الف کا اضافہ کرکے زبان پر رواں کرلیا گیا۔ اِس املا اور اس تلفظ کو مقتدرہ قومی زبان پاکستان کی سند بھی حاصل ہے۔ جو لوگ ان الفاظ کے آغاز میں الف لگانے کے قائل نہیں، وہ بھی ان الفاظ کے پہلے حرف پر مجبوراً کوئی نہ کوئی حرکت لگا کر ہی بولتے ہیں۔ سَکول، سَٹول اور سَٹال وغیرہ۔

انگریزی کے جو الفاظ اُردو کے ذخیرۂ الفاظ کا جزو بن چکے ہیں، وہ اُردو زبان کا حصہ سمجھے جاتے ہیں۔ اُن سے بننے والے مرکبات اُردو کے قاعدے کے مطابق بنائے جاتے ہیں۔ قبول کیے جانے والے انگریزی الفاظ کی جمع بھی اُردو ہی کے قواعد کے مطابق بنائی جاتی ہے۔ مثلاً انگریزی میں لفظ Fee واحد ہے اور اس کی جمع Fees ہے۔ جب کہ اُردو میں لفظ 'فیس' واحد ہے اور اس کی جمع اُردو قاعدے کے مطابق 'فیسیں' یا 'فیسوں' کی جاتی ہے۔ ذرا یہ فقرے بھی دیکھیے: ''ضرورت مند خواتین میں سلائی مشینیں تقسیم کی گئیں''۔ ''نئے ججوں نے اپنے عہدے کا حلف اُٹھا لیا''۔ ''سرکاری اِسکولوں کے طلبا کو کتابیں اور کاپیاں مفت فراہم کی جائیں گی''۔ ''ماہِ فروری میں پندرہ مقامات پر پانی کی موٹریں نصب کی گئیں''۔ ''اراکینِ قومی اسمبلی عوام کے ووٹوں سے منتخب ہوتے ہیں''۔ ان مثالوں میں 'سلائی مشینیں'، 'ماہِ فروری' اور 'اراکینِ قومی اسمبلی' جیسے مرکبات اُردو قاعدے کے مطابق بنائے گئے ہیں، جب کہ مشینیں، ججوں، اِسکولوں، کاپیاں، موٹریں اور ووٹوں جیسے اسمائے جمع انگریزی قاعدے کے موافق نہیں بلکہ اُردو کے مزاج کے مطابق استعمال کیے گئے ہیں۔

اُردو میں جذب ہوجانے والے انگریزی الفاظ کے استعمال میں کوئی حرج ہے نہ اس پر اعتراض۔ لیکن ہمارے ذرائع ابلاغ میں اُردو کے ہر لفظ کو بے دخل کرکے اُس کی جگہ اُردو فقرے میں زبردستی انگریزی الفاظ ٹھونسنے کی جو رِیت چل پڑی ہے وہ سخت گراں گزرتی ہے۔ اس پھوہڑپن سے نہ صرف زبان کا حسن متاثر ہوتا ہے بلکہ ابلاغ میں بھی رکاوٹ پڑتی ہے۔ مثلاً ایک معروف میزبان خاتون فرماتی ہیں:

''پیرنٹس کی نیکسٹ پرائریٹی یہ ہوتی ہے کہ بچہ اچھے اسکول میں جائے۔''

ہمیں یقین ہے کہ 'پیرنٹس کی نیکسٹ پرائریٹی' کی جگہ 'والدین کی اگلی ترجیح' بولنا اُن کے بس کی بات نہیں۔ اس بےبسی کے باوجود بولنے کے لیے اُنھیں کو رکھا جائے گا، کیوں کہ وہ خاتون ہیں اور زبان نہ سہی، شکل صورت تو اچھی ہے۔ اُن کا سنگھار درست کرنے کے لیے تو ملازم رکھے جاتے ہیں مگر زبان درست کرنے کے لیے کوئی اتالیق رکھنا نشریاتی اداروں کی 'نیکسٹ پرائریٹی' ہے ہی نہیں۔

مثالیں تو بہت ہیں۔ بس ایک مثال اور لے لیجیے۔ ایک اور نظامت کار جو شہرت کا مینار ہیں، حالاتِ حاضرہ پر بات کرتے ہوئے پہلے تو اپنی 'ٹینشن' (پریشانی) کا اظہار کرتے ہیں، پھر ہاتھ نچا نچا کر اور منہ بگاڑ بگاڑ کر کہتے ہیں کہ 'یہ بہت سن سیٹو اِشو ہے'۔ اگر وہ یہ کہنے کے قابل ہوتے کہ 'یہ بہت حساس مسئلہ ہے' تو اتنا کہنے کے لیے انھیں ہاتھ نچانا پڑتا نہ منہ بنانے کی نوبت آتی، رگ پٹھوں پر زور دینا پڑتا نہ اُن کے اعضا و جوارح اتنی زحمت اُٹھاتے۔ اُن کے انگ انگ کی یہ حالت دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ استاذ الاساتذہ پروفیسر محمد سلیم ہاشمی انگریزی کو بڑے اہتمام کے ساتھ ہمیشہ 'انگ — ریزی' کیوں لکھتے ہیں۔

ٹیلی وژن چینلوں کی نشریات میں فقروں کے فقرے ایسے ملتے ہیں جن میں اُردو کے صرف حروفِ ربط استعمال کیے جاتے ہیں (کا، کی، کے، تھا، تھی، تھے، سے، میں، پر اور تک وغیرہ) بقیہ تمام الفاظ انگریزی کے ہوتے ہیں۔ کسی زمانے میں ایسے فقرے لوگوں کو ہنسانے کے لیے بنائے جاتے تھے۔ ستم تو یہ ہے کہ اُردو تو اُردو اِن خواتین وحضرات کو انگریزی بھی نہیں آتی۔ بقول انور مسعود:

کبھی پھر گفتگو ہوگی کہ یہ سوغاتِ افرنگی
عموماً آدمی کی ذہنیت کیسی بناتی ہے
ابھی اتنا کہے دیتا ہوں انگریزی کے بارے میں
کچھ ایسی ڈھیٹ ہے کم بخت، آتی ہے نہ جاتی ہے

[بشکریہ فرائیڈے اسپیشل، کراچی]

□□□

پروفیسر صغیر اَفراہیم (علی گڑھ)

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، شعبہ اردو کے سابق صدر پروفیسر صغیر افراہیم (خاندانی نام: محمد صغیر بیگ افراہیم) نے ہائی اسکول سے انٹر تک اپنے آبائی وطن اُنّاؤ سے تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے بی اے (آنرس) کیا اور ایم اے (اردو) میں گولڈ میڈلسٹ کے مستحق قرار دیے گئے۔ 1986 میں اے ایم یو ہی سے پی ایچ. ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ 1996 میں اے ایم یو کے ویمنس کالج میں بطور سینئر لکچرر ان کا تقرر ہوا۔ 1997 میں اے ایم یو کے شعبہ اردو میں ریڈر اور 2005 میں پروفیسر کے عہدے پر فائز ہوئے۔ 2018 میں شعبہ اردو کے صدر کی حیثیت سے ریٹائرڈ ہوئے۔ پروفیسر صغیر افراہیم ادیب و نقاد کی حیثیت سے اپنی شناخت رکھتے ہیں اور ان کے 200 کے قریب مضامین ملک و بیرون ملک کے رسائل و مجلات میں شائع ہوئے۔ ادبی صحافت سے بھی خاص تعلق رہا ہے۔ وہ شعبہ اردو (اے ایم یو) کے خبرنامہ 'رفتار' کے مدیر (1993 تا 1996) رہے اور معروف رسالہ 'تہذیب الاخلاق' کے مدیر بھی بنائے گئے۔ وہ تین بین الاقوامی تحقیقی مجلات 'معیار' (اسلام آباد)، 'تحقیقی زاویے' (اسلام آباد) اور 'دریافت' (اسلام آباد، پاکستان) کی مجلس مشاورت میں شامل ہیں۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے یونیورسٹی کیمپس میں چند مزید ذمہ داریاں بھی دیں جن میں سپرنٹنڈنٹ آف ایگزامنیشنز (فیکلٹی آف آرٹس) اور پرووسٹ سر ضیاء الدین ہال قابل ذکر ہیں۔ پروفیسر صغیر افراہیم کی مطبوعہ تصانیف و تالیفات کی تعداد تقریباً 12 ہے۔ ادبی اور دیگر خدمات کے صلے میں پروفیسر صغیر افراہیم کو کم سے کم 14 انعامات و اعزازات سے سرفراز کیا گیا ہے۔ علی گڑھ سے شائع ہونے والے سہ ماہی ادبی کتابی سلسلے 'سیما' کے مدیر کی حیثیت سے اردو ادب کی دنیا میں وہ اپنی الگ شناخت رکھتے ہیں۔

اہم تصانیف: ● پریم چند: ایک نقیب (اردو۔ ہندی) ● نثری داستانوں کا سفر ● غالب، باندہ اور دیوان محمد علی ● حسرت موہانی: شخص و عکس ● وارث کرمانی (مونوگراف) ● عصرِ حاضر میں علی گڑھ تحریک کی اہمیت ● افسانہ/ ناول: تعریف، تاریخ اور تجزیہ

● آپ کی تاریخ پیدائش؟

■ 12 جولائی 1953ء مقام: زیردُھس، ضلع اُنّاؤ (یوپی)

● آپ نے کس اسکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کی؟

■ ڈی وی ڈی ٹی اسکول اُنّاؤ

● آپ کی مادری زبان اور ذریعہ تعلیم؟

■ اردو۔ (اردو، ہندی، انگریزی)

● آپ کے مطالعہ کے موضوعات کیا ہیں؟

■ ادب، تاریخ، ثقافت

● اِس وقت کون سی کتاب آپ کے زیر مطالعہ ہے؟

■ حسرت موہانی

● آپ کے پسندیدہ مصنّفین (ادیب، ناول و افسانہ نگار، شاعر وغیرہ) کون ہیں؟

■ پریم چند، قرۃ العین حیدر، وارث کرمانی

● آپ کی زندگی میں کس کتاب سے انقلابی تبدیلی رونما ہوئی؟

■ ترجمہ قرآن شریف

● حصولِ تعلیم کے دوران میں آپ کو کس نصابی کتاب نے سب سے زیادہ متاثر کیا؟

■ سوزِ وطن (پریم چند)

● آپ اردو کا کون سا اخبار/ رسالہ خریدتے ہیں؟

■ روزنامہ 'انقلاب'، 'سہارا'۔ بیشتر رسائل

● آپ کے گھر کے نوجوان (teen agers) کیا اردو لکھنا پڑھنا جانتے ہیں اور اردو کو اپنی مادری زبان سمجھتے ہیں؟

■ جی ہاں

● آپ کے نزدیک سیکولر تعلیم کا کیا مفہوم ہے؟

■ محبت، مساوات، امن، انسانیت

● علم و ادب کے میدان میں نئی نسل کے تعلیمی و علمی رجحان کو آپ کس زاویہ سے دیکھتے ہیں؟

■ مثبت

● کیا آپ اپنے ملک کی تعلیمی ترقی سے مطمئن ہیں؟

■ جی ہاں

● ملک میں اردو کی بنیادی اور حقیقی ترقی کے اہم نکات کیا ہو سکتے ہیں؟ کیا اردو کی ترقی کے لیے اردو کو روزگار سے جوڑنا ناگزیر ہے؟

■ والدین کی رغبت اور قوت خرید کا جذبہ

● ملک کی اردو اکادمیوں اور اداروں کے ترقیاتی منصوبوں سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟

■ بڑی حد تک

● وہ کون سی کتاب ہے جسے آپ بار بار پڑھنا چاہتے ہیں؟

■ ایسی بلندی ایسی پستی (عزیز احمد)

● **مکمل پتہ:** گُلِ افراہیم، نزد خیابانِ ادب،
4B، دُھرامعافی، علی گڑھ-202002 (یوپی)
Mobile: 9358257696
E-mail: s.afraheim@yahoo.in

پروفیسر قاضی حبیب احمد (چنئی، تمل ناڈو)

اردو زبان وادب کے محقق، نقاد اور انشا پرداز پروفیسر قاضی حبیب احمد، شعبہ عربی، فارسی و اردو یونیورسٹی آف مدراس کے صدر ہیں۔ انہوں نے مظہر العلوم کالج، آمبور سے گریجویشن کے بعد سری وینکٹیشورا یونیورسٹی، تروپتی سے اردو میں ایم اے کیا۔ مدراس یونیورسٹی سے ’ڈپٹی نذیر احمد کے ناولوں میں مذہبی کردار‘ کے موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھ کر پی ایچ. ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ ان کی تدریسی خدمات کا آغاز اسلامیہ کالج، وانم باڑی سے ہوا۔ چند برسوں کے بعد ہی ان کا تقرر مدراس یونیورسٹی میں ہو گیا۔ اس وقت پروفیسر قاضی حبیب احمد کی نگرانی میں ایم فل اور پی ایچ. ڈی کے کئی طلبا وطالبات تحقیقی کام میں مصروف ہیں۔

پروفیسر قاضی حبیب احمد نے یو جی سی (UGC) کے دو پروجیکٹ پر بھی کام کیا ہے۔ ان میں سے ایک تمل ناڈو کے فارسی اور اردو کتبوں کی تلاش وتحقیق ہے۔ ان کا دوسرا پروجیکٹ تھا ’تمل ناڈو کی اردو و فارسی کتابوں کی ببلیو گرافی‘۔ ان کے تحقیقی وتنقیدی مضامین ملک کے مقتدر رسائل ومجلات میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ انہوں نے مدراس کے تاریخی اخبار ’مسلمان‘ کے لیے تقریباً پانچ برس تک ’اداریے‘ لکھے۔ پروفیسر حبیب نے کل ہند سطح پر بہت سی قومی وبین الاقوامی سمینار میں شرکت کی ہے۔ انہوں نے اردو میں درسی کتب پر وقیع کام کیا۔ مدراس یونیورسٹی کے فاصلاتی نظام تعلیم کے درسی نصاب میں ان کی 9 کتابیں شامل ہیں۔ اس کے ساتھ ہی موصوف تمل ناڈو ٹیک کارپوریشن کے زیر اہتمام اسکول کی سطح پر اردو درسی کتابوں کی مجلس ادارت کے رکن ہیں۔

اہم تصانیف: ● ڈپٹی نذیر احمد کے ناولوں میں مذہبی کردار ● قول سدید ● روایات ودرایات ● اردو زبان پر علاقائی اثرات ● مظہر ادب

● آپ کی تاریخ پیدائش؟

■ 18 اپریل 1963ء مقام: ویلور، تمل ناڈو

● آپ نے کس اسکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کی؟

■ جانگی حیات باشا صاحب پرائمری اسکول، آمبور

● آپ کی مادری زبان اور ذریعہ تعلیم؟

■ مادری زبان اردو، ذریعہ تعلیم تمل اور بعد میں انگریزی

● آپ کے مطالعہ کے موضوعات کیا ہیں؟

■ ادب، مذہب، سیاسیات، تاریخ

● اِس وقت کون سی کتاب آپ کے زیر مطالعہ ہے؟

■ تاریخ دعوت وعزیمت از: مولانا علی میاں ندویؒ

● آپ کے پسندیدہ مصنّفین (ادیب، ناول وافسانہ نگار، شاعر وغیرہ) کون ہیں؟

■ رشید احمد صدیقی، مولانا آزاد، قرۃ العین حیدر، فراق، فیض

● آپ کی زندگی میں کس کتاب سے انقلابی تبدیلی رونما ہوئی؟

■ کوئی نہیں

● حصولِ تعلیم کے دوران میں آپ کو کس نصابی کتاب نے سب سے زیادہ متاثر کیا؟

■ کوئی مخصوص کتاب نہیں

● آپ اردو کا کون سا اخبار/ رسالہ خریدتے ہیں؟

■ چنئی میں کوئی اردو اخبار نہیں ملتا۔ ادبی، مذہبی اور دیگر رسائل گھر پہ آتے ہیں

● آپ کے گھر کے نوجوان (teen agers) کیا اردو لکھنا پڑھنا جانتے ہیں اور اردو کو اپنی مادری زبان سمجھتے ہیں؟

■ سب لوگ گھر میں اردو بولتے، پڑھتے اور لکھتے ہیں

● آپ کے نزدیک سیکولر تعلیم کا کیا مفہوم ہے؟

■ وہ تعلیم جس میں کسی کے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچائی جائے۔ رواداری ہی سیکولرزم ہے

● علم وادب کے میدان میں نئی نسل کے تعلیمی وعلمی رجحان کو آپ کس زاویہ سے دیکھتے ہیں؟

■ نئی نسل میں ٹھہراؤ کم اور جلد بازی زیادہ ہے۔ اخلاقی قدروں کا فقدان ہے

● کیا آپ اپنے ملک کی تعلیمی ترقی سے مطمئن ہیں؟

■ نہیں۔ ہمارے راستے تعمیر سے دور اور تخریب سے قریب ہوتے جا رہے ہیں

● ملک میں اردو کی بنیادی اور حقیقی ترقی کے اہم نکات کیا ہو سکتے ہیں؟ کیا اردو کی ترقی کے لیے اردو کو روزگار سے جوڑنا ناگزیر ہے؟

■ اردو کی بنیادی ترقی کے لیے اسکول اور کالج کے Carriculam سے ہٹ کر سوچنا ضروری ہے۔ روزگار سے جوڑنا غلط ہے

● ملک کی اردو اکادمیوں اور اداروں کے ترقیاتی منصوبوں سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟

■ ان اداروں کی کارکردگی کو اور بہتر بنایا جا سکتا ہے

● وہ کون سی کتاب ہے جسے آپ بار بار پڑھنا چاہتے ہیں؟

■ قرآن مجید

● **مکمل پتہ:** Sri Harshita Apartment, CGI,
Laxman Street, Perungudi, Chennai - 600096
Mobile: 9444318785
E-mail: drkhazihabib@gmail.com

ڈاکٹر عقیل احمد (نئی دہلی)

معروف ملّی اورادبی ادارہ غالب اکیڈمی، نئی دہلی کے سکریٹری ڈاکٹر عقیل احمد کا انتظامی اورادبی دائرہ بے حد وسیع ہے۔ وہ بنیادی طور پر ادیب اور محقق ہیں۔ ادبی صحافت میں سہ ماہی مجلّہ 'جہانِ غالب' کے مدیر کی حیثیت سے ان کی نمایاں خدمات ہیں۔ ان کی تحقیقی و تنقیدی کتابیں انہیں ادبی استناد عطا کرتی ہیں۔ 'غالب اکیڈمی' کے بانی کی خدمات کو اجاگر کرنے کے لیے ڈاکٹر عقیل نے 'حکیم عبدالحمید: حیات وخدمات' کے عنوان سے کتاب لکھی۔ انہوں نے پروفیسر محمد حسن (مرحوم) کے ساتھ ایک زمانے میں ہندوستانی پروجیکٹ اور منصوبہ تحقیق اصطلاحات سے متعلق بھی کام کیا تھا۔

ڈاکٹر عقیل احمد ایک خاموش طبع انسان ہیں لیکن اردو زبان کے لیے ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ وہ اردو کے ساتھ ہندی کے کلاسیکی ادب سے بھی گہرا شغف رکھتے ہیں۔ کئی برسوں سے ان کی زیرنگرانی غیر اردو داں افراد، اردو زبان کی تعلیم اور اردو تہذیب کے آثار سے فیض یاب ہورہے ہیں۔ ان سے اردو زبان کی تعلیم وتربیت حاصل کرنے والوں میں ڈاکٹرز، وکلا، حکومت کے ملازمین، نجی اداروں میں کام کرنے والے طلبا اور اردو زبان سے متاثر ہونے والے ہر طبقے کے افراد شامل ہیں۔ اُن میں زیادہ تعداد ان برادرانِ وطن کی ہے جنہیں اردو کی کشش نے اردو زبان سیکھنے کی طرف راغب کیا۔ ڈاکٹر عقیل احمد کی یہ خدمات یقینی طور پر قابل تقلید ہیں۔ ڈاکٹر عقیل احمد اس وقت غالب اکیڈمی میں بحیثیت سکریٹری اپنی گراں قدر ذمہ داری کو بہ حسن وخوبی ادا کر رہے ہیں۔ غالب اکیڈمی کے زیر اہتمام شائع ادبی کتب کے فروغ میں بھی پیش پیش رہتے ہیں۔

اہم تصانیف : ● اردو ناول پر تقسیم ہند کے اثرات ● جوش ملیح آبادی کی شاعری کا تنقیدی تجزیہ ● مونوگراف خواجہ حسن ثانی نظامی ● تصوف اور دیگر مضامین ● جہاتِ غالب ● جی ڈی چندن کی صحافت ● انجم عثمانی کے افسانے اور تجزیے

● آپ کی تاریخ پیدائش؟

■ 5 فروری 1960ء مقام: سلطانپور (اتر پردیش)

● آپ نے کس اسکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کی؟

■ حسن پور سلطانپور

● آپ کی مادری زبان اور ذریعہ تعلیم؟

■ مادری زبان اردو، ذریعہ تعلیم ہندی

● آپ کے مطالعہ کے موضوعات کیا ہیں؟

■ تصوف، شاعری، افسانے

● اِس وقت کون سی کتاب آپ کے زیر مطالعہ ہے؟

■ قرآن مع ترجمہ

● آپ کے پسندیدہ مصنّفین (ادیب، ناول وافسانہ نگار، شاعر وغیرہ) کون ہیں؟

■ غالب، اقبال، قرۃ العین حیدر

● آپ کی زندگی میں کس کتاب سے انقلابی تبدیلی رونما ہوئی؟

■ ------------

● حصولِ تعلیم کے دوران میں آپ کو کس نصابی کتاب نے سب سے زیادہ متاثر کیا؟

■ مسدس حالی

● آپ اردو کا کون سا اخبار/ رسالہ خریدتے ہیں؟

■ انقلاب، سہارا

● آپ کے گھر کے نوجوان (teen agers) کیا اردو لکھنا پڑھنا جانتے ہیں اور اردو کو اپنی مادری زبان سمجھتے ہیں؟

■ جی ہاں

● آپ کے نزدیک سیکولر تعلیم کا کیا مفہوم ہے؟

■ مذہب سے لاتعلق

● علم وادب کے میدان میں نئی نسل کے تعلیمی وعلمی رجحان کو آپ کس زاویہ سے دیکھتے ہیں؟

■ پروفیشنل تعلیم کے ساتھ ساتھ ادب کی تعلیم ضروری ہے

● کیا آپ اپنے ملک کی تعلیمی ترقی سے مطمئن ہیں؟

■ ترقی جاری ہے

● ملک میں اردو کی بنیادی اور حقیقی ترقی کے اہم نکات کیا ہو سکتے ہیں؟ کیا اردو کی ترقی کے لیے اردو کو روزگار سے جوڑنا ناگزیر ہے؟

■ اردو رسم الخط کو عام کیا جائے

● ملک کی اردو اکادمیوں اور اداروں کے ترقیاتی منصوبوں سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟

■ کافی حد تک۔ اردو رسم الخط کی تعلیم پر خاص توجہ کی ضرورت ہے

● وہ کون سی کتاب ہے جسے آپ بار بار پڑھنا چاہتے ہیں؟

■ قرآن مجید مع ترجمہ اردو

● **مکمل پتہ :** غالب اکیڈمی، بستی حضرت نظام الدین، نئی دہلی-110013 موبائل: 9868221198

Email: draqilahmad01@gmail.com

ڈاکٹر اے کے علوی (سہسرام، بہار)

ڈاکٹر عطاء اللہ خاں (عرف علوی) ولد ڈاکٹر محمد آلِ حسن خاں (مرحوم) اپنے ادبی نام ڈاکٹر اے کے علوی سے معروف ہوئے۔ انہوں نے اردو میں ایم اے کے بعد ڈاکٹر اعجاز علی ارشد کی نگرانی میں پٹنہ یونیورسٹی سے پی ایچ. ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ ان کے تحقیقی مقالے کا عنوان تھا 'ظفر پیامی: حیات اور خدمات'۔ انہوں نے دوسالہ ٹیچر ٹریننگ کورس (BT) بھی کیا پھر سرکاری اسکول میں 11 مارچ 1978 کو ملازمت اختیار کی۔ تقریباً 37 برس پرائمری اسکول میں تدریسی خدمات انجام دیتے ہوئے ستمبر 2015 میں ہیڈ ماسٹر کے عہدے سے سبکدوش ہوئے۔ انہیں صدر جمہوریہ ہند کے آر نارائنن نے 5 ستمبر 1999 کو وگیان بھون میں نیشنل ایوارڈ بھی عطا کیا تھا۔

ڈاکٹر اے کے علوی کا شمار ماہر تعلیم کے ساتھ سماجی و ملّی رہنماؤں میں ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنی ادبی و اردو خدمات کے حوالے سے سرزمین سہسرام کا نام روشن کیا۔ وہ گزشتہ 47 برسوں سے ملّی، سماجی اور تعلیمی خدمات میں مصروف ہیں۔ انہیں قومی اعزاز کے علاوہ صوبائی سطح پر بھی انعامات و اعزاز سے نوازا گیا۔ ڈاکٹر علوی اپنی تعلیمی اور سماجی خدمات کے حوالے سے اپنی مخصوص شناخت رکھتے ہیں 'یوم اساتذہ' کے موقع پر کئی بار سرکار کی طرف سے اعزاز و اکرام سے نوازا گیا۔ ان کی نصف درجن کے قریب کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

اهم تصانیف : ● بہار میں جدید غزل ● ظفر پیامی: بحیثیت ناول نگار ● ظفر پیامی کا تخلیقی سفر ● اکبر رضا جمشید: کثیر الجہت شخصیت ● الحاج نسیم الدین انصاری: حیات و مذہبی سماجی کارنامے ● کلیم اللہ کلیم دوست پوری: حیات اور کارنامے ● بہار سہسرام (زیر طبع)

● آپ کی تاریخ پیدائش؟

■ 23 ستمبر 1955ء مقام: سہسرام، شاہ آباد، روہتاس (بہار)

● آپ نے کس اسکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کی؟

■ گورنمنٹ نذیریہ اردو مڈل اسکول، سہسرام، شاہ آباد (روہتاس)

● آپ کی مادری زبان اور ذریعہ تعلیم؟

■ اردو۔ اردو و ہندی

● آپ کے مطالعہ کے موضوعات کیا ہیں؟

■ اردو شاعری، ناول، افسانے، تنقید، سفرنامے وغیرہ

● اِس وقت کون سی کتاب آپ کے زیر مطالعہ ہے؟

■ یادوں کے چراغ (اکبر رضا جمشید/مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی/شبیر حسن)

● آپ کے پسندیدہ مصنّفین (ادیب، ناول و افسانہ نگار، شاعر وغیرہ) کون ہیں؟

■ شفق، حسین الحق، سلطان اختر، شاہد جمیل، شمیم قاسمی، عین تابش

● آپ کی زندگی میں کس کتاب سے انقلابی تبدیلی رونما ہوئی؟

■ 'قرآن اور اقبال' از مولانا ابو محمد مصلح

● حصولِ تعلیم کے دوران میں آپ کو کس نصابی کتاب نے سب سے زیادہ متاثر کیا؟

■ انتخاب اردو، نصاب فارسی مشعل راہ تھیں

● آپ اردو کا کون سا اخبار/رسالہ خریدتے ہیں؟

■ کئی روزنامے و رسائل ہیں جن میں قومی تنظیم، فاروقی تنظیم، پندار، انقلاب، ماہنامہ آجکل، اردو دنیا، اردو بک ریویو، زبان و ادب وغیرہ

● آپ کے گھر کے نوجوان (teen agers) کیا اردو لکھنا پڑھنا جانتے ہیں اور اردو کو اپنی مادری زبان سمجھتے ہیں؟

■ جی ہاں۔ گھر کے سبھی بیٹے بیٹیاں اردو لکھنا پڑھنا جانتے ہیں

● آپ کے نزدیک سیکولر تعلیم کا کیا مفہوم ہے؟

■ ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب کے لیے سیکولر تعلیم ضروری ہے اور سبھی مذاہب کے بچوں کو ایک ساتھ تعلیم حاصل کرنی چاہیے

● علم و ادب کے میدان میں نئی نسل کے تعلیمی و علمی رجحان کو آپ کس زاویہ سے دیکھتے ہیں؟

■ نئی نسل کو جلد بازی اور شارٹ کٹ کا راستہ نہیں اپنانا چاہیے۔ حصولِ تعلیم کے لیے جی توڑ محنت اور مطالعہ کرنا چاہیے

● کیا آپ اپنے ملک کی تعلیمی ترقی سے مطمئن ہیں؟

■ ہاں

● ملک میں اردو کی بنیادی اور حقیقی ترقی کے اہم نکات کیا ہو سکتے ہیں؟ کیا اردو کی ترقی کے لیے اردو کو روزگار سے جوڑنا ناگزیر ہے؟

■ ہاں، اردو کی ترقی کے لیے اسے روزگار سے جوڑنا ناگزیر ہے

● ملک کی اردو اکادمیوں اور اداروں کے ترقیاتی منصوبوں سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟

■ اردو اکادمیوں اور اداروں کو مزید متحرک اور فعال بنانے کی ضرورت ہے

● وہ کون سی کتاب ہے جسے آپ بار بار پڑھنا چاہتے ہیں؟

■ تاریخ سہسرام (ابو محمد مصلح) اور رجال سہسرام (حاذق ضیائی)

● **مکمل پته:** علوی ہاؤس، وارڈ نمبر 30، چوکھنڈی،
سہسرام-821115، روہتاس (بہار)
Mobile: 9304520864
Email: dr.a.k.alwi@gmail.com

محمد رمضان عبدالشکور (مالیگاؤں، مہاراشٹر)

پارچہ بافی پیشہ سے وابستہ محمد رمضان عبدالشکور کا شعری ذوق نہایت ستھرا ہے۔ وہ 'علم الاوزان' کے پارکھ ہیں یعنی مصرع بحر میں ہے یا نہیں اسے لمحوں میں سمجھ لیتے ہیں۔ 2024 میں ان کی کتاب 'آہنگ ہائے بحور' شائع ہوکر داد وتحسین حاصل کرچکی ہے۔ محمد رمضان عبدالشکور کی ایک اہم شناخت موسیقی ہے۔ نوجوانی ہی میں موصوف کو موسیقی سے عشق ہوگیا اور پانچ بار موسیقی کے مقابلے (Music Competition) میں اول انعام کے حقدار قرار دیے گئے۔ ان میں سے ایک انعام محمد رمضان کو 1960 میں بھارت رتن پنڈت بھیم سین جوشی کے ہاتھوں دھولیہ شہر میں ملا تھا۔ لیکن انہوں نے موسیقی کو پیشہ نہیں بنایا اور اپنے پارچہ بافی پیشہ سے ہی وابستہ رہے۔ انہوں نے 1964 میں گاندھرو مہاودیالیہ سے سنگیت وِشارد یعنی بیچلر آف میوزک کی ڈگری حاصل کی تھی۔ ڈی ایڈ کالج میں 20 برس تک میوزک ٹیچر کے طور پر کام کیا۔ اس دوران نصاب میں شامل نظموں، گیتوں، غزلوں وغیرہ کو سُروں کا لباس پہناتے رہے۔ ان کی آواز میں ذرا سی کسر تھی اس لیے کلاسیکی گویّا نہ بن سکے، البتہ غزل گایک کے طور پر شہرت ملی۔ محمد رمضان نے جن معروف شعرا کے کلام کو سُروں سے سجایا ہے، ان میں غالب، میر تقی میر، میر درد، حالی، حسرت موہانی، اقبال، جگر، عندلیب شادانی، فیض، احمد فراز، قتیل شفائی، مجروح، ساحر، شمیم کرہانی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ جب انہوں نے ممبئی ریڈیو سے منسلک حفیظ احمد خاں کے سامنے بہادر شاہ ظفر کی دو غزلیں سنائی تھیں تو انہیں ممبئی آنے کی دعوت دی گئی اور موسیقی کے بادشاہ نوشاد نے سلام بھی کہلوایا تھا۔ لیکن اپنے خاندان سے الگ ہونے کے خوف نے رمضان صاحب کو ممبئی جانے سے روک دیا۔

اہم تصانیف : ● تعارفِ موسیقی (ہندوستانی کلاسیکی موسیقی کا مختصر تعارف) ● کامیابی کے موتی (نظموں کا مجموعہ) ● ست رنگیاں ● شعری جواہرات اور ضرب الامثال (اشاعت دوم) ● سوز وسازِ زندگی (خودنوشت سوانح) ● آہنگ ہائے بحور

● آپ کی تاریخ پیدائش؟

■ 2 ستمبر 1929ء مقام: مالیگاؤں، ضلع ناسک (مہاراشٹر)

● آپ نے کس اسکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کی؟

■ اردو اسکول نمبر ا، محمد علی روڈ

● آپ کی مادری زبان اور ذریعہ تعلیم؟

■ ذریعہ تعلیم اور مادری زبان اردو

● آپ کے مطالعہ کے موضوعات کیا ہیں؟

■ سوانح، سفرنامے، خاکے، شعری اور نثری ادب، مزاح وغیرہ

● اِس وقت کون سی کتاب آپ کے زیر مطالعہ ہے؟

■ سوانح عمری، حضرت خواجہ حسن نظامی

● آپ کے پسندیدہ مصنّفین (ادیب، ناول وافسانہ نگار، شاعر وغیرہ) کون ہیں؟

■ تمام وہ مصنّفین جو فکشن یعنی ناول اور افسانے نہیں لکھتے

● آپ کی زندگی میں کس کتاب سے انقلابی تبدیلی رونما ہوئی؟

■ مولانا وحید الدین خاں کے 'الرسالہ' سے

● حصولِ تعلیم کے دوران میں آپ کو کس نصابی کتاب نے سب سے زیادہ متاثر کیا؟

■ اسکولی تعلیم صرف چودہ سال کی عمر تک ہوئی ہے

● آپ اردو کا کون سا اخبار/ رسالہ خریدتے ہیں؟

■ بیس برسوں تک انقلاب، دس برسوں تک اردو ٹائمز۔ اس کے بعد مقامی اخبارات 'بے باک'، 'شامنامہ' اور 'روزنامہ' وغیرہ

● آپ کے گھر کے نوجوان (teen agers) کیا اردو لکھنا پڑھنا جانتے ہیں اور اردو کو اپنی مادری زبان سمجھتے ہیں؟

■ جی! سب اردو لکھتے، پڑھتے اور بولتے ہیں

● آپ کے نزدیک سیکولر تعلیم کا کیا مفہوم ہے؟

■ دنیا بھر کی تمام زبانیں اللہ کا عطیہ ہیں

● علم وادب کے میدان میں نئی نسل کے تعلیمی وعلمی رجحان کو آپ کس زاویہ سے دیکھتے ہیں؟

■ نئی نسل میں تربیت کا زبردست فقدان ہے

● کیا آپ اپنے ملک کی تعلیمی ترقی سے مطمئن ہیں؟

■ بالکل بھی نہیں

● ملک میں اردو کی بنیادی اور حقیقی ترقی کے اہم نکات کیا ہوسکتے ہیں؟ کیا اردو کی ترقی کے لیے اردو کو روزگار سے جوڑنا ناگزیر ہے؟

■ مشاعروں اور ان سے زیادہ مہدی حسن اور غلام علی کی غزلوں نے ہندوستان کی دوسری زبانوں کے لوگوں کو اردو سیکھنے پر لگادیا اور اردو پھل پھول رہی ہے

● ملک کی اردو اکادمیوں اور اداروں کے ترقیاتی منصوبوں سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟

■ معاف کیجیے، مجھے اس کا کوئی ذاتی تجربہ نہیں ہے اس لیے کسی بھی قسم کی رائے دینے سے قاصر ہوں

● وہ کون سی کتاب ہے جسے آپ بار بار پڑھنا چاہتے ہیں؟

■ غبارِ خاطر، مولانا آزاد بھی موسیقی، کلاسیکی موسیقی کا نہایت ستھرا ذوق رکھتے تھے

● **مکمل پتہ**: گھر نمبر 446، گلی نمبر 10، اسلام پورہ،
مالیگاؤں-423203 ضلع ناسک (مہاراشٹر)
Mobile: 9890740851

سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سید انسانیت ﷺ	نعیم صدیقیؒ		100.00
سیرت ختم الرسلؐ	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ		38.00
سیرت رسولؐ اور ہم	مولانا سید احمد عروج قادریؒ	ترتیب: ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	86.00
سیرت رسولؐ دروس اور نصائح	محمد سعید رمضان البوطی	ترجمہ: ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	600.00
سیرت رسولؐ کے چند مناظر	ترتیب: ڈاکٹر سکندر علی اصلاحی		90.00
سیرت کا پیغام	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ		25.00
سیرت کوئز	محمد یٰسین ذکی		45.00
سیرت نبویؐ پر اعتراضات کا جائزہ	ڈاکٹر محمد شمیم اختر قاسمی		130.00
سیرت نبویؐ سے رہ نمائی	محی الدین غازی		20.00
عہد نبویؐ کے غزوات وسرایا	ڈاکٹر رؤفہ اقبال		310.00
قائد انسانیت حضرت محمد ﷺ	ترتیب: سلیم احمد فاروقی		100.00
محسن انسانیت ﷺ	نعیم صدیقیؒ		500.00
محمد رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ وکاملہ	مولانا سید احمد عروج قادریؒ	مرتب: سید لطف اللہ قادری فلاحی	22.00
محمد عربی ﷺ	مولانا محمد عنایت اللہ اسد سبحانی		200.00
میلاد النبی ﷺ	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ		20.00
نبیِ دعوت-حضرت محمدؐ کی سیرت کا دعوتی پہلو	احمد احمد غلوش	ترجمہ: تنویر آفاقی	340.00
نراشنس اور آخری رسولؐ	پنڈت وید پرکاش اپادھیائے		22.00
ہادیِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم	ابو خالد		80.00
ہمارے حضور ﷺ	عرفان خلیلیؒ		40.00
سرور عالم ﷺ	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ		20.00

MMI PUBLISHERS مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز
D-307, Dawat Nagar, Abul Fazl Enclave, Jamia Nagar, New Delhi-110025
mmipublishers@gmail.com www.mmipublishers.net **7290092403**
Sub Depot: **Hyderabad** : 9491874087 | **Mumbai** : 9699167700 | **Goa** : 9987196549 | **Bangalore** : 9036996740

سیر حاصل

نمی رقصم (خودنوشت)

از: محمد عارف اقبال

نمی رقصم (خودنوشت)
مصنف: ڈاکٹر ابرار رحمانی
صفحات: 396، قیمت: -/500، اشاعت: 2025
ISBN 978-93-6691-726-9
ناشر: عرشیہ پبلی کیشنز، A-170، گراؤنڈ فلور، سوریہ اپارٹمنٹ، دلشاد کالونی، دہلی-110095 موبائل: 9971775969
مصنف سے رابطہ: 9911455508

ماہنامہ آجکل (اردو) کے سابق ایڈیٹر ڈاکٹر ابرار رحمانی کی خودنوشت 'نمی رقصم' اس لحاظ سے ذرا مختلف ہے کہ مصنف نے ابتدا ہی میں قارئین کو مطلع کردیا ہے کہ ''یہ خودنوشت ضرور ہے لیکن اس میں صرف سوانح یا آپ بیتی نہیں بلکہ تنقید، تخلیق، تحقیق اور سفرنامہ کے ساتھ نمی رقصم کا اعلان بھی ہے۔'' مصنف کے اس اعلان سے ایسا لگتا ہے کہ ان کی اس 'خودنوشت' کی اہمیت کم تر ہوگئی ہے۔ ممکن ہے کہ اس صنف کے مجروح ہونے کا مصنف کو احساس بھی نہ ہو۔

ڈاکٹر ابرار رحمانی پیشہ تدریس سے وابستہ ہونا چاہتے تھے لیکن ان کا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا۔ ان کا تعلیمی سفر اپنے آبائی شہر مظفر پور (بہار) سے شروع ہوا۔ رامپور میں عارضی پڑاؤ تھا۔ پھر پٹنہ کے مدرسہ شمس الہدیٰ میں عربی فارسی کی تعلیم حاصل کی اور شمسی ہوگئے۔ پٹنہ ہی سے انہوں نے انٹر کیا اور بی اے کی ڈگری لی۔ 1982 میں انہوں نے دلّی کی جواہر لعل نہرو یونیورسٹی میں ایم اے میں داخلہ لیا تھا اور وہیں سے انہوں نے ایم فل اور پی ایچ. ڈی کی اسناد حاصل کیں۔ انہوں نے جواہر لعل نہرو یونیورسٹی سے 'کلیم الدین احمد کی تنقید کا تنقیدی جائزہ' کے موضوع پر پی ایچ. ڈی کی تکمیل کی تھی۔ تعلیم کے دوران میں ہی 23 نومبر 1985 کو ابرار رحمانی کی شادی پٹنہ کے معروف تاجر و سماجی خدمت گار جناب محمود عالم کی لخت جگر راحت جبیں سے ہوئی تھی۔ نکاح کا فریضہ ڈاکٹر سیّد ضیاء الہدیٰ (مرحوم) نے ادا کیا تھا، جو جماعت اسلامی حلقہ بہار کے امیر تھے۔ ڈاکٹر ضیاء الہدیٰ کی بزرگ شخصیت مسلم سماج میں مسلکی و مذہبی عصبیت کے باوجود ہردالعزیز تھی۔ پٹنہ کے انجمن اسلامیہ ہال میں ان کے جمعہ کا خطبہ ہر طبقے میں بے حد پسند کیا جاتا تھا۔ تاہم اپنی اس شادی (23 نومبر 1985) کو ابرار رحمانی نے 'قید بامشقت' سے موسوم کیا ہے۔ (ص:120)۔ شاید وجہ یہ ہے کہ اس وقت ابرار رحمانی طالب علم ہی تھے اور بے روزگاری کی مشقت سے جھوجھ رہے تھے۔ 1982 میں انہوں نے تین ماہ 'قومی آواز' میں بطور پروف ریڈر کام کیا لیکن تنخواہ نہ ملنے کی صورت میں اس کام کو چھوڑ دیا۔ اس کے باوجود ابرار رحمانی کا کہنا ہے کہ ''... وہاں تین ماہ نہیں گزارے ہوتے تو شاید عملی صحافت کی بہت سی بنیادی باتوں کو جاننے سے محروم رہ جاتا۔'' (ص:115)۔ 1982 میں ہی ان کے والد حفیظ الرحمٰن کا دہلی میں انتقال ہوا جبکہ انہوں نے ایم اے میں داخلہ لیا تھا۔ اس دوران میں وہ معاشی بدحالی کے شکار تھے۔

حفیظ الرحمٰن صاحب کا مکان مظفر پور کے اسلام پور میں واقع تھا جہاں ابرار رحمانی نے آنکھیں کھولیں اور بچپن کے ماہ و سال گزارے۔ اسلام پور مظفر پور شہر کے قلب میں کمپنی باغ

تبصرے کے لیے اپنی کتاب کے دو نسخے ارسال فرمائیں۔ ایک نسخہ موصول ہونے پر تبصرہ شائع نہیں ہوگا۔ (ادارہ)

سے قریب ہے۔ ان کے والد نے ابتدا میں موٹر ٹائر ٹیوب، موٹر پارٹس وغیرہ کا کاروبار کیا۔ چوڑیوں کا کاروبار بھی کیا لیکن ٹھیکیداری راس آ گئی جس کی وجہ سے ان کو معاشی آسودگی حاصل ہوئی۔ مظفر پور میں سب سے زیادہ سرکاری ٹھیکے انہی کو ملتے تھے۔ لیکن اس کام میں ان کو قدم قدم پر رشوت دینی پڑتی تھی جس سے ان کا 'مومنانہ قلب' مضطرب رہتا تھا۔ وہ بہار یونیورسٹی کے گولڈ میڈلسٹ تھے اور کم عمری سے کاروبار کرتے ہوئے انہوں نے یہ معرکہ سر کیا تھا۔ ٹھیکیداری کے دوران میں ان کی قربت جماعتِ اسلامی کے چند افراد سے ہوئی۔ ابرار رحمانی اپنی آپ بیتی میں لکھتے ہیں کہ "جماعت اسلامی سے جڑنے کے بعد ان کے قلب ماہیت کے نتیجے میں رشوت اتنا بڑا گناہ نظر آنے لگا کہ انہوں نے فوراً اس کام کو چھوڑ دیا۔" (ص: 75) اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابرار رحمانی کے کنبے پر معاشی آزمائش کا دور شروع ہو گیا۔ حتیٰ کہ کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ رمضان کے روزوں کی مانند ان کے دن گزرے۔ (ص:73) ابرار رحمانی لکھتے ہیں: "رازق بہر حال اللہ ہے اور ہم اس پر توکل کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ نے ایک بار پھر انہیں روشنی دکھائی اور وہ جناب حسنین سیّد صاحب (دربھنگہ) جو مولانا مودودی کے ساتھیوں میں رہ چکے تھے، انہوں نے دہلی کے سہ روزہ دعوت اخبار میں جنرل منیجر کے طور پر کام پر لگوا دیا۔" (ص:73) حفیظ الرحمن صاحب کے زمانے میں 'دعوت' جو سہ روزہ ہوا کرتا تھا، وہ سہ روزہ کے ساتھ روزنامہ اور ہفتہ وار اخبار کی شکل میں بھی نکلنے لگا، اور حد تو یہ کہ جب ایک ہوائی حادثے میں سنجے گاندھی مارے گئے تو اس زمانے میں دعوت کا دوپہر کا ایڈیشن بھی نکالا گیا۔ (ص:75) ابرار رحمانی لکھتے ہیں: "اس زمانے میں دعوت کے ایڈیٹر محمد مسلم صاحب تھے۔ محمد مسلم صاحب ایڈیٹر بہت اچھے تھے۔ اور دعوت کے قارئین میں ایک حلقہ ایسا تھا جو دعوت میں ان کے کالم 'خبر و نظر' کو بہت پسند کرتا تھا۔"

حفیظ الرحمن صاحب جنرل منیجر کی حیثیت سے اپنی ذمہ داری نبھاتے ہوئے کینسر کے موذی مرض میں مبتلا ہو گئے۔ پھر اس قدر مجبور ہوئے کہ ملازمت کے قابل نہ رہے۔ ابرار رحمانی لکھتے ہیں کہ "مسلم صاحب اصول پسندی میں اس قدر سخت تھے کہ جب میرے والد صاحب بیمار ہوئے تو انہوں نے تقاضہ شروع کر دیا کہ چوں کہ اب آپ دعوت میں کام نہیں کر رہے ہیں لہٰذا آپ کو جو رہائش کی سہولت دی گئی ہے اسے واپس کر دیجیے۔ چنانچہ اسی حالت میں جب کہ اباجی کینسر سے جھوجھتے ہوئے ہڈی کا ڈھانچہ ہو چکے تھے، اسی حالت میں انہوں نے منجھلے بیٹے امداد حسین رحمانی (مجھ سے بڑے بھائی) کو اشارے سے ہدایت کی۔ جسے انہوں نے سعادت مندی سے سنا اور فوری طور پر دعوت کا یہ مکان خالی کر کے دعوت کو واپس کر دیا۔" (ص:76)

ابرار رحمانی نے جواہر لعل نہرو یونیورسٹی سے ایم اے، ایم فل، پی ایچ. ڈی کے علاوہ ماس میڈیا میں ڈپلومہ حاصل کیا۔ 1991 میں وزارت اطلاعات ونشریات (حکومت ہند) کے تحت پبلی کیشنز ڈویژن میں ان کا تقرر ہوا۔ انہوں نے آجکل، یوجنا، روزگار سماچار کی ادارت کی ذمہ داری انجام دی۔ اپنی ملازمت کے کُل ساڑھے اٹھائیس سال میں انہوں نے ریڈیو میں ہندی اور انگلش نیوز ایڈیٹنگ کے فرائض بھی انجام دیے۔ تقریباً ایک سال انہوں نے جموں میں بطور کرسپونڈنٹ کام کیا۔ ابرار رحمانی کی زندگی زمانہ طالب علمی تک جہاں سخت جدو جہد اور معاشی تنگی میں گزری وہیں ملازمت کے دوران میں وہ بھی ایک موذی مرض میں مبتلا ہو گئے، جسے دنیا 'پارکنسن' (Parkinson) کے نام سے جانتی ہے۔ تقریباً بیس برسوں سے وہ اس مرض میں مبتلا ہیں۔ اسی حالت میں ان کو عمرہ کی سعادت نصیب ہوئی۔ تمام تر علاج کے باوجود یہ مرض اب بھی ان کا ہم سفر ہے۔ ان کی خودنوشت کئی برسوں کی مشقت کے بعد منظر عام پر آئی ہے۔ ممکن تھا کہ چند برس قبل ہی یہ 'خودنوشت' منظر عام پر آ چکی ہوتی، جو حضرات 'پارکنسن' سے زیادہ واقف نہیں ہیں وہ گوگل کے ذریعے اس مرض کی خصوصیات سے آگاہ ہو سکتے ہیں۔ اب آئیے زیر نظر کتاب 'نمی رقصم' کے اصل موضوع کی طرف۔ کتاب چھے ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اوّل: میں کیا میری بساط کیا، باب دوم: میرے بزرگ معاصرین، باب سوم: میرے معاصرین اور عزیز و اقارب، باب چہارم: میرے چند باحیات معاصرین، باب پنجم: میرے کُلیگ، اور باب ششم:

معاصر لب ولہجہ اور میری تحریریں۔ ان ابواب سے قبل احوال واقعی (نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا) کے بعد دو عنوانات 'سوانح نگاری کیا ہے؟' اور 'چند خودنوشت سوانح' کے تحت خامہ فرسائی کی گئی ہے۔

ڈاکٹر ابرار رحمانی کی اس 'خودنوشت' کے بالاستعاب مطالعے کے بعد راقم کا خیال ہے کہ مصنف نے اس میں اپنے دل کی تقریباً تمام باتیں بیان کر دی ہیں۔ ان کی تحریر کا اسلوب بے باک اور تکلف سے پاک ہے۔ تاہم اس کتاب میں کئی مقامات پر واقعاتی ربط کا فقدان محسوس ہوتا ہے۔ تاہم انہوں نے تحریروں کے درمیان میں پُرکشش اور معنیٰ خیز اشعار کے ٹانکے لگا کر اپنی بات کو مدلل بنانے کی کوشش کی ہے۔ کسی 'خودنوشت' میں سوانح نگاری کی تاریخ اور اس کی ادبی اہمیت کو بیان کرنا شاید ضروری نہیں ہے۔ چند اہم خودنوشت سوانح کے نام اور تعارف سے اپنے قاری کو واقف کرانا بھی غیر ضروری محسوس ہوتا ہے۔ پھر 'خودنوشت سوانح' میں 'باب ششم' کا اضافہ بھی موضوع سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اگر ان چیزوں سے گریز کیا جاتا تو اس 'خودنوشت' کی اہمیت دوچند ہو جاتی۔ 'داستاں میری' ڈاکٹر اقبال حسین (1905-1991) کی خودنوشت سوانح حیات ہے۔ وہ پٹنہ کالج کے سابق پرنسپل، ممبر بہار سروس کمیشن اور سابق ڈائرکٹر خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ تھے۔ انہوں نے اپنی اس خودنوشت کا انتساب اپنے عزیز دوست پروفیسر ہمایوں کبیر (مرحوم) کے نام کیا ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن 1989 اور دوسرا 2000 میں خدا بخش لائبریری، پٹنہ کے زیر اہتمام شائع ہوا۔ مظفر پور، پٹنہ اور صوبہ بہار کے تناظر میں 536 صفحات پر مشتمل یہ خودنوشت سوانح بڑی تاریخی اہمیت کی حامل ہے۔ راقم نے اس کتاب کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ موجودہ دور میں خودنوشت سوانح لکھنے والوں کے نزدیک یہ کتاب نمونے کے طور پر کام آسکتی ہے۔

ڈاکٹر ابرار رحمانی ایک کہنہ مشق ادبی صحافی اپنی ملازمت کے سبب ہوئے۔ ان کا میدان اصل میں تحقیق و تنقید رہا ہے۔ تحریر میں مزاح کی چاشنی بھی ملتی ہے۔ انہوں نے اپنی آپ بیتی میں اردو دنیا کے عظیم ادیب اور ناول نگار ابن صفی کا ذکر خاص طور سے کیا ہے (ص: 84، 85، 76، 77)۔ انہوں نے اپنے اباجی کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ ابن صفی کے ناولوں کا بے صبری سے انتظار کیا کرتے تھے۔ ان کے گھر کی پوری فیملی ابن صفی کی تخلیقات کا مطالعہ کرتی تھی۔ ایک جگہ بڑے نکتے کی بات انہوں نے لکھی ہے:

''مزے کی بات یہ ہے کہ وہ جو نصابی کتابوں سے کوسوں دور بھاگتے تھے، ابن صفی کے ناولوں سے انہیں اتنی ہی قربت تھی۔ شاید اگر ابن صفی کے ناول نصاب میں بھی شامل ہوتے تو وہ بھی آج کسی یونیورسٹی کے اعلیٰ سند یافتہ اسکالر ہوتے۔''

(ص:85)

ابرار رحمانی بچپن میں جسمانی طور پر ذرا کمزور تھے اور اپنے گھر کے دروازے پر آلتی پالتی مار کر بیٹھا کرتے تھے، بالکل گوتم بدھ کی طرح۔ ان کی بہنیں انہیں چھیڑتی تھیں۔ اس بات کو وہ شدت سے یاد کرتے ہوئے کہتے ہیں ''کہاں گیا میرا بچپن!'' محلّہ اسلام پور، مظفر پور کے ایک مولوی صاحب ان کو قرآن مجید پڑھانے آتے تھے۔ ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''اردو میں اگر میرا شین قاف درست ہے تو اس میں بہت کچھ میرے مولوی صاحب کا ہاتھ ہے۔ قرآن شریف وہ اتنے اچھے ڈھنگ سے پڑھاتے تھے کہ جس کا جواب نہیں۔'' (ص:55) ابرار رحمانی کی باضابطہ تعلیم کا آغاز مظفر پور کے معروف تعلیمی ادارہ عابدہ ایچ ای اسکول سے ہوا۔ ان کا داخلہ راست چھٹی کلاس میں ہوا۔ اس اسکول کے محل وقوع کا ذکر کرتے ہوئے ابرار رحمانی لکھتے ہیں:

''عابدہ ہائی اسکول کا محل وقوع بھی کچھ ایسا ہے کہ کسی کو بتاتے ہوئے شرم آتی ہے ... ہمیں ایک ایسے بازار سے گزرنا پڑتا تھا جسے بازارِ حسن کہتے ہیں۔ ... یہ محلّہ چترбھُج استھان کے نام سے مشہور ہے۔'' (ص:56)

واضح ہو کہ اس 'محلّہ' پر باضابطہ ایک تحقیقی کتاب شائع ہو چکی ہے جس کے مصنف ہیں پربھات رنجن اور کتاب کا نام ہے 'کوٹھا گوئی (چتربھُج استھان کے قصے)'۔ اس کا ترجمہ مظہر احمد نے کیا ہے جو ذاکر حسین پوسٹ گریجویٹ ایوننگ کالج، نئی دہلی کے شعبہ اردو میں ایسوسی ایٹ پروفیسر ہیں۔ 2016 میں اس کا پہلا ایڈیشن ایم آر پبلی کیشنز، دہلی کے زیر اہتمام شائع ہوا تھا۔ اپنی آپ بیتی میں ابرار رحمانی نے 'معاصرین اور رفقاء کار'

کے حوالے سے چار ابواب میں بہت سی شخصیات کا تعارف دلچسپ انداز سے پیش کیا ہے۔ ان میں چند نام ہیں: حکیم عبدالحمید، پروفیسر محمد حسن، نامور سنگھ، قمر رئیس، شمس الرحمن فاروقی، گوپی چند نارنگ، جگن ناتھ آزاد، مجتبیٰ حسین، شکیل الرحمن، جی ڈی چندن، حسن مثنیٰ، ابوالکلام قاسمی، صلاح الدین پرویز، ڈاکٹر عبیدالرحمن، احمد برقی، آنند لہر، اسرار جامعی، ڈاکٹر ابوذر کمال الدین، کوثر مظہری، ڈاکٹر شکیل اختر، ساقی نارنگ، شہباز حسین، نند کشور وِکرم، محبوب الرحمٰن فاروقی، عادل صدیقی، حسن ضیا، عبدالصمد، مشتاق احمد نوری، خورشید اکبر وغیرہ۔

مظفر پور کے حوالے سے ابرار رحمانی نے جن شخصیات کا تذکرہ کیا ہے ان میں بہار یونیورسٹی، شعبہ اردو کے سابق صدر پروفیسر قمر اعظم ہاشمی (مرحوم) پر سنگین الزام لگاتے ہوئے ان کو ادبی جرائم کا مرتکب قرار دیا ہے۔لیکن کوئی ثبوت پیش نہیں کیا ہے۔ (ص:58) اس طرح کی الزام تراشی سے ان کو گریز کرنا چاہیے تھا۔ حالانکہ اس ضمن میں پروفیسر عبدالواسع (مرحوم) کے بارے میں یہ بات زیادہ مشہور ہے، اس پر مصنف نے کچھ نہیں لکھا ہے۔ دوسری طرف مصنف نے جواہر لعل نہرو یونیورسٹی کے ایک ایم فل کے ڈزرٹیشن کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ تین چار ضخیم کتابوں سے جستہ جستہ لے کر تیار کیا گیا تھا۔ مصنف نے لکھا ہے کہ ''اردو ادب میں تحقیق کی اس پستی کو دیکھ کر میں کانپ گیا۔'' (ص:91)۔ مصنف آگے لکھتے ہیں کہ پٹنہ یا عظیم آباد کلیم الدین احمد کا شہر ہے اور پٹنہ یونیورسٹی میں کلیم الدین احمد کا طوطی بولتا تھا لیکن جب انہی کلیم الدین احمد پر ریسرچ کیا جاتا ہے تو انہیں دیکھ کر ہمیں بہت افسوس ہوتا ہے۔ (ص:94) مصنف نے اس سلسلے میں وارث الرحمٰن اور آفتاب احمد کے پی ایچ. ڈی مقالے کے حوالے بھی دیے ہیں۔

ڈاکٹر ابرار رحمانی نے 'میری ادبی کاوشیں' کے عنوان سے اپنی تصانیف و تالیف کا تعارف بھی کرایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ''میری پہلی باضابطہ تصنیف 'کلیم الدین احمد کی تنقید کا تنقیدی مطالعہ' ہے، جو دراصل میری پی ایچ. ڈی کا مقالہ ہے۔ اس مقالے پر میری جتنی تعریف ہوئی اسے میں اپنی خوش نصیبی اور خوش بختی سے تعبیر کرتا ہوں۔'' (ص:124)

ڈاکٹر ابرار رحمانی ماہنامہ 'آجکل' (اردو) کے طویل عرصے تک ایڈیٹر رہے۔ اس دوران میں انہیں دوست نما دشمن اور دشمن نما دوست دونوں سے پالا پڑا۔ لیکن محکمہ کی طرف سے ان کو پہلی بار اس وقت پریشان کیا گیا جب حج ڈیوٹی کے لیے منتخب کر لیے جانے کے باوجود ان کو مکہ مکرمہ نہیں جانے دیا گیا۔ کیونکہ انہوں نے کشمیری ادیب غلام نبی خیال کی کتاب 'اقبال اور تحریک آزادیٔ کشمیر' پر تبصرہ کیا تھا۔ (ص:169) یہی نہیں بلکہ محبوب الرحمٰن فاروقی کے پروموشن کے بعد جب وہ جوائنٹ ڈائرکٹر ہو کر دوسرے شعبے میں چلے گئے تو جاتے جاتے ابرار رحمانی کو 2002 میں اپنی کرسی میں بٹھا گئے جس پر بیٹھنے کی تمنا دل میں لیے ہوئے وہاں کئی افراد بیٹھے تھے۔ انہی میں سے کسی نے الزام لگایا کہ ابرار رحمانی ماہنامہ آجکل میں اداریہ لکھتے ہیں، جس کی پاداش میں انہیں آجکل سے ہٹا کر ایک 'غیر ادبی رسالہ' یوجنا (اردو) میں بھیج دیا گیا۔ تب آجکل کے ایڈیٹر کبھی عابد کرہانی، کبھی حسن ضیا اور کبھی خورشید اکرم ہوتے رہے۔ (ص:171)۔ اس ناانصافی پر معروف ادیب و نقاد حقانی القاسمی نے ہفت روزہ 'نئی دنیا' (4 تا 9 مئی 2003) کے اپنے کالم 'تکلف برطرف' میں مدلل مضمون لکھا اور ابرار رحمانی کا دفاع کیا۔ (ص:172 تا 174)

کورونا (Covid:19) میں مرنے والے ادیبوں کا ذکر بھی اس آپ بیتی میں خاص طور سے کیا گیا ہے۔ ان میں ذوقی، تبسم فاطمہ، ترنم ریاض، شوکت حیات، رتن سنگھ، افتخار امام صدیقی، انجم عثمانی، پروفیسر شکیل صمدانی، مناظر عاشق ہرگانوی، مولا بخش، شاہد علی خاں، پروفیسر ظفرالدین، رضوان قیصر، تحسین عثمانی اور عنبر بہرائچی شامل ہیں۔ ان کے تذکرے میں تلخ و شیریں باتیں بھی دلچسپ ادبی پیرائے میں درج کی گئی ہیں۔
(ص:177 تا 193)

ڈاکٹر ابرار رحمانی کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ ان کا بے باک قلم کبھی بھی خاموش نہیں رہا۔ اس کی وجہ سے وہ ملازمت کے دوران بھی آزمائش میں مبتلا رہے لیکن ہمیشہ فتح یاب ہوئے۔ 31 مارچ 2020 کو وہ 'آجکل' سے باضابطہ ریٹائرڈ ہو گئے جسے وہ 'سٹھیانا' کہتے ہیں۔ لیکن باب اوّل کے

اختتام پر انہوں نے ایک صفحہ 'تاریخ کے ساتھ چھیڑ چھاڑ' کے نام کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''... این سی ای آر ٹی نے مرکزی حکومت کے ایما پر تاریخ کی شدھی کرنے کی شروعات کردی ہے۔ انہوں نے جدید تاریخ کا باب مغلیہ حکومت کو حذف کردیا پھر آزادی کے بعد حکمرانوں میں وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد کو بھی اس طرح نکال دیا ہے گویا یہ دوسری شدھی ہے۔'' (ص:197)

اس 'آپ بیتی' میں ہمدرد والے حکیم عبدالحمید (مرحوم) کا ذکر ابرار رحمانی نے بڑے پیار سے کیا ہے جنہوں نے کسی موقع پر ابرار رحمانی کا علاج بھی کیا تھا۔ (ص:206)۔ ہمدرد کا پس منظر بیان کرتے ہوئے کیا ہی اچھا ہوتا کہ حکیم عبدالحمید کے چھوٹے بھائی حکیم محمد سعید (1920-1998) کا بھی ذکر کردیتے جنہوں نے دہلی سے ہجرت کرکے پاکستان میں ہمدرد کی بنیاد رکھی اور ہندوستان کی طرح پاکستان کا 'روح افزا' بھی پوری دنیا میں مشہور ہوا۔ حکیم محمد سعید صاحب کو سندھ کا گورنر بھی بنایا گیا تھا۔ ان کو دہشت پسندوں نے کراچی میں 17 اکتوبر 1998 کو بعد نماز فجر شہید کردیا تھا۔ وہ حکیم بھی تھے، مفکر بھی اور دانشور بھی۔ حکیم عبدالحمید صاحب اپنے بھائی کو بے حد عزیز رکھتے تھے اور رابطے میں رہتے تھے۔ گوپی چند نارنگ کے بارے میں مصنف کا کہنا ہے کہ وہ دل کے بڑے اور فطرت سے سخی واقع ہوئے تھے۔ نئی نسل میں ان سے فائدہ اٹھانے والوں میں کئی اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔ ان میں سے کئی تو نارنگ کے واقعی احسان مند ہیں اور کئی ایسے بھی ہیں جو فائدہ حاصل کرکے ان کے منکر ہوگئے۔ (ص:219)

تمام شخصیات کے بارے میں مصنف نے خلوص اور بے باکی سے اظہار خیال کیا ہے۔ چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

''دلّی یونیورسٹی کے ڈاکٹر شریف احمد (متوفی 20 جولائی 2012) بھی کچھ ایسی ہی سیاست کے شکار ہوئے، وہ بھی کبھی پروفیسر نہیں بن سکے۔ وہ نام کے ہی شریف نہ تھے بلکہ عملاً بھی شرافت کا بے مثال پیکر تھے۔'' (ص:224)

''عینی آپا ادب پر نقادوں کی حکمرانی کو سخت ناپسند کرتی تھیں۔ انہوں نے اسے کبھی قبول بھی نہیں کیا۔ اکثر اپنی گفتگو میں ناقدوں کو اپنی تنقید کا نشانہ بناتی تھیں۔'' (ص:229)

جگن ناتھ آزاد کی شخصیت کا سب سے نمایاں پہلو اقبال سے ان کا والہانہ عشق تھا۔ ماہرین اقبال بہت ہیں لیکن جگن ناتھ آزاد کا امتیاز یہ ہے کہ وہ ہندوستان میں رہ کر اقبال پر اس وقت سے کام کررہے تھے جب یہاں اقبال کا نام لینا بھی جرم تصور کیا جاتا تھا۔'' (ص:238)

''دراصل جاسوسی فکشن اظہار اثر کا شوق، شغف، جنون، پیشہ اور ضرورت سبھی کچھ بن گیا تھا جس کے تحت ان کا قلم زود نویس اور بسیار تحریر ہوچلا تھا۔ زندگی گزارنے کے لیے انہیں ہر ذی نفس کی طرح پیسوں کی ضرورت تو تھی ہی چنانچہ وہ نام کی پروا کیے بغیر جو بھی پیسہ دیتا اس کے لیے لکھتے گئے۔'' (ص:240)

''خلیق انجم نہ تو شاعر تھے اور نہ ہی کہانی کار، اور یہی اوپر والے کی مہربانی ہوئی ورنہ اردو کے خس وخاشاک کے انبار میں اضافہ کرنے میں وہ بھی شاید پیچھے نہیں رہتے۔ ... ان کی جتنی بھی چیزیں طبع ہوئی ہیں یا جو کتابیں ہماری نظر سے گزری ہیں انہیں بلاشبہ کارنامہ کے زمرے میں ہی رکھا جانا چاہیے۔ ... میری نظر میں 'متنی تنقید' خلیق انجم کی ادبی وعلمی زندگی کا سب سے اہم کارنامہ ہے۔'' (ص:242)

''شکیل الرحمٰن نے تن تنہا جمالیاتی افکار کو اس بلندی پر پہنچا دیا تھا جہاں آج کی نسل یا ہمارے بعد کی نسل کو شاید ہی توفیق ہو۔'' (ص:244)

''گربچن داس چندن ہمارے سروس (انفارمیشن سروس) کا ایک جانا مانا چہرہ تھا جو ہمہ وقت اپنی ڈیوٹی اور اپنے کام کے تئیں ایماندار رہتے تھے۔ ... وہ اردو صحافت کے چلتے پھرتے داستان گو تھے ... اردو صحافت کے آغاز کے حوالے سے تحقیق کرنے والوں میں ان کا نام سب سے نمایاں ہے۔'' (ص:247)

''ڈاکٹر عبیدالرحمٰن ہمارے سب سے قریبی اور عزیز دوست تھے اور انہیں ہم سب پیار سے عبید بھائی کہتے تھے۔ ہمارے عبید بھائی ایک انگریزی زرعی رسالہ 'انڈین فارمنگ' کے ایڈیٹر تھے جسے وہ بڑے سلیقے سے ترتیب دیتے تھے۔ ... وہ شاعر بھی تھا اور ادیب بھی لیکن بنیادی طور پر وہ سائنٹسٹ تھا اور اپنے میدان کا بہترین شہسوار بھی۔ ... ان کی مطبوعات میں شعری

مجموعہ 'آواز کے سائے' 2001 میں شائع ہوا۔ اس کے دو سال بعد سائنسی مضامین کا مجموعہ 'کچھ سائنس سے' شائع ہوا۔''
(ص:264-263)

''شموئل احمد، منٹو کے بعد کی نسل میں ایک اہم جنسی افسانہ نگار کے طور پر ابھر کر سامنے آئے، اور وہ خود کو سنہ ستری افسانہ نگاروں میں شمار کرتے تھے۔ ان کی تخلیقات میں 'سنگھاڑدان' بہت خوبصورت اور ان کی عمدہ تخلیقات میں سے ایک ہے۔ اگر وہ صرف 'سنگھاردان' ہی لکھتے تو بھی ان کا نام اس صف میں برقرار رہنے کے لیے کافی تھا۔'' (ص:266)

''اب کوئی معجزہ ہوگا اور نہ ہی کوئی اس معجزے کا منظر نامہ۔ اس ایک معجزے کو اللہ نے اس کے پس منظر کے ساتھ اپنے پاس بلا لیا۔ منظر اعجاز میرے کرم فرما تھے مگر میرے دوست تھے۔ وہ پروفیسر ہونے کے باوجود پڑھے لکھے تھے اور اب بھی پڑھتے لکھتے تھے۔ یعنی پہلے خود پڑھتے تھے پھر اپنے طلبا کو پڑھاتے تھے۔'' (ص:274)

''... یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوگا کہ آنند لہر پہلے ادیب ہیں یا وکیل۔ اگرچہ وہ نامی ڈوگری سنستھا کے صدر تھے اور جموں میں ڈوگری بولتے تھے لیکن اردو سے انہیں خاص لگاؤ رہا اور انجمن ترقی اردو کے تعاون سے اردو کے فروغ کے لیے کام کرتے تھے۔'' (ص:293)

''ہم نے ایسا ضدی مگر معصوم انسان کبھی نہیں دیکھا۔ صبح بستر سے اٹھتے ہی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا نام لیتے پھر کب انہوں نے ناشتہ کیا؟ کیا بھی یا نہیں؟ کوئی نہیں جانتا، شاید وہ خود بھی اس احساس سے ماورا ہو چکے تھے۔ ... وہ شخص کبھی شیروانی پاجامہ اور کشتی نما ٹوپی میں نظر آتا کبھی کبھی وہ سوٹ بھی پہن لیا کرتے، شاید منہ کا مزہ بدلنے کی خاطر... اس باوقار شخص کو ہم سب اسرار جامعی کے نام سے جانتے ہیں۔ (سیّد شاہ اسرارالحق، پیدائش:21 جولائی 1938 — وفات:4 اپریل 2020) ... یہ اسرار کی پُراسرار شخصیت کا کمال ہے کہ وہ ایک ذراسی بات کو ترمیم و اضافہ سے کہیں کا کہیں پہنچا دیتے تھے۔ بسا اوقات اوج ثریا کو بھی شرما دیتے تھے۔ ... ملاحظہ ہو:

ہم جھانک بھی لیتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ جھونک بھی دیتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا''

(ص:293 تا 296)

''بھائی مشتاق نوری انتظامی امور میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ بحیثیت سرکاری افسر وہ چاہے جس ڈپارٹمنٹ میں رہے ہوں وہاں اپنے حسنِ کارکردگی کا خوب خوب مظاہرہ کیا ہے۔ انہیں بہار اردو اکیڈمی کا بھی چارج ملا۔ اس ذمہ داری کو بھی انہوں نے بخوبی انجام دیا۔'' (ص:309-308)

''پٹنہ میں ایک جگہ ہے سبزی باغ، جہاں سبزی نہیں بلکہ ادیب و شاعر پیدا ہوتے ہیں اور بکتے ہیں۔ میرے نام سے وہیں ایک ہوٹل ہے 'رحمانیہ ہوٹل' جہاں ایک کپ چائے کی پیالی پر تنظیم بنتی ہے اور چائے کی دوسری پیالی پر ایک مشاعرہ بھی بپا ہو جاتا ہے۔ مجھے ایک ایسا ہی مشاعرہ خورشید اکبر کے ساتھ سننے کا اتفاق ہو چکا ہے۔'' (ص:310)

''ماہنامہ آجکل کے عاشقین اور شائقین اور اس سے زیادہ محبت کرنے والوں میں ہمارے زمانے میں جمیل اختر کا نام سب سے نمایاں ہے۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت آجکل کا پچاس سالہ اشاریہ ہے۔'' (ص:313)

''کارزارِ حیات میں سائنسی کیل کانٹے سے لیس ہو کر انہوں نے خاصا نام کمایا ہے اور اب وہ خلیل خان جو کبھی صرف فاختہ والے کے نام سے ہی جانے جاتے تھے، آج وہ فاختہ والے نہیں، بلکہ محمد خلیل سائنس والے کے نام سے جانے جاتے ہیں۔'' (ص:316)

''کوثر مظہری ہمارے چند بہترین دوستوں میں سے ایک ہیں۔ پٹنہ سے دلّی میرے بعد آئے، جامعہ میں استاد ہو گئے۔ اور اب انتہائی محنت، لگن اور ایمانداری سے اُستادی کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔'' (ص:318)

''نارنگ ساقی ان لوگوں میں سے ہیں جو اپنی صحت کی خرابی اور چلنے پھرنے سے معذوری کے باوجود وہ زندگی کے تمام حوائج ضروریہ کے ساتھ ساتھ ادبی فریضہ انجام دیتے رہتے ہیں۔ ...'' (ص:319)

اپنے باس محبوب الرحمٰن فاروقی کے بارے میں مصنف

لکھتے ہیں:

''...2004 میں ریٹائر ہوئے۔ جی پی ایف وغیرہ سے جو رقم انہیں حاصل ہوئی اس سے پہلی فرصت میں انہوں نے بٹلہ ہاؤس میں ایک فلیٹ خرید لیا۔ یہ پہلا موقع تھا جب دہلی میں انہوں نے اپنے ذاتی فلیٹ میں رہنا شروع کیا۔ اس سے پہلے ریٹائرمنٹ تک کرایہ کے مکان میں ساری زندگی گزاری تھی۔ وہ تو صرف دو گز زمین کے ہی خواہاں تھے۔...'' (ص:338)

'نمی رقصم' کے مصنف ڈاکٹر ابرار رحمانی کی سنجیدہ تحریروں میں بھی بذلہ سنجی محسوس کی جاسکتی ہے۔ ان کا ادبی اسلوب اگرچہ دلکش اور کینوس وسیع ہے لیکن آپ بیتی یا خودنوشت کے مطالعے کے دوران 'بھرتی کے مواد' کی وجہ سے بے ربطی کا شدت سے احساس ہوتا ہے۔ اس کے سبب قاری مطالعے کے دوران میں الجھن محسوس کرتا ہے۔ اس آپ بیتی میں ایسا لگتا ہے، مصنف نے اپنے دل کی بھڑاس نکال دی ہے۔ ایسی حالت میں جبکہ وہ گزشتہ بیس برسوں سے 'پارکنسن' کے مرض میں مبتلا ہیں، یہ آپ بیتی ان کا بڑا کارنامہ ہے۔ لیکن لکھتے وقت وہ بعض اوقات جذباتی بھی ہوگئے ہیں۔ کاش اس 'آپ بیتی' کی اشاعت سے قبل ان کو اپنے استاد محترم پروفیسر محمد حسن کی خودنوشت 'سر بازار می رقصم' ہاتھ نہ لگی ہوتی۔ ایسا لگتا ہے کہ اس خودنوشت کو پڑھ کر وہ کسی حد تک بے قابو ہوگئے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے استاد محترم کے 'سیاہ کارنامے' پر انہوں نے سینہ کوبی بھی کی اور اپنی آپ بیتی میں محمد حسن کی خودنوشت کے بعض فحش حصے کے اقتباسات بھی نقل کر دیے۔ کاش ابرار رحمانی ایسا نہ کرتے۔ مصنف کی 'خودنوشت' کے سرورق کی پشت پر پروفیسر محمد حسن کے بارے میں لکھی گئی تنقیدی تحریر کی اشاعت شاید مناسب نہیں۔ کیونکہ اس تحریر کا راست تعلق مصنف کی خودنوشت سے نہیں ہے۔ وہ اپنے استاد محترم کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''استاد، اللہ نے آپ کو دو ہاتھ دیے تھے کہ آپ ان سے اچھے اچھے کام کریں گے لیکن آپ نے ان دو ہاتھوں کا بھی غلط استعمال کیا ہے۔ آپ نے دست درازی بھی کی ہے اور درازئ دست بھی استعمال کیا ہے۔ لیکن میرا دست اجازت نہیں دیتا کہ میں بھی اس پر مزید خامہ فرسائی کروں، چوں کہ آپ نے اپنی سوانح کا نام 'سر بازار می رقصم' فارسی کی معروف صوفیانہ غزل کے ایک مصرعے کو اپنے ناپاک کرتوتوں اور بدفعلیوں کے ذکر کے لیے استعمال کیا ہے۔ لہٰذا اب میں اپنی سوانح کا نام 'نمی رقصم' رکھ رہا ہوں۔ یعنی میں نہیں ناچوں گا، کسی بھی حال میں نہیں ناچوں گا۔'' (ص:18)

کتاب کے ناشر کو اس کی پروف ریڈنگ پر خاص توجہ دینی چاہیے تھی۔ 'تقرر' لغت کے مطابق مذکر ہے اور کئی جگہوں پر 'تقرری' کا استعمال کیا گیا ہے۔ 'اِسراف' کی جگہ 'اَصراف' (ص:301) شاید پروف کا سہو ہے۔ ان معمولی کمیوں کے باوجود یہ 'خودنوشت' دلچسپ اور قارئین کی معلومات میں بیش بہا اضافے کا باعث ہے۔ مصنف یقینی طور پر مبارکباد کے مستحق ہیں۔

□□□

بہار میں 'اردو بک ریویو' ملنے کے دیگر پتے

Mr. Mushtaq Ahmad
Abdus Sattar Book Seller
Company Bagh, Meena Bazar
MUZAFFARPUR - 842001 (Bihar)
Mobile: 9431475683

Dr. M. Badruddin
Novelty Books, Quila Ghat
DARBHANGA - 846004 (Bihar)
Mobile: 9835432813

Kiran Book Depot
T. Model School Lane, G.B. Road
GAYA - 823001 (Bihar)
Mobile: 9431476442

مراد آباد میں 'اردو بک ریویو' ملنے کا پتہ

Mr. Adeeb Alam Qureshi
S/o Mr. Alam Qureshi
Near Girls Inter College
Mohalla Asalatpura
MORADABAD - 244001 (U.P.)
Mobile: 8218345142

اردو کے ممتاز صحافی اور محقق محمد طارق غازی کے قلم سے

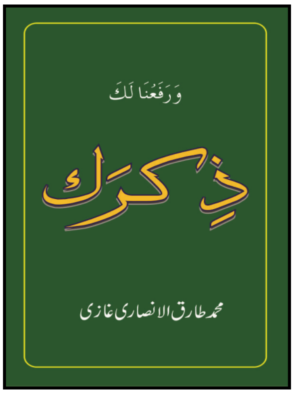

سیرت کی کتب میں عموماً واقعات ملتے ہیں لیکن تاریخی تناظر میں ان واقعات کا عمرانی اور سیاسی تجزیہ نہیں ملتا جن کے اثرات مکہ اور مدینہ کی سیاست اور اقتصادیات پر نظر آئے۔ اس اعتبار سے یہ کتاب نہ صرف منفرد ہے بلکہ پہلی بار سیرت کے عمرانی، سیاسی اور اقتصادی اقدامات کا تاریخی تجزیہ کیا گیا ہے۔

Pages: 744 - Price: Rs. 500/-

سوانح ہاجرہ نازلی

یہ سوانحی واقعات مشہور ادیبہ ہاجرہ نازلی کے ہیں۔ ان کے اٹھارہ ناول اور ستّر اسّی کے قریب افسانے اور کہانیاں نیز مختلف موضوعات پر مضامین و مکالمے ماہنامہ بانو دہلی، حریم لکھنؤ اور مختلف ڈائجسٹوں میں شائع ہوتے رہے۔ ان سوانحی واقعات کو ان کی بیٹی شہناز کنول غازی (علی گڑھ) نے مرتب کیا ہے۔

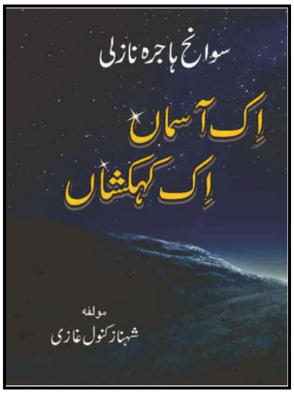

Pages: 348
Price: Rs. 300/-

رابطہ

IQRA EDUCATION FOUNDATION
A-2 Firdaus, 24 S.V. Savarkar Road, Mahim West
Mumbai - 400016 **Cell: 9359210010**

URDU BOOK REVIEW
1739/104, First Floor, M.P. Street, Pataudi House, Darya Ganj,
New Delhi - 110002 **Tel.: 011 - 44753890 / 9953630788**

Advtt. 03/2025

نسیم شمال

[سلسلہ صوفیا]

از: ڈاکٹر شاہد حبیب☆

شاداں فاروقی کی تصنیف 'نسیم شمال' ایک وقیع کام ہے جس میں شمالی بہار کے مشائخ کرام کے تصوفی سفر کو قلمی صورت میں محفوظ کرنے کا اہم کام سرانجام دیا گیا ہے۔ اس کتاب کی تحریر صوفیانہ ذوق اور تحقیقی جستجو کا نتیجہ ہے جس میں محقق نے جانفشانی اور محنت و جستجو کے بعد وہ مواد یکجا کیا جو عرصہ دراز سے خانقاہوں، ذاتی کتب خانوں اور لائبریریوں کی طویل سطروں میں چھپا ہوا تھا۔ تصوف کا علم بذاتِ خود ایسی بات ہے جسے ہر دور میں امتِ مسلمہ کے لیے ضروری سمجھا جاتا رہا ہے۔ شاداں فاروقی کی یہ کتاب 'نسیم شمال' نہ صرف تحقیق کے ایک سنگِ میل کی حیثیت اختیار کر گئی ہے بلکہ روحانی پیاس بجھانے کا بھی ایک سرچشمہ بن گئی ہے۔ مصنف کا مقصد واضح ہے کہ شمالی بہار کے جن مشائخ کرام نے اپنے روحانی تجربات اور کشف و کرامات کے ذریعے لاکھوں دلوں میں اللہ کی محبت بیدار کرنے کی کوشش، ان کی سوانح اور حالاتِ زندگی کو آئندہ نسلوں کے لیے محفوظ کر دیا جائے تاکہ وجودِ بشر کے دامن میں عشقِ الٰہی کے مشعل کبھی گل نہ ہوں۔

شاداں فاروقی نے شمالی بہار کے دو سو دس مشائخ کرام کے حالاتِ زندگی کا احاطہ کیا ہے۔ کتاب کا آغاز 'حرفِ اوّلین' سے ہوتا ہے جہاں (مولانا) سید شاہ محمد آیت اللہ قادری نے تفصیل سے بتایا ہے کہ تصوف اسلام کے روحانی ستونوں میں سے ایک ستون ہے جو قرآن و حدیث کی روشنی میں اپنے بنیادی اصول اور وضوابط حاصل کرتا آیا ہے۔ ابتدائی دور میں صوفی سلسلے منظم و منصوب نہیں تھے البتہ دلوں میں بندگی و عشقِ الٰہی کا سفر مسلسل جاری رہا۔ جب انسان کو اپنی رنگا رنگ دنیا کی رونقوں سے فرصت ملی تو اس نے کردار سازی اور ریاضت کے ذریعے رب تعالیٰ کے قرب کا طلب گار ہونا شروع کیا۔ اس دوران تصوف ایک منظم علم کی صورت اختیار کرنے لگا۔ ڈاکٹر شاہ فتح اللہ قادری نے 'کچھ تصنیف اور صاحب تصنیف کے بارے میں' کے عنوان سے اظہار خیال کیا ہے اور محمد بشیر شاداں فاروقی کے حالات اور مزاج و اطوار کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''تذکرہ، تاریخ اور ادب و تحقیق پر ان کی بارہ غیر مطبوعہ نگارشات ہیں جو وسائل کی کمی کی وجہ سے تشنہ اشاعت رہ گئیں۔ ان کی زندگی میں صرف شمالی بہار کے شعرا کا تذکرہ بزم شمال کا حصہ اول ہی شائع ہوا۔'' شاداں فاروقی نے مؤرخانہ مطالعہ اور نقلی مواد کا سہارا لے کر اپنے مفصل مقدمہ بعنوان 'تصوف اور اس کا تفصیلی جائزہ' میں تصوف اور اس کے ارتقا کے ہر مرحلے کو بیان کیا ہے۔ انہوں نے یہ باور کروایا کہ تصوف کی اصل کبھی بھی شریعت سے متصادم نہیں رہی بلکہ اس کی روح اور نفاذِ شریعت باہم مربوط ہیں۔ اس نقطے کی اہمیت اس لیے بھی ناگزیر ہے کہ موجودہ دور میں کچھ حلقے تصوف کو بدعت، ضلالت اور اسلام سے جدا ایک مروجہ فرقہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسی صورتِ حال میں 'نسیم شمال' ایک مؤرخانہ بیانیہ فراہم کرتا ہے کہ صوفیاءِ کرام نے ابتدا سے ہی قرآن و سنت کو اپنے طریقتی اصول وضوابط کی بنیاد بنایا اور عشقِ

نسیم شمال

مصنف: شاداں فاروقی

صفحات: 352، قیمت: -/400، اشاعت: 2024

ناشر: دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف،

پٹنہ-801505 (بہار)

Mobile: 7260433562

الٰہی کوحصولِ بندگی کا ذریعہ جانا۔

اس کے بعد سلسلۂ عالیہ قادریہ، سلسلۂ قادریہ رزاقیہ، سلسلۂ قادریہ وارثیہ، سلسلۂ وارثیہ، سلسلۂ چشتیہ، سلسلۂ چشتیہ آبادانیہ، سلسلۂ صابریہ چشتیہ، سلسلۂ نقشبندیہ، سلسلۂ چشتیہ مسلسل — خاندان پیر دمڑیا، سلسلۂ سہروردیہ، سلسلۂ سہروردیہ مسلسل، سلسلۂ شطاریہ، دیگر خانوادوں کے شطاری بزرگ، سلسلۂ قلندریہ، سلسلۂ ابولعلائیہ منعمیہ، سلسلۂ مداریہ، وارثی سلسلہ، شہدا، مجذوبین، سالکین؛ کے عناوین سے ابواب قائم کیا گیا ہے۔ ہر سلسلے کے آغاز میں شاداں فاروقی نے اشاری کے بعد سلسلے کا تعارف، شاخوں کا تذکرہ، مشائخ کے اسما اور ان کے حالاتِ زندگی کو یکجا ہے۔ ان سوانح حیات میں ان مشائخ کے علم، ان کے ریاضتی طرزِ عمل، ان کی کرامات اور ان کے متفرق اقوال شامل ہیں۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ مصنف نے کتب خانوں کی بانکپنوں میں کھوج لگا کر جتنا مواد حاصل کیا، اسے منطقی ترتیب کے ساتھ قاری کے سامنے پیش کیا تا کہ جو قاری پہلے کبھی ان خانقاہوں کی علمی ثروت سے بےخبر تھا، وہ بھی عام فہم انداز میں ان صوفیائے بزرگ کے فضائل سے روشناس ہو سکے۔ مصنف نے کتاب کے اختتام پر 'حواشی' کے عنوان سے حوالے بھی پیش کیے ہیں جن میں وہ تمام مخطوطات اور مآخذ درج ہیں جن کے حوالے سے انہوں نے تذکرہ نگاری کی۔ اس سے تحقیق شائقین کو اضافی استفادہ کا موقع ملتا ہے اور انہیں معلوم ہوتا ہے کہ ہر سوانح کا ماخذ کون سا ہے اور کہاں تلاش کرنا ہے۔

کتاب میں بیان کیے گئے ہر سلسلے کی شروعات میں مصنف نے اس سلسلے کے بانی کے بارے میں بیان کیا، پھر مختلف شاخوں کا ذکر کیا اور ان شاخوں سے وابستہ بڑے مشائخ کے حالات بالتفصیل بیان کیے گئے۔ اس خاکہ نگاری کا مقصد قاری کو دکھانا ہے کہ صوفی سلسلے یکسر ایک دہانے سے ابھی تراشے نہیں جاتے، بلکہ ہر سلسلے کی ایک ارتقائی داستان ہوتی ہے۔ اس میں ابتدا میں افراد نے ریاضت، انابت، زہد و تقویٰ وغیرہ کے ذریعے خود کو اللہ تعالیٰ کے قریب کیا۔

بنیادی طور پر کتاب کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ صوفیائے کرام نے قرآن و حدیث سے استنباط کر کے اپنی طریقتی ضوابط مرتب کیے۔ ان کا بنیادی مقصد اللہ تعالیٰ کی کامل بندگی ہے، اور عشق و محبت فی النفسہ مقصودِ نہائی نہیں بلکہ بندگی کے حصول کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ مصنف نے یہ موضوع کئی جگہ واضح طور پر بیان کیا ہے کہ بندگی کے مقام سے بلندتر کوئی مقام نہیں، اور اگر کسی نے عشق و محبت کو مقصدِ نہائی سمجھ لیا تو وہ ماسویٰ اللہ سے قطعِ تعلق ہو کر ایک غلط سمت میں سفر کر بیٹھے گا۔ حضور اکرم ﷺ کی سیرتِ طریقت کی روشنی میں وہ بتاتے ہیں کہ آپ ﷺ نے چالیس سال قبلِ اعلانِ نبوت عملی اسلام کو تبصرہ کی صورت میں لوگوں کے سامنے پیش کیا اور ان کے کردار میں دیانت، امین و صادق کے خصلتیں غالب رہیں۔ یہ سارا پس منظر یقیناً اس لیے پیش کیا کہ قاری کو معلوم ہو کہ صوفیائے کرام نے بھی سیرتِ نبوی ﷺ کو ہی اپنا مشعلِ راہ بنایا اور قرآن و سنت سے ہی اپنے تصوفی اصول اخذ کیے۔

شاداں فاروقی کی علمی کاوشوں کا ذکر لازم ہے۔ انہوں نے شمالی بہار کے اکابر مشائخ کرام کے حالات اور ان کی تصوفی خدمات پر مکمل دستاویزی ریکارڈ مرتب کیا۔ وہ خود بھی زندگی کی نوشت و خواند میں نظم و نثر پر یکساں قدرت رکھتے تھے، مگر فنِ تذکرہ نویسی میں ان کے قدم بہت ثابت تھے۔ شمالی بہار کے صوفی از نظرِ مقام و مرتبہ، ان کے سلسلے اور ان کی ریاضتی زندگی کا احاطہ کرنے کے دوران انہوں نے بڑے بڑے صوفیائے کرام کے تجربات کو بھی شامل کیا۔ ان کے قلم سے ادیبانہ اور تحقیقی دونوں رنگ یکجا ہو گئے جس سے 'نسیم شمال' میں ادب و تحقیق دونوں کا حسین امتزاج ملتا ہے۔ ان کے مطالعے کا دائرہ آسائشیں نہیں بلکہ بڑے کتب خانوں کی حدود میں سے دور تک پھیلا ہوا ہے۔ انہوں نے اس تحقیق میں دربھنگہ، بھاگلپور اور پٹنہ کے اہم خانقاہی اور نجی کتاب خانوں کا دورہ کر کے ان میں محفوظ شدہ مخطوطات کو نہ صرف دیکھا بلکہ ان سے فائدہ اٹھایا۔

کتاب کا اسلوب سادہ ہے مگر اس سادگی میں ایک ایسا مادہ پایا جاتا ہے جو پورے متن کو زندہ رکھتا ہے۔ شاداں فاروقی نے ادبی چاشنی کو برقرار رکھا مگر مبالغہ آرائی سے گریز بھی کیا۔ انہوں نے بزرگوں کے حالاتِ زندگی کو اس انداز میں نقل کیا کہ قاری کو محسوس ہوتا ہے جیسے وہ خود اس بزرگ کی صحبت میں بیٹھا ہوا ہے۔ کہیں کہیں جہاں کرامات کا تذکرہ آیا، وہاں کرامات کے واقعات کو بلاواسطہ روایات کی صورت میں بیان کیا تا کہ تاریخ

سے قطعِ نظر ایک روحانی تصویر قاری کے سامنے آجائے۔ ان کرامات میں جادوئی مظاہر کا ذکر نہیں بلکہ روحانی کسوٹی پر کھرے اترے ہوئے افعال نظر آتے ہیں۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ صوفیائے کرام کے نزدیک کرامات کا مقصد دنیاوی فوائد حاصل کرنا نہیں تھا بلکہ بندگی کے عروج کا ایک ذریعہ ہوا کرتا تھا۔

کتاب کا ایک قابلِ ذکر پہلو مصنف کی تحقیقی نزاکتوں کو برتنا ہے۔ وہ تقریباً ہر مشاہرہ اور تذکرہ میں ماخذ کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ شیخ الکتب کا اندازِ عمل ہے کہ جب بھی کوئی قول یا واقعہ درج کیا جائے، تو اس کے ماخذ کو روشن کیا جائے تا کہ جو قاری آگے چل کر تحقیق کرنا چاہے، وہ آسانی سے اصل دستاویز تک پہنچ سکے۔ اس اعتبار سے 'نسیم شمال' نہ صرف ایک تذکرے کی حیثیت رکھتی ہے بلکہ تحقیقی کار کے لیے ایک مآخذ نامہ کی مانند بھی ہے۔ ہر فیصلے اور ہر قول کے ساتھ مصنف نے حوالہ جات درج کیے ہیں، جن میں 'آثارِ پھلواری'، 'تجلیاتِ انوار' کے مخطوطے، علامہ راغب الطباخ کی کتاب 'تاریخ افکار و علوم اسلامی' اور دیگر علمی کتب و رسائل شامل ہیں جن سے انہوں نے فائدہ اٹھایا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف نے تقریباً دو دہائی قبل تصنیف شروع کرنے کے بعد چھان بین کا سلسلہ مسلسل جاری رکھا اور اپنی تحریر کو ممکن حد تک مستند رکھا۔

'نسیم شمال' کے مطالعہ کے بعد ایک بات واضح ہوتی ہے کہ شمالی بہار کے تمام مشائخ کرام نے اتحادِ وطن، جذبۂ محبتِ اسلام اور خدمتِ خلق کو اپنا نصب العین بنایا۔ چاہے وہ سلسلۂ نقشبندیہ کے بڑے بزرگ ہوں یا قادریہ کے جلیل القدر مشائخ، ہر ایک نے تصوف کو ایک مکمل نظام کے طور پر ہر شے کی تہہ میں رچایا۔ انہوں نے مولویانہ علوم کے ساتھ ساتھ دیہی معاشرت کی رہنمائی بھی کی۔ مصنف نے مصنفانہ دیانتداری کے ساتھ بتایا ہے کہ کچھ مشائخ ایسی روایت کے حامل بھی تھے جن کا تعلق فقہ اور حدیث کی دنیا سے کم لیکن ان کا عشقِ الٰہی اتنا نرم تھا کہ لوگ ان کی مجلس سے مستفیض ہوتے رہے۔ اس کا مظہر وہ واقعات ہیں جہاں مشائخ نے بھوک کا شکار لوگوں کو نان و نفقہ فراہم کیا اور ان کے لیے خود اپنی زندگی کو وقف کر دیا۔ یہ تمام واقعات درحقیقت تصوف کا وہ عملی چہرہ ہیں جہاں مخلوق سے محبت اور اللہ سے محبت ایک ساتھ مل کر انسان کو بلندیوں تک لے جاتی ہے۔ مصنف نے اس توازن کا خیال رکھا کہ جو واقعات روحانی اعتبار سے نمایاں ہیں، انہیں ادب و تحقیق کے اصول کے مطابق پرکھا جائے۔ اگر کوئی حرف رازِ درون میں چھپا ہو تو اسے کنج و سر کے دائرے میں ہی رہنے دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب میں کوئی ایسی تفصیل نہیں جو روحانی سلسلے کی نجی حیثیت کو مجروح کرتی ہو۔ شاداں فاروقی نے نہ تو تصوف کو راز کشا بنایا اور نہ ہی صرف عمومی تعریف پیش کر کے مطلب پورا کیا، بلکہ مروّجہ اصول و ضوابط اور ہر سلسلے کے محدود دائرے کی وضاحت بھی پیش کی تا کہ قاری کو اندازہ ہو کہ کسی مرید کو کون سے حدود میں رہنا چاہیے اور کس مقام پر کیسا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ علاوہ ازیں، 'نسیم شمال' کا ایک عظیم کام یہ بھی ہے کہ اس نے شمالی بہار کے غریب و ناخواندہ عوام کو بھی اپنی جانب کھینچا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کتاب محض اہل علم کے لیے مخصوص نہیں بلکہ ایک عام مومن کو بھی روحانی تربیت کے حوالے سے آگاہ کرتی ہے۔ اکثر لوگ سلسلے وار مطالعہ نہیں کر سکتے، مگر شاداں فاروقی نے اپنی زبان کو ایسا عام فہم رکھا کہ ایک گاؤں کا طالبِ علم بھی اس میں چھپی رہنمائی کو سمجھ سکتا ہے اور اپنی زندگی میں اعمال کی خوبی پیدا کر سکتا ہے۔ اس طرح 'نسیم شمال' ایک تربیتی کتاب کی حیثیت بھی رکھتی ہے جہاں ہر صفحے پر عملی تصوف کا ایک پہلو موجود ہے۔

تصوف کے مخالف حلقے یا وہ لوگ جو اس کو بدعت سمجھتے ہیں، ہمیشہ ایک دلیل کے پیچھے چھپ جاتے ہیں کہ صوفیا نے جدت پسندی کے تحت وہ کام کیے جو شریعت سے مطابقت نہیں رکھتے۔ لیکن شاداں فاروقی نے کتاب کے ذریعے یہ بات واضح کر دی کہ ابتدائے اسلام میں تصوف کا منظم تذکرہ شاید نہ ہوتا تھا، لیکن عملی طور پر ہر مومن نے وہی فعل کیا جو تصوف کا بنیادی عنصر ہے۔ مثلاً: ریاضت و انابت، انس و تعلقِ باطن، اور کثرتِ عمل سے نفس کی تطہیر۔ بعد ازاں جب اس کی صورتِ منظم ورتش قیود متعین ہوئی اور اصطلاحات بنیں تو اس میں اضافے ہوئے۔ مگر قرونِ اولیٰ میں تصوف کی اصل روح رکھنے والے بزرگوں نے وہی عمل کیا جسے آج ہم تصوف کہتے ہیں۔ اس نقطے پر مصنف نے متواتر تا کید کی ہے تا کہ قاری کو معلوم ہو کہ تصوف کا جو اصل مادہ ہے،

وہ ہرگز شریعت کے خلاف نہیں۔ 'نسیم شمال' تصوف کی بنیادوں کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے فکری وعملی مضمرات کو بھی جاننے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ اس سے کچھ زیادہ ہی منفرد یہ ہے کہ مصنف نے شمالی بہار کے کثیر الجماعتی صوفی وسلاسل فکر کو یکجا کیا ہے۔ بجائے اس کے کہ صرف ایک سلسلے پر توجہ دی جائے، انہوں نے ہر سوسلسلے کو شامل کر کے ایک جامع نقشہ کھینچا ہے۔ نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ اور دیگر سلسلے اپنی جگہ معلوم ہوتے ہیں اور ان کا تقابل قاری کے سامنے ایک منظر نامہ پیش کرتا ہے جسے دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ شمالی بہار میں تصوف کا منصہ کتنا وسیع تھا اور وہ لوگوں کے دلوں میں کس طرح بستا تھا۔

کتاب کے کئی مقامات پر آپ کو شمالی بہار کے مشائخ کے ہمت انگیز واقعات ملیں گے جہاں کسی بزرگ نے ناداروں کو رزق پہنچایا، کسی نے بیمار دلوں کو شفاء دی، کسی نے بندگی کی اعلیٰ مثال قائم کی، اور کسی نے اپنے خطبات سے لوگوں کو قرآن و سنت کی طرف رجوع کرایا۔ یہ سارے واقعات کسی قصہ شہر نہیں بلکہ تاریخی دستاویزات اور مخطوطات سے مستند ہیں۔ اس اعتبار سے مصنف نے اس روایت کو ہمیشہ برقرار رکھا ہے کہ کرامات و معجزات کا ذکر اگر ضروری ہو تو اسے ایسی صورت میں پیش کیا جائے کہ قاری اعتقاد اور عقل کے درمیان توازن کو برقرار رکھے۔ یوں یہ کتاب ان تحریروں کے برعکس ہے جو صرف کرامات کے شعبدوں پر مشتمل ہو کر تصوف کی اصل روح کو پوشیدہ کر دیتی ہیں۔ کتاب کے موضوع کی مناسبت سے تحقیق کا تقاضا تھا کہ ہر وہ بزرگ جس نے شمالی بہار میں تصوف کو پروان چڑھایا، اس کا ذکر ہونا چاہیے۔ اس تقاضے کو برتتے ہوئے کتاب میں بہت ساری سوانح حیات کا احاطہ شعوری طور پر کیا گیا ہے۔ عموماً صوفیائے کرام کے حالاتِ زندگی مشہور نہیں ہوتے یا کسی ایک خطے تک محدود ہوتے ہیں، مگر شاداں فاروقی نے اردگرد کے تمام صوفیا کو یکجا کر کے انفرادی حیرت انگیز واقعات کو عوام کے سامنے پیش کیا۔ اس کو ایک کتاب کی حیثیت سے دیکھا جائے تو یہ ایک جغرافیائی اور روحانی سفرنامہ بھی ثابت ہوتا ہے جس کی زبانی آپ شمالی بہار کے ہر گوشے میں بکھرے ہوئے خانقاہی ماحول کا نقشہ دیکھ سکتے ہیں۔ مزید یہ کہ مصنف نے ہر واقعے اور کردار کی حقیقت پسندی برقرار رکھی ہے۔ یہ وہ خوبی ہے جو ایک معتبر تذکرہ نگار کو میدانِ تحقیق کے صف اول میں مقام عطا کرتی ہے۔ کسی بھی روحانی واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے وہ اس کے صرف روحانی و تجریدی معنیٰ تک محدود نہیں رہتے بلکہ اس واقعہ کے معاشرتی اور فکری اثرات کو بھی روشنی میں لاتے ہیں۔ اس پورے تناظر میں 'نسیم شمال' کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے شمالی بہار کے بکھرے ہوئے روحانی مکتبوں کو ایک منطقی ڈھانچے میں یکجا کیا۔ لاکھوں روحانی مسافروں نے شاید ان مشائخ کرام کے بچوں اور عظیم خدمات کے تذکرے کو سن رکھا ہو، مگر شاداں فاروقی نے انہیں ایک صفحۂ قرطاس پر لایا تا کہ ہر علاقے کے لوگ اپنے بزرگوں کی سرگزشت سے آشنا ہوں۔ یہ عمل تحقیق کا ایک نمونہ ہے جو آج کل بہت کم نظر آتا ہے، کیونکہ زیادہ تر مصنّفین صرف کسی ایک سلسلے کی ترویج میں لگے رہتے ہیں جبکہ شاداں فاروقی نے تمام سلسلوں کو یکساں اہمیت دی اور ان کے وقار کو برابری کی سطح پر پیش کیا۔

آخر میں یہ کہنا بجا ہوگا کہ 'نسیم شمال' کا علمی و روحانی دائرہ بہت وسیع ہے۔ یہ کتاب شمالی بہار کے ہر دیہات، ہر خانقاہ اور ہر درگاہ کی لائبریری میں رکھی جانی چاہیے جہاں لوگ روحانیت کی پیاس بجھانے آتے ہیں۔ آج کے اس مادی دور میں اگر کوئی حقیقتاً روحانی رہنمائی چاہتا ہے تو اسے 'نسیم شمال' جیسی تصنیف سے ضرور فیض اٹھانا چاہیے۔ اس کتاب میں شامل واقعات، حالاتِ زندگی اور کرامات بذاتِ خود ایک مکمل روحانی درسگاہ ہیں جو قاری کو اس راہِ سلوک پر چلنے کے لیے روشنی فراہم کرتی ہیں۔ یوں شاداں فاروقی نے تصوف پر مبنی اس کتاب میں نہ صرف شمالی بہار کے صوفیا کو ایک قابل قدر دستاویز میں جمع کر دیا ہے بلکہ شرائط وضوابط کے ساتھ ایک ایسا درست نقشہ پیش کیا کہ آئندہ نسلوں کو معلوم ہو کہ کیا چیز تصوف ہے اور اس کی اصل روح کیا ہے۔ اس کی بدولت روحانی ورثہ شمالی بہار میں نسل در نسل منتقل ہوتی رہے گی اور روحانی طالبین کا چراغ جلاتی رہے گی۔

☆ مبصر کا پتہ: اسسٹنٹ ایڈیٹر، پبلی کیشن ڈویژن،
این سی ای آر ٹی، شری اروبندو مارگ، نئی دہلی۔
موبائل: 8539054888

□□□

نقد و تبصرہ

تحقیق وتدریس قرآن

(معروف علما اور اداروں کا مطالعہ)

مصنف: پروفیسر ڈاکٹر ضیاء الدین احمد

تبصرہ: شفیق الرحمٰن☆

زیر نظر کتاب 'تحقیق وتدریس قرآن' پیش لفظ اور دیباچہ کو چھوڑ کر من جملہ 16 مضامین پر مشتمل ہے۔ پیش لفظ پروفیسر ڈاکٹر عبدالرحیم قدوائی نے لکھا ہے جبکہ دیباچہ صاحبِ تصنیف کا تحریر کردہ ہے۔ انتساب ایک بزرگ ڈاکٹر سید ضیاء الہدیٰ صاحب (نوراللہ مرقدہ) کے نام ہے۔

نام سے ہی یہ امر واضح ہوتا ہے کہ اس میں تحقیق، تدریس اور قرآن سے بحث کی گئی ہوگی اور اس کے تمام گوشوں اور پہلوؤں (قریب ودور) پر غور وفکر کا نچوڑ پیش کیا گیا ہوگا۔ تقاضا بھی یہی تھا مگر ان امور پر یہاں کوئی مفصل تو کیا مختصر بحث بھی نہیں کی گئی ہے۔ قرآن کسی ایک گروہ انسانی کی میراث نہیں ہے بلکہ یہ ایک عالمی ورثہ ہے لہٰذا یہ ہر کسی کا سروکار ہے۔ اس کا کینوس اتنا وسیع ہے کہ کائنات تو کائنات ماورائے کائنات بھی اس کے اندر سمایا ہوا ہے، موضوع کی وسعت کا اندازہ بھی اسی سے لگایا جا سکتا ہے۔ اس نے کائنات، ماورائے کائنات، حیات، ماقبل ومابعد حیات، خلق، ازل، ابد غرضیکہ بے شمار امور سے بحث کی ہے، جن کا احاطہ محال ہے۔ اسی لیے ہر قسم کے اذواق کے لیے اس میں کشش پائی جاتی ہے۔

اس کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ اس میں کون، مکان، لامکاں سب شامل ہیں یہ گویا تکوینی پہلو ہے۔ اس کا ایک دوسرا پہلو تشریعی ہے جو یہ بتاتا ہے کہ اس کی حیثیت ہادی ورہنما کی ہے

صفحات: 362 قیمت: -/600 اشاعت: فروری 2025
ناشر: پروفیسر خلیق احمد نظامی مرکز علوم القرآن،
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔ (اتر پردیش)
Mobile: 9927206518

جو مطلق ہے مشروط یا محدود نہیں ہے۔ یہ عالمی منشور کائناتی رنگ لیے ہوئے ہے، گویا اس کا اطلاق پوری کائنات پر ہوتا ہے۔ اس کے لیے تفہیم درکار ہے۔ اس طرح فی الواقع تین مراحل ہیں، تفہیم، تحقیق اور تدریس۔ کسی چیز کی سمجھ کے لیے اس شئے کی معرفت ضروری ہے کیونکہ اسی طرح معنی ومفہوم کی تعیین ممکن ہے۔ اس کے لیے تلاش وجستجو یعنی تحقیق کی ضرورت پیش آتی ہے۔ ابلاغ یعنی تدریس کا عمل اسی طرح انجام پا سکتا ہے۔ جس طرح حرکت کے لیے محرک کا ہونا ضروری ہے ٹھیک اسی طرح خلق/تخلیق کے لیے خالق کا ہونا لازمی ہے۔ اس کو ایک شرط لازم تسلیم کیے بغیر کوئی بھی گتھی سلجھائی نہیں جا سکتی۔

قرآن کی تفہیم، تحقیق اور تدریس ایک منصبی ذمے داری ہے، انفرادی بھی اور اجتماعی بھی:

هوالذی بعث فی الأمیین رسولاً منهم یتلوا علیهم آیاته ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة وان کانوا من قبللفی ضلال مبین (الجمعہ:۲)

ربنا وابعث فیهم رسولاً منهم یتلوا علیهم آیتك ویعلمهم الکتاب والحکمة ویزکیهم انك انت العزیز الحکیم (البقرہ:۱۲۹)

کنتم خیر امة أخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنکر (آل عمران:۱۱۰)

ابتداءً فرد ہی اس کا سرچشمہ رہا، اس کی حیثیت ایک تعلیم گاہ کی بن گئی لیکن ایک دور وہ بھی آیا کہ اس نے institutionalize انداز اختیار کر لیا۔

اس کتاب کے مشمولات پر ایک نظر ڈالنے سے اس کے مباحث کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

۱) قرآنیات میں بعض مستشرقین کے افکار کا محاکمہ
۲) تفہیم القرآن عصر حاضر کا شاہکار کارنامہ
۳) مولانا جلیل احسن ندوی کی قرآنی بصیرت
۴) مولانا محمد فاروق خان کی قرآنی خدمات
۵) تفسیر ماجدی کا خصوصی مطالعہ

۶) Tafsir ul Quran کا تجزیاتی مطالعہ
۷) مذاہب کے ساتھ فکری و عملی تعاون
۸) بین المذاھب مکالمہ: ایک تمدنی ضرورت
۹) شاہ ولی اللہ: خدمت قرآن اور اثرات
۱۰) پروفیسر محمد یاسین مظہر صدیقی کی خدمات قرآنی
۱۱) قرآن کا فلسفۂ عروج وزوال
۱۲) معاصر فہم قرآن مسائل اور حل
۱۳) جامعۃ الفلاح میں تدریس قرآن کا طریقۂ کار
۱۴) جامعۃ الفلاح: مثالی نصاب کے چند امتیازات
۱۵) جامعۃ الفلاح کی قرآنی خدمات
۱۶) جامعۃ الصالحات، رامپور میں قرآن کی تدریس

مصنف مذکور نے سرسید کے نظریات کا محاکمہ کرتے ہوئے جرأت و بے باکی کا مظاہرہ کیا ہے۔ ہمارے یہاں ایک رجحان قدیم زمانے سے یہ چلا آرہا ہے کہ بعض تجزیاتی مطالعات کو بہ وجوہ نظرانداز کرنے کی شعوری کوشش کی جاتی ہے۔ حالاں کہ علمی دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ موضوع زیر بحث پر جو بھی علمی کام اس وقت تک ہوا ہو اس کا احاطہ کیا جانا چاہئے۔ سرسید کے حوالے سے شدت سے اس کا احساس ہوا۔ اسی طرح علم استشراق کے سلسلے میں بھی یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ مشرقیات کے ہر اس مطالعے کو ایک خانے میں ڈال دیا جاتا ہے اور اس پر خلاف اسلام کا لیبل چسپاں کر دیا جاتا ہے۔ کیا اس موقع پر ذرا دیر ٹھہر کر

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ (المائدہ:۸۲)

پر غور کرلیا جائے۔

تکثیری سماج کا معاملہ بھی غور طلب ہے۔

ان الدین عند اللہ الاسلام اور لیظھرہ علی الدین کلہ کا کیا مفہوم اور تقاضا ہے۔

کیا انسانی سماج ہمیشہ polylithic رہا ہے یا ابتداءً Monolithic تھا؟ کیا تکثیریت ایک مستقل چیز ہے اور مطلوب و مقصود اور مقبول ہے؟

کتاب تزئین و آرائش کے لحاظ سے دیدہ زیب ہے، طباعت بھی عمدہ ہے۔ لیکن کتابت کے لحاظ سے کئی خامیاں ہیں، متعدد مقامات پر تذکیر و تانیث کی غلطیاں ہیں (جیسے تدوین وتیاری کی درمیان × کے درمیان ✓ ص ۱۳، قرآن کے روح × کی روح ✓)۔ پروف کی غلطیاں بھی ہیں (جیسے اس مجموعہ کو × مجموعہ ✓ ص ۱۵)، ان پر وحی نال × نازل ✓ ص ۲۹، اسرار وموز × رموز ✓ ص ۱۷) وغیرہ۔ ناموں میں بھی غلطیاں ہیں (جیسے جوزف شناخت × شاخت ✓ ص ۲۵)، واوین اور قوسین کے استعمال میں چوک، بعض مقامات پر یہ پتہ ہی نہیں چلتا ہے کہ وہ عبارت یا اقتباس جو حوالے کے طور پر نقل کیا گیا ہے وہاں کہاں سے شروع ہوتا ہے اور کہاں ختم ہوتا ہے (جیسے ص ۱۴۰ اور ص ۱۴۵)، فصل بین الألفاظ (جیسے ص ۱۵۷)۔ یہ چند مثالیں ہیں، مکمل فہرست نہیں ہے، امید ہے اگلے ایڈیشن میں ان کی تکرار نہیں ہوگی۔

کتاب میں مجوعہ چھپا ہے۔
مولانا مودودی (۱۹۰۳ء تا ۱۹۷۹ء)
ص: ۲۵۷

☆ مبصر سے رابطہ: سابق ایڈیٹر دعوت، سہ روزہ، نئی دہلی۔
Mobile: 7011787599

❑❑❑

حیدرآباد میں 'اردو بک ریویو' ملنے کا پتہ
Huda Book Distributors
455, Purani Haveli
HYDERABAD - 500002 (T.S.)
Mobile: 9849330850

اعظم گڑھ میں 'اردو بک ریویو' ملنے کا پتہ
Jb. Aqeel Ahmad Azmi
Al Badar Book Centre
Mahajani Tola, Saraimir
AZAMGARH - 276305 (U.P)
Mobile: 9839591434

ناجنس اوراسلام

انحرافی جنسی رویوں (+LGBTQIA) کا نفسی معاشرتی بیانیہ

مصنف: ڈاکٹرمحمدرضوان

تبصرہ: محمدعارف اقبال

زیرنظر کتاب 'ناجنس اوراسلام' اپنے موضوع پراردو میں ایک عمدہ تحقیقی مقالہ ہے جسے کتابی صورت عطا کی گئی ہے۔ اس کتاب کا 'مقدمہ' سیّد سعادت اللہ حسینی کے قلم سے ہے جو اس وقت جماعت اسلامی ہند کے امیر (President) اور موصوف خود بھی کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی قیادت میں جماعت اسلامی ہند کا سفر جدید تقاضوں اور نئے جوش وولولہ کے ساتھ جاری ہے۔

کتاب کے مصنف ڈاکٹرمحمد رضوان نے بائیوکیمسٹری میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے۔ انہوں نے پوسٹ ڈاکٹورل سائنٹسٹ کی حیثیت سے ملک کے مؤقرترین ادارے Centre for DNA Fingerprinting and Diagnostics, (CDFD) Hyderabad میں خدمات انجام دی ہیں۔ انہوں نے بیرون ملک کی چند یونیورسٹیز میں تقریباً ایک دہائی تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ موصوف ان دنوں سنٹر فار اسٹڈیز اینڈ ریسرچ، نئی دہلی کے ڈائرکٹر کے عہدے پر فائز ہیں۔ علم حیاتیات اور جینیاتی سائنس پر ان کی دو کتابیں طلبا میں مقبول ہیں۔ ان کی ایک کتاب 'سائنس، سائنس پرستی اوراسلام' ہے۔

کتاب میں سیّد سعادت اللہ حسینی کا 'مقدمہ' اس لحاظ سے بے حد اہم ہے کہ انہوں نے جدید انحرافی جنسی رویوں کا تجزیہ کرتے ہوئے قرآن مجید اور اقوالِ رسول (ﷺ) کی روشنی میں اپنی رائے دینے کی کوشش کی ہے۔ ان کی نگاہ میں ''قانون اور اخلاق کے بغیر انسانی سماج کا تصور ممکن نہیں ہے۔'' اپنے مقدمہ کے آخر میں سیّد سعادت اللہ حسینی نے مصنف کے بیان کردہ انحرافی رویوں کی تین سطحوں کا ذکر کرتے ہوئے واضح طور پر لکھا ہے کہ ''... غیرفطری رجحان کے ساتھ اپنی شناخت وابستہ کرلینا، غیر فطری جنسی عمل اور اس پر اصرار کرنا، اس پر کسی شرمندگی کے بجائے فخر کرنا، اسے حق سمجھنا اور باور کرانا، علانیہ اس سے وابستگی کا اعلان واظہار کرنا، اس کے حق میں تحریکیں چلانا۔ قوم لوط کا جرم اسی تیسری سطح کا جرم تھا اور آج مغربی دنیا کی اکثریت بھی اسی جرم کا ارتکاب کررہی ہے۔'' (ص:18)

اس کتاب میں جسے 'ناجنس' کہا گیا ہے ہندوستانی سماج میں صدیوں قبل اس کی شناخت 'ہجڑا یا خواجہ سرا' کے طور پر ہوتی تھی۔ اس کا تاریخی پس منظر کیا ہے فی الحال یہ موضوع نہیں ہے لیکن 'ہجڑہ' کے لیے 'خواجہ سرا' کی اصطلاح پڑھنے اور سننے کو ملتی ہے تو کان کھڑے ہوجاتے ہیں۔ لغت میں 'خواجہ' سادات کے لقب کے طور پر بھی استعمال ہوا ہے۔ مختلف قدرتی امراض کی طرح ایک مرض نامردی (Impotency) بھی ہوتا ہے۔ لیکن اس کا تناسب کسی بھی دور میں صفر ہی رہا ہے۔ البتہ فعل قوم لوط کے طرز پر 'اَمرد پرستی' کو ہوا دینے کی کوشش ضرور کی گئی۔ حتیٰ کہ 'اردو ادب' بھی اس کے قصے سے داغ دار ہوا۔ داستانوی ادب میں لیلہ مجنوں اور ہیر رانجھا وغیرہ کے سراغ ملتے ہیں لیکن تیسری جنس یا ناجنس کی عشقیہ داستان نہیں ملتی۔ 'اَمرد پرستی' کو سماج میں ہمیشہ غلط تصور کیا گیا۔ انگریزی دور حکومت میں 'ہم جنس پرستی' (Homosexuality) کے خلاف 1860 میں انڈین پینل کوڈ (IPC) کی دفعہ 377 کا نفاذ عمل میں آیا تا کہ سماج ہم جنس پرستی سے محفوظ رہے۔ ہم جنس پرستی کو جرم قرار دیا گیا اور اس جرم کے مرتکب کو 'عمر قید' تک کی سزا دی جاسکتی تھی۔ اس جرم میں Carnal Intercouse یعنی اغلام بازی کا خاص طور سے ذکر کیا گیا تھا۔ جانوروں سے کسی انسان کا غیر فطری جنسی عمل بھی اسی زمرے میں آتا تھا۔ اس قانون کے خلاف پہلی بار ناز فاؤنڈیشن نامی این جی او نے سال 2001 میں ہائی کورٹ سے رجوع کیا تھا لیکن اسے واضح طور پر کامیابی

صفحات: 288 قیمت:-/200 اشاعت: اپریل 2025

ISBN 978-93-48478-03-0

ناشر: مرکزی مکتبہ اسلامیہ پبلشرز، D-307 دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی-110025

Mobile: 7290092401

نہیں ملی۔ بدقسمتی سے 6 ستمبر 2018 کو سپریم کورٹ نے دفعہ 377 کو غیر آئینی قرار دیتے ہوئے ملک میں +LGBTQIA کی راہ ہموار کردی تھی۔ اس وقت ناز فاؤنڈیشن نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ ملک میں 25 لاکھ لوگ ہم جنس پرست ہیں۔ ڈاکٹر محمد رضوان نے بھی اس کتاب میں لکھا ہے کہ ہندوستان میں 'A Suitable Boy' نامی ناول کے مشہور و معروف مصنف وِکرم سیٹھ علی الاعلان ہم جنس پرست ہیں۔ (ص:23)

'ناجنس اور اسلام' آٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔ ابواب کے جلی عنوانات اس طرح ہیں: جدید تصوراتِ جنس، جدید تصوراتِ جنس کا ارتقا اور فلسفیانہ بنیادیں، +LGBTQIA اور سائنسی بیانیہ، +LGBTQIA کا نفسی معاشرتی ڈسکورس، +LGBTQIA اور ادارہ نکاح، +LGBTQIA اور شناخت کا بیانیہ، +LGBTQIA ڈسکورس اور مذاہب سے تقابل، +LGBTQIA اور اسلامی نقطۂ نظر۔

مصنف نے اپنی کتاب میں جس جدید انحرافی جنسی اصطلاح کو بنیادی موضوع بنایا ہے دراصل یہ چند الفاظ کا acronym (سرنامیہ) ہے۔ تفہیم عام کے لیے عرض ہے کہ یہاں 'L' سے مراد Lesbian (عورت کا عورت سے جنسی اختلاط) ہے۔ 'G' سے مراد Gay یعنی مرد کا مرد سے جنسی اختلاط۔ 'B' سے مراد Bisexual یعنی ایک شخص میں عورت اور مرد دونوں سے جنسی اختلاط کا رجحان۔ 'T' سے مراد Transgender یعنی ہجڑہ۔ 'Q' سے مراد Queer ہے۔ یہ اصطلاح ایک چھتری (Umberlla Term) ہے جس کا مفہوم ہے وہ افراد جو خود کو مرد یا عورت جنس سے جوڑنا پسند نہیں کرتے۔ 'I' سے مراد Intersex یعنی مردانہ اور زنانہ دونوں خصوصیات کے حامل افراد۔ 'A' سے مراد ہے Asexual یعنی وہ شخص جو جنسی کشش سے عاری ہوتا ہے۔ آخر میں (+) سے مراد وہ تمام جنس زدہ افراد ہیں جن کا شمار اس acronym میں نہیں ہے۔

دنیا کے بیشتر مغربی ممالک میں +LGBTQIA کے ہزاروں، لاکھوں نہیں بلکہ اب کروڑوں حمایتی نظر آتے ہیں، جو اپنی شناخت قائم کرنے کے لیے کسی حد تک بھی جاسکتے ہیں۔ یہ گروہ ایلیٹ (elite) طبقے سے اٹھا ہے، اسے دنیا کے ملکوں کی سرپرستی بھی حاصل ہورہی ہے۔ یہ گروہ عوام پر بھی اپنے اثرات مرتب کرنے کی انتھک کوشش کررہا ہے۔ مذکورہ سطور میں ملک میں دفعہ 377 کی جو مثال دی گئی ہے اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ سپریم کورٹ درست اور آئینی دفعہ 377 کو کس طرح یک لخت کالعدم قرار دے کر 'ہم جنس پرستی' کے حقوق کی پاسداری کرتا ہے۔ درخواست گزاروں نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ 'دفعہ 377' کا اب تک قانون میں برقرار رہنا 'شرمناک' ہے۔ جب اس روایت پسند مشرقی ملک کی عدالت عظمیٰ کا یہ حال ہے تو بین الاقوامی 'سرمایہ داروں' کی دنیا پرستی اور آخرت بیزار جنس زدہ لوگوں کے انحرافی رویے کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔ ایک خبر یہ بھی ہے کہ یورپ بالخصوص انگلینڈ میں ہم جنس پرست کا ایک گروہ اسلام پسند ہے۔ مرد اور عورت ایک ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ امامت کا فریضہ کوئی عورت انجام دیتی ہے۔

اپنے موضوع پر اردو میں شاید پہلی کتاب ہے۔ مصنف نے جدید جنسی انحراف کے گمراہ کن خیالات کو بڑے تحقیقی اور مدلل انداز سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کتاب کا بنیادی مقصد نئی نسل کو انحرافی جنسی رویوں کے فتنے سے آگاہ کرنا ہے۔ واضح ہو کہ قرآن مجید کے مطابق لوط (علیہ السلام) کی قوم کو جس جرم کی پاداش میں نیست و نابود کردیا گیا، اس وقت عالمی سطح پر اللہ رب العزت کا باغی گروہ (+LGBTQIA) قوم لوط سے کہیں زیادہ سنگین جرم میں مبتلا اور اپنے برے انجام سے بے خبر ہے۔ مصنف نے متنبہ کیا ہے کہ انحرافی جنسی رویوں کا مسئلہ عالمی سطح پر خطرناک صورت اختیار کرتا جارہا ہے۔ مصنف کا کہنا ہے کہ اسلامی اقدار کے حامل مسلم ملکوں اور سماجوں نیز مشرقی روایات کے حامل ملکوں میں، جن میں ہمارا ملک بھی شامل ہے، اس طوفانِ بلاخیز کا حکمت اور سنجیدگی سے سامنا کرنا ہوگا۔ مصنف نے اپنی کتاب میں یہ تجویز دی ہے کہ علمی و تحقیقی سطح پر سنجیدہ کوششیں ہوں، سماجی سطح پر بہتر ماحول سازی کی کوششیں کی جائیں، افراد کی سطح پر ہمدردی کے ساتھ انہیں اس انحراف سے باہر نکالنے کی تدبیریں اختیار کی جائیں اور خداترسی اور پاکیزگی کو فروغ دیا جائے۔ (ص:286)

❑❑❑

دبستانِ نعت (کتابی سلسلہ 9)

مدیر: ڈاکٹر سراج احمد قادری

تبصرہ: عمیر کوٹی ندوی☆

'دبستانِ نعت' کی نسبت اس ذات اقدس سے ہے جو رحمۃ للعالمین ہے۔حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مقام ومرتبہ، نام و تذکرہ اورعظمت وشان کو اللہ تعالیٰ نے جو بلندی عطا کی وہ کسی اور کے حصہ میں نہ آسکی۔ آپؐ کی رفعتِ ذکر وشان کے تئیں اللہ کی گواہی اور قرآن میں' ورفعنا لک ذکرک' کی شکل میں اس شہادت کا تذکرہ مزید کی گنجائش نہیں رکھتا۔ آپؐ سے وابستگی، عقیدت وتعلق، محبت و وارفتگی اور اس کا اظہار ایمان کا تقاضہ ہے۔ اہل ایماں کو آپؐ پر درود بھیجنے، حد درجہ ادب واحترام کرنے، آواز اورلب ولہجہ کو ادب کے دائرے میں لانے کا بھی اللہ نے حکم دیا ہے۔سرکار دوعالم نے بھی مرضئ مولا سے یہ کہہ کر اپنی امت کو خبردار کردیا کہ''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کے نزدیک اس کے والدین اور اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں''۔ آپ کی عظمت وشانِ بلند پایہ کے سامنے شجر وحجر، زمین وآسمان، انس وجن، نباتات وجمادات، چرند وپرند، نار ونور کیا پوری کائنات آداب وتسلیمات بجالاتی ہے۔ وہ جو آپ پر ایمان نہیں رکھتے، آپ کی نبوت کے منکر ہیں، وہ بھی آپ کی شان کے قصیدہ خواں اور مدح سرائی میں رطب اللسان ہیں۔ ان کے اعترافات میں مذہبی کتب ہی نہیں، دنیا کے مختلف علوم وفنون کے ماہرین کی تقاریر وتحریروں کے دفتر کے دفتر بھرے پڑے ہیں۔زبان وادب کے جن مختلف اصناف میں انہوں نے آپؐ کی عظمت کو بیان کیا ہے، ان میں شاعری بھی شامل ہے۔ دنیا کی تمام چھوٹی بڑی زبانوں میں حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شان میں نعتیہ کلام کہا گیا ہے اور یہ سلسلہ دراز سے درازتر ہوتا جارہا ہے۔ اردو زبان کو بھی یہ شرف ووقار حاصل ہے کہ اس کا دامن بھی غیر مسلم نعت گو شعرا کے بلند پایہ کلام سے بھرا پڑا ہے۔ اردو کے اولین نقوش سے لے کر دور حاضر کے زہرناک ماحول کے باوجود شان اقدس سے غیر مسلم شعرا کی عقیدت میں چنداں کمی نہیں آئی ہے۔ اس موضوع پر بہت سے لوگوں نے قلم اٹھایا اور ان کے نعتیہ کلام اور اصحاب کلام کا احاطہ کرتے ہوئے اہم تحریریں، مضامین اور تصانیف چھوڑی ہیں۔

اہل ایماں کی تو بات ہی کیا، ان کی عقیدت، وارافتگی، جاں نثاری اور محبت دل وجاں میں پیوست ہے اور اس کا اظہار عمل کے علاوہ قول کی صورت میں نثر ونظم دونوں میں بحر بیکراں کی مانند امڈ امڈ کر آتا ہے۔طلوع اسلام سے جاری ہونے والا نعت نبوی کا دریا اپنے آب وتاب کے ساتھ پوری دنیا میں بہہ رہا ہے، اردو زبان بھی اس کے آب شیریں سے شرابور ہے۔

'دبستان نعت' نعت نبویؐ کے دریا سے اپنی پیاس بجھانے کی سعئ مستحسن اور ذات اقدسؐ سے اپنی عقیدت کا ایک حقیر سا ندرانہ ہے۔ڈاکٹر سراج احمد قادری کی ادارت میں شائع ہونے والا یہ کتابی سلسلہ سرکار دوعالم 'محمد' صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مشمولات کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔ اس کا آغاز 'شرف انتساب' سے ان الفاظ کے ساتھ ہوتا ہے کہ''گروہ صوفیا کے سرخیل، اودھی شاعری کے امام، ہندی ادب کے مایۂ ناز شاعر حضرت شیخ ملک محمد جائسی علیہ الرحمہ کے نام''۔ اداریہ میں وجہ انتساب کو بیان کرتے ہوئے مدیر لکھتے ہیں کہ''ہم نے اس شمارے کا انتساب ان کے نام کیوں کیا ہے اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ ہم نے 'دبستان نعت' کے پہلے شمارے کے اداریہ میں تحریر کیا تھا کہ 'اس مجلے کو پیش کرنے کا ہمارا بنیادی مقصد حمد و نعت کے فروغ وارتقا کے حوالے سے ادبا، شعرا اور محققین کی ان کاوشوں سے اہل علم کو روشناس کرانا ہے جو اب تک ناقدین ادب کی نگاہِ توجہ سے محروم رہی ہیں' یقیناً حضرت شیخ ملک محمد جائسی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت بھی ان ہی شعرا وادبا میں ایک ہے جنہوں نے اپنی پوری زندگی ادب کے فروغ کے لیے وقف کردی تھی''۔ اس کے بعد علاقائی زبانوں کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے بتایا کہ شاعر مذکور نے اودھی اور ہندی زبان میں بہت

صفحات: 584 قیمت:-/500 جنوری تا دسمبر 2024
پتہ: نعت ریسرچ سنٹر انڈیا، محلّہ بنجاریہ ویسٹ، خلیل آباد،
سنت کبیرنگر-272175 (یوپی) Mob: 9415875761

قیمتی سرمایہ چھوڑا ہے، ان کی مشہور مثنوی 'پدماوت' اس کی شاہد ہے جس کا پہلا باب حمد، نعت، فضائل ومناقب صحابہ اور مثنوی پر مشتمل ہے۔

کتابی سلسلہ 'دبستان نعت' 9 کو مختلف ابواب تمہید و تقدیس، تابش فکر ونظر، زاویۂ نگاہ، گلہائے عقیدت، ستائش نامے میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ان کے تحت پیش کردہ مضامین مختلف نوعیت اور مختلف پہلوؤں سے تعلق رکھتے ہیں۔ کچھ مضامین اردو زبان میں حمد ونعت گوئی کی روایت، تاریخ اور مختلف مقامات پر بطور خاص اس طرف توجہ دینے کے تذکرہ سے متعلق ہیں۔ اس سلسلہ میں اہم ترین مضمون ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد کا ہے جن کا تعلق اتر پردیش کے مردم خیز ضلع فتحپور سے ہے۔ راقم السطور کا تعلق بھی اسی ضلع کے علمی، تاریخی اور معروف قصبہ کوٹ سے ہے۔ ڈاکٹر اسماعیل آزاد نے 'حمد کا تعارف اور اس کی مختصر تاریخ' میں بڑی تفصیل سے حمد کی لغوی واصطلاحی تعریف، مختلف اقوام وملل کی قدیم روایات، عہد عتیق یعنی عہد ماقبل کی تاریخ، بابلی اور اشوری اقوام، قدیم یونان کے فلسفیوں مثلاً فیثاغورث، امپیڈوکلیز اور سقراط، اسی طرح روم کی روایات میں الوہی تصور اور حمد ومناجات کے نقوش کا ذکر کیا ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے ہندوستان کی قدیم مذہبی کتب کا بھی جائزہ لیا ہے اور بتایا ہے کہ رِگ وید، یجروید، اتھروید اور دیگر ہندوستانی مذاہب کی مذہبی کتب اور ان کی بڑی مذہبی شخصیات حمد وثنا میں رطب اللسان ہیں۔ اس کے علاوہ اس مضمون میں حمد کی اقسام اور اردو میں حمد ومناجات پر بھی بڑی تفصیل سے سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

اسی ضمن میں بہار میں اردو نعت کا آغاز وارتقا، نامورانِ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور نعتیہ شاعری کی روایت، ریاست تمل ناڈو کے نمائندہ نامی گرامی نعت گوشعرا، عثمانی سلاطین کی نعتیہ شاعری، بدایوں میں اردو نعت کا آغاز وارتقا اور چند ممتاز نعت گوشعرا، امروہہ میں نعت گوئی کی روایت، شاہجہاں پور کے چند نعت گوشعرا، نعت گوئی کی تاریخ کا تجزیاتی مطالعہ اور خود اس سالنامہ کے مدیر کا مضمون شاعری کے تنوعات اور اس میں نعت کی جمالیات بطور خاص بہت اہم ہیں۔ ان میں سبھی مضمون نگاروں نے بڑی تفصیل سے موضوع پر بحث کی ہے اور قیمتی معلومات فراہم کی ہیں۔ سوالنامہ میں شامل پروفیسر خواجہ اکرام الدین کا مضمون 'ہندو نعت گوشعرا کے کلام میں عشق رسولؐ' جو اردو میں غیر مسلم نعت گوشعرا کے بلند پایہ کلام کے جائزہ پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر شاہد احمد جمالی کا مضمون 'عرب کا چاند اور سوامی لکشمن مہاراج' غیر مسلم شخصیات کی سرکار دوعالم سے محبت اور ان کی علوم اسلامیہ سے آگاہی کو بیان کرتا ہے۔ ان کے علاوہ کوکبۂ کاروان ہجرت اور خیمۂ ام معبد، نعتیہ شاعری کے امام حضرت احمد رضا خاں بریلوی، سراپائے رحمۃ للعالمین اور سلام رضا، آصفِ سلطنتِ خدا داد خانہ زاد اور ان کا نعتیہ کلام، قاضی عبدالودود فردوسی کی شاعری، نعت کی قرأت، سفیر نعت علامہ عبدالرحمٰن جامی، ڈاکٹر محمد علی اثر، دیوان کافی کی تدوین وتصحیح متن، دیوان کافی ایک تجزیاتی مطالعہ، کتاب جاورہ میں نعت گوئی کی تاریخ سمیت سبھی مضامین قابلِ مطالعہ ہیں۔

سالنامہ میں گلہائے عقیدت کے باب میں مختلف ممتاز شعرا کی نعت پیش کی گئی ہیں جن میں کفایت علی کافی، عبدالعلیم صدیقی، شکیل بدایونی، مظفر وارثی، ریاض حسین چودھری، سراج اجملی، راہی فدائی، فاروق جائسی، ضیاء فاروقی سمیت تقریبا دو درجن شعرا کے نام شامل ہیں۔ ستائش نامے میں اردو اور انگلش میں تحریریں پیش کی گئی ہیں اور آخر میں نعت ریسرچ سینٹر انڈیا کی مطبوعات کی فہرست بھی پیش کی گئی ہے۔ سالنامہ اپنے مضامین، مواد کے اعتبار سے اہم اور مفید وقیمتی معلومات کا حامل ہے۔ ترتیب وانداز پیش کش خوب اور سرورق دیدہ زیب ہے۔

☆ مبصر کا پتہ: آئی 99، جیت پور پارٹ II، بدر پور،
نئی دہلی-110044 Mobile: 9718164334

□□□

اورنگ آباد میں 'اردو بک ریویو' ملنے کا پتہ

Maktaba Islami
Opp. Banneymiyan Dargah
Nizamuddin Chowk, Shahganj
AURANGABAD - 431001 (M.S.)
Mobile: 9370229494

اردو زبان کی تاریخ

(تیسرا اضافہ شدہ ایڈیشن)

مرتبہ: پروفیسر مرزا خلیل احمد بیگ

(Mobile: 6387415501)

تبصرہ: سہیل انجم☆

اردو زبان کی پیدائش اور اس کی نشو و نما کے بارے میں اکثر و بیشتر گفتگو ہوتی رہتی ہے اور علماء اردو ادب اس سلسلے میں اپنے نظریات پیش کرتے رہتے ہیں۔ کوئی اردو کی عمر زیادہ تو کوئی کم بتاتا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ اس کی پیدائش مغل حکمراں شاہ جہاں کے دور میں ہوئی۔ کوئی اس سے پہلے بتاتا ہے۔ کوئی اسے لشکری زبان بتاتا ہے، یعنی افواج میں مختلف اقوام کے افراد کی زبان کی آمیزش سے اردو کا جنم ہوا۔ بعض علما ادب اس نظریے کو رد کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ملک کے ایک طبقے کی طرف سے اردو کو معتوب کرنے کی بھی کوشش کی جاتی ہے۔ بعض ہندو تنظیمیں اور متعصب افراد اس کے خلاف میدان میں اترتی رہی ہیں۔ اردو مخالف حلقے اس پر بٹوارے کا الزام لگاتے اور اسے فرقہ پرستی کو بڑھاوا دینے والی زبان بتانے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ اردو کے نام پر فسادات بھی کرائے جا چکے ہیں۔ جب سے ملک میں ایک خاص نظریے کی حامل جماعت کی حکومت قائم ہوئی ہے اردو کے خلاف نفرت انگیزی میں اضافہ ہوا ہے۔ یہاں تک کہ اگر کسی موقر کمپنی نے اپنے اشتہار میں اردو الفاظ استعمال کرنے کی کوشش کی تو واویلا کیا گیا جس کے نتیجے میں کمپنی کو اپنا اشتہار واپس لینا یا مذکورہ لفظ کو بدلنا پڑا۔ ہندو مذہب کے تہواروں میں اگر اردو الفاظ استعمال کر لیے جائیں تو طوفان کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ اتر پردیش کے موجودہ وزیر اعلیٰ نے تو اردو کو کٹھ ملاؤں کی زبان قرار دے دیا اور کہہ دیا کہ اس کو پڑھ کر صرف مولوی پیدا ہوتے ہیں۔ جس پر زبردست ہنگامہ ہوا اور مثالوں سے ان کے دعوے کو رد کیا گیا۔ کچھ لوگ اس پر غیر ملکی زبان ہونے کا الزام بھی لگاتے ہیں۔ ملک کی چند ریاستوں میں اردو دوسری سرکاری زبان ہے لیکن اس میں نا کے برابر کام ہوتا ہے۔ تاہم اردو دشمن طاقتوں کو یہ بھی گوارا نہیں ہے کہ اسے دوسری سرکاری زبان کہا جائے۔ حکومت اتر پردیش نے 1989 میں یوپی راج بھاشا ایکٹ میں ترمیم کر کے اردو کو ریاست میں دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیا تھا۔ لیکن ایک تنظیم 'ہندی ساہتیہ سمّیلن' نے اس فیصلے کے خلاف الہ آباد ہائی کورٹ میں اپیل دائر کر دی۔ اس مقدمہ میں حکومت اور دیگر کو فریق بنایا گیا تھا۔ یہ معاملہ ہوتے ہوتے سپریم کورٹ کی پانچ رکنی آئینی بینچ تک جا پہنچا۔ 4 ستمبر 2014 کو اس وقت کے چیف جسٹس آر ایم لوڑھا کی سربراہی والی بنچ نے اپنے تاریخی فیصلے میں مقدمے کو خارج کرتے ہوئے کہا تھا کہ اردو نہ صرف اتر پردیش کی ریاست میں بلکہ دوسری ریاستوں میں بھی جہاں جہاں دوسری سرکاری زبان کا درجہ پا چکی ہے، وہاں وہاں یہ درجہ برقرار رہے گا۔ اسی طرح سپریم کورٹ کے جسٹس سدھانشو دھولیا اور جسٹس کے ونود چندرن پر مشتمل بینچ نے 15 اپریل 2025 کو اردو کے خلاف ایک مقدمہ خارج کیا اور اپنے طویل فیصلے میں اردو کو اسی ملک کی زبان قرار دیا۔ بینچ نے بہت سے تاریخی پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی۔ یہ مقدمہ مہاراشٹر کے ضلع اکولہ کی پاتور مینوسپل کونسل کی ایک سابق رکن مسز ورشا تائی زوجہ سنجے بگاڈے نے داخل کیا تھا۔ غرضیکہ اردو کے بارے میں وقتاً فوقتاً تنازعات پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی رہی۔ لیکن اردو کے دشمنوں کو ہمیشہ منہ کی کھانی پڑی ہے۔

پروفیسر گیان چند جین کی کتاب 'ایک بھاشا دو لکھاوٹ' سے تو زبردست طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کتاب میں اردو اور اردو والوں پر متعدد الزامات عاید کیے گئے تھے جن کی شدید گرفت شمس الرحمن فاروقی نے کی تھی۔ انہوں نے اسی وقت ایک طویل مضمون قلم بند کیا تھا جس میں ان کے الزامات کو سختی سے مسترد کیا تھا۔ انہوں نے پہلے پیراگراف ہی میں جین صاحب کی خوب خبر لی تھی۔ ان کے مطابق:

صفحات: 436 قیمت:-/550 اشاعت:2024
ISBN 978-93-6062-317-3
ناشر: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، D1/16 انصاری روڈ،
دریا گنج، نئی دہلی-110002 فون:011-41418204

''ہمارے نامور دوست، بزرگ محقق، مورخِ ادب، شاعر اور بزعم خود ماہر لسانیات پروفیسر گیان چند جین نے تاحیات اردو زبان وادب کی تدریس اور خدمت کی ہے۔ ان کی کئی کتابوں کے بارے میں بے خوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ اردو ادب کی تاریخ میں ان کی جگہ مدت مدید تک قائم رہے گی۔ تصنیف وتعلیم کے اس محترم اشرافی پیشے سے انہوں نے نام اور عزت بھی خوب کمائی ہے۔ اب وہ عمر کی آخری منزلیں طے کر رہے ہیں اور انہیں شاید یہ خیال آرہا ہے کہ ساری عمر اردو پڑھ پڑھا کر انہوں نے کوئی گناہ کیا ہے اور اب اس کا پرائشچت یوں کیا جانا چاہیے کہ اردو کو اور اس کے بولنے والوں کو لسانی تنگ نظری، سماجی استحصال، سیاسی علاحدگی پسندگی اور بالآخر پاکستان نوازی کے جرائم کا مرتکب ٹھہرایا جائے۔''

پروفیسر گیان چند جین کی اس کتاب کے رد میں معروف ماہر لسانیات اور متعدد کتب کے مصنف پروفیسر مرزا خلیل احمد بیگ نے ایک کتاب لکھی 'ایک بھاشا جو مسترد کر دی گئی'۔ اس کتاب کو بڑی پذیرائی حاصل ہوئی تھی۔ سال 2024 میں اس موضوع پر ان کی ایک اور کتاب منظر عام پر آئی ہے جس کا نام ہے 'اردو زبان کی تاریخ'۔ یہ تیسرا اضافہ شدہ ایڈیشن ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن 1995 میں شائع ہوا تھا۔ (لیکن دوسرا کب شائع ہوا اس کا ذکر نہیں ہے)۔ تاہم یہ کتاب اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ اس میں نہ صرف اردو کی پیدائش، جائے پیدائش اور ارتقا سے مفصل بحث کی گئی ہے بلکہ اردو اور ہندی کے لسانیاتی رشتے کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ ان کے بقول:

''اردو میں اب تک ایسی کوئی کتاب ترتیب نہیں دی گئی جس میں اردو کے آغاز و ارتقا کے بارے میں تمام تر لسانی مباحث اور تحقیقات ونظریات کو سلیقے سے جمع کر دیا گیا ہو۔ زیر نظر کتاب اس کمی کو بڑی حد تک پورا کرتی ہے۔''

کتاب پانچ ابواب میں منقسم ہے: اردو کی ابتدا کے نظریے، اردو کا آغاز و ارتقا، دکنی اردو، اردو اور ہندی کا لسانیاتی رشتہ اور اردو کی سماجی وتہذیبی قدر وقیمت۔ جبکہ مضمون نگاروں میں سید محی الدین قادری زور، مسعود حسین خاں، شمس الرحمن فاروقی، مرزا خلیل احمد بیگ، رؤف پاریکھ، سید احتشام حسین، گیان چند جین، شوکت سبزواری، عبدالقادر سروری، غلام عمر خاں، سید ظہیر الدین مدنی، سجاد ظہیر، گوپی چند نارنگ، عبدالستار دلوی، آل احمد سرور، نثار احمد فاروقی اور وزیر آغا شامل ہیں۔ اردو کی ابتدا کے تعلق سے حافظ محمود خاں شیرانی اور سید محی الدین قادری زور کے تحقیقی مضامین کا اکثر حوالہ دیا جاتا ہے۔

پہلا مضمون محی الدین قادری زور کا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ:

''بعض لوگ غلط فہمی یا مقامی تعصب کی وجہ سے اردو کو ہندی یا سندھی یا برج بھاشا کھڑی بولی کی بیٹی سمجھ لیتے ہیں اور دوسروں کو بھی سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ ایسی غلطی ہے کہ اس کے مان لینے کی وجہ سے ہر منزل پر نت نئی غلطیوں کو گوارا کر لینا پڑتا ہے اور یہ سلسلہ لامتناہی بن کر بلند پایہ صاحبان فضل وکمال کو گمراہ کر دیتا ہے۔''

انہوں نے لوگوں کو مشورہ دیا ہے کہ ''ہمارے ملک کی سیاسی و سماجی آزادی کے بعد سے اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم اپنی ذہنی آزادی بھی حاصل کر لیں اور اپنی زبانوں اور ان کے ادب کے متعلق آزادانہ اور صحت مندانہ رجحان کو پیش نظر رکھ کر تحقیقات کریں''۔ بلاشبہ اگر ہم ذہنی آزادی کے ساتھ تحقیق کریں تو جو تنازعات پیدا ہوتے ہیں ان سے کسی حد تک نجات حاصل کی جا سکتی ہے۔

مسعود حسین خاں نے اپنے مقالے 'اردو کی ابتدا سے متعلق چند مشاہدات' میں جو کہ انگریزی مضمون کا خلیل احمد بیگ کے ذریعے کیا گیا ترجمہ ہے، پانچ نظریات سے بحث کی ہے۔ یہ نظریات مختلف علمائے اردو کے مقالوں سے اخذ کیے گئے ہیں۔ شمس الرحمن فاروقی نے اپنے مقالے 'اردو کا ابتدائی زمانہ، چند تاریخی ولسانی حقائق' میں تاریخی و لسانی حوالوں سے بحث کی ہے۔ بقول مرتب فاروقی صاحب نے اپنے اس مضمون میں اردو کی ابتدا سے متعلق بعض ایسے نکات پیش کیے ہیں جن کی جانب اردو کے کسی لسانی مورخ یا محقق کی توجہ منعطف نہیں ہوئی اور نہ اردو کی کسی لسانیاتی تاریخ میں موثر طریقے سے ان کا ذکر آیا۔ مرزا خلیل احمد بیگ نے بھی اپنے پہلے مضمون میں اردو کی ابتدا کے نظریے سے بحث کی ہے۔

ابتدائی دو ابواب اردو کی ابتدا اور اس کے آغاز وارتقا سے بحث کرتے ہیں جبکہ تیسرے باب میں پانچ مضامین کے توسط سے دکنی اردو کا جائزہ لیا گیا ہے۔ شروع کے دونوں ابواب

جہاں کافی اہم ہیں وہیں آخری دونوں ابواب بھی بوجوہ بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ اردو کے تعلق سے تنازعات پیدا کرنے اور اردو اور ہندی کو اور ان کے لکھنے پڑھنے والوں کو آپس میں لڑانے کی کوشش کی جاتی رہی ہے۔ عام طور پر اردو اور ہندی کو سگی بہنیں کہا جاتا ہے۔ پروفیسر گوپی چند نارنگ نے بھی اپنے مقالے 'اردو اور ہندی کا لسانی اشتراک' کے پہلے پیراگراف میں یہی بات کہی ہے۔ ان کے مطابق ''جتنا گہرا رشتہ اردو اور ہندی میں ہے شاید دنیا کی کسی دو زبانوں میں نہیں۔ دونوں کی بنیاد، ڈول اور کینڈا ایک ہیں۔ یہاں تک کہ اکثر دونوں زبانوں کو ایک سمجھ لیا جاتا ہے۔ دونوں ایک ہی سرچشمہ سے پیدا ہوئیں۔ جس کے بعد دونوں کا ارتقا الگ الگ سمتوں میں ہوا اور دو اہم لسانی و ادبی روایتیں وجود میں آ گئیں۔... نسبتی اعتبار سے سگی بہنیں ہونے کی وجہ سے دونوں میں گہرا اشتراک پایا جاتا ہے''۔ انھوں نے اس مقالے میں اسی اشتراک کو سمجھنے پر اپنی توجہ مبذول کی ہے۔ انھوں نے ایسے بے شمار الفاظ گنائے ہیں جو دونوں زبانوں میں مستعمل ہیں۔ انھوں نے فرہنگ آصفیہ کے مولف سید احمد دہلوی کے حوالے سے لکھا ہے:

''ایک اندازے کے مطابق اردو کے پچپن ہزار الفاظ کے سرمائے میں تقریباً چالیس ہزار الفاظ ایسے ہیں جو سنسکرت اور پراکرتوں کے مآخذ سے آئے ہیں۔ اس طرح اردو کے ایسے الفاظ جو اردو ہندی میں مشترک ہیں تقریباً پچھتّر فیصد ہیں۔ یعنی وہ اردو کے سرمائے کا تین چوتھائی حصہ ہوئے''۔

لیکن انھوں نے یہ نہیں بتایا کہ ہندی میں اردو کے کتنے فیصد الفاظ ہیں۔ ظاہر ہے یہ مضمون پہلے کا لکھا ہوا ہے ورنہ کرونا کی وبا اور دنیا کے بالخصوص آن لائن ہو جانے کے طفیل میں بہت سے نئے الفاظ پیدا ہوئے ہیں جو اردو اور ہندی دونوں میں یکساں مستعمل ہیں۔

پروفیسر مرزا خلیل احمد بیگ نے اپنے مقالے 'اردو، ہندی اور ہندوستانی' میں صرف ایک ووٹ سے دیوناگری رسم الخط میں ہندی کو سرکاری زبان کا درجہ ملنے کے پس منظر کو سامنے رکھ کر اردو، ہندی اور ہندوستانی کی بحث کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ انھوں نے معاملے کے تاریخی پہلو پر بھی نظر ڈالی ہے اور موجودہ صورت حال سے بھی بحث کی ہے۔ انھوں نے بھی یہ بات کہی ہے کہ دونوں زبانیں اپنے مآخذ، قواعدی ڈھانچے اور اپنے چند بنیادی ذخیرۂ الفاظ کے لحاظ سے اگرچہ مشترکہ زبانیں ہیں، پھر بھی یہ دو مختلف زبانیں ہیں۔ انھیں بوجوہ ایک زبان نہیں کہا جا سکتا۔ انھوں نے 'فسانۂ عجائب' کے ایک اقتباس کا حوالہ دے کر ہندی زبان کی بے بضاعتی اور تنگ دامانی کی بات کہی ہے۔ اس سے ان کا مقصد یہ بتانا ہے کہ جو لوگ دونوں زبانوں کو ایک کہتے ہیں وہ اس اقتباس کو ہندی کے قالب میں ڈھال کر دکھائیں۔

مجموعی طور پر یہ کتاب جہاں اردو زبان کی ابتدا اور ارتقا کے مختلف پہلوؤں سے تاریخی حوالوں کی روشنی میں بحث کرتی ہے وہیں شواہد اور ثبوتوں کی روشنی میں ثابت کرتی ہے کہ اردو اور ہندی دو الگ الگ زبانیں ہیں۔ انھیں ایک زبان کہنا نہ صرف کم عقلی ہے بلکہ تعصب و تنگ نظری پر مبنی بھی ہے۔

☆ مبصر سے رابطہ: موبائل: 9818195929 (اوکھلا، نئی دہلی)

□□□

خدا کے سرکش دوست

عہد وسطیٰ کے درویش (1200 تا 1550)

مصنف: احمد طغرل کارا مصطفیٰ

مترجم: یعقوب یاور

تبصرہ: پروفیسر محمد سلیم قدوائی☆

درویش کی اصطلاح کا مطلب فارسی میں غریب یا مسکین ہے اور اس کا عربی متبادل فقیر ہے۔ درویش ترک دنیا کی نمائندگی کرتے ہیں جو عہد وسطیٰ کے اسلام میں ابھرا۔ اس کے مختلف مظاہر میں غربت، گداگری، خانہ بدوشی، تجرد، خودسوزی اور سماجی انحراف کی شکلیں شامل ہیں۔ درویشی تاریخ مبہم ہے۔

صفحات: 160 قیمت:-/299 اشاعت:2024
ISBN 978-81-982131-2-9
ناشر: نامک پبلی کیشنز، اوکھلا، نئی دہلی-110025
Mobile: 9555999150

اس تحریک کا مطالعہ دشواریوں سے بھرا ہوا ہے۔ اس موضوع پر کوئی جامع کتاب موجود نہیں ہے۔ متعلقہ تاریخی مواد مختلف ماخذ میں بکھرے ہوتے ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب ماہر اسلامیات احمد طغرل مصطفیٰ کارا کی تصنیف ہے جس کو عہد وسطیٰ اور جدید مذہبی تاریخ پر مہارت حاصل ہے۔ اس کا اردو میں ترجمہ معروف ادیب یعقوب یاور نے کیا ہے۔ اس کتاب کا مقصد اسلام میں ترک دنیا کے مطالعہ کے لیے ایک وسیع سیاق فراہم کرنا ہے اور قرون وسطیٰ میں درویش گردیبوں کے تقویٰ کے انداز اور اسلام کے سابقہ یا عصری طریقوں کے درمیان اظہار کے نکات کو تلاش کرنا ہے۔ اس کتاب میں مشرق وسطیٰ، ایران، ہندوستان اور ایشائے کوچک میں سماجی طور پر منحرف تحریکوں کی وسعت کا عمومی جائزہ لیا گیا ہے۔

اس کتاب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ تارک دنیا حضرات کا پہلا واضح مظہر سماجی اجتماعیت کی شکل میں تیرہویں صدی کے آخر میں سامنے آیا۔ دمشق اس تحریک کا ابتدائی مرکز تھا۔ دو بڑی تحریکیں قلندریہ اور حیدری پہلے عرب، ایران اور مشرق وسطیٰ میں پروان چڑھیں اور پھر مشرق میں ہندوستان اور مغرب میں اناطولیہ تک پھیل گئیں۔ سولہویں صدی کے دوران عثمانیوں، صفدریوں اور مغلوں کی عظیم سلطنتوں کا قیام درویش گردیبوں کی تنظیم کا باعث بنا۔ درویشی مذہبیت فطری طور پر ایک الگ مذہبی رجحان تھا جو تاریخی طور پر مخصوص سماجی اور ثقافتی تناظر میں پیدا ہوا۔ درویشی تقویٰ کو معاشرے سے دست برداری ہونا کہا جا سکتا ہے۔ اس کی بنیاد معاشرے کو رد کرنے پر ہے۔ انہوں نے انحراف کے جو طریقے اپنائے ان کو روز مروں میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ رہبانیت اور اخلاقی ضوابط سے انکار، جسمانی ریاضت اور اذیت کوشی درویشی زندگی کی اہم خصوصیت تھی۔ اخلاقی اصولوں سے انکار اسلامی تعلیمات کی کھلی خلاف ورزی تھی۔ درویشی مذہب کو عام طور سے مذہب کے دائرے کی صرف ایک خصوصیت کے طور پر دیکھا گیا۔ قرون وسطیٰ کے اسلامی اشرافیہ نے درویشوں کی شناخت معاشرے کے ناسور کے طور پر کی اور ان کو جعل ساز اور جاہل قرار دیا۔ ان کو بے شرم، منافق اور مذاہب کا سودا کرنے والا بھی کہا گیا۔ یہ عقیدہ کی مسخ شدہ اور آلودہ شکل تھی لیکن سماجی طور پر منحرف طریقہ اتنا پُرکشش تھا کہ قرون وسطیٰ کے اسلامی معاشرے کے کئی سماجی طبقے اپنا عقیدہ تبدیل کرنے پر مجبور ہوئے۔ درویشی تقویٰ کی جڑیں بنیادی طور پر تصوف کے اندر پنپنے والی راہبانہ روایات تھیں۔ اس کے نتیجے میں تصوف ایک نئے طریقے سے ابھرا اور رفتہ رفتہ بنیادی مذہب اور تصوف باہم گھل مل گئے۔ تصوف نے ترک کو جذب کر کے سرگرم تحریک کو اپنا لیا۔ درویشوں کا تقویٰ تمام اسلامی دنیا میں نہ صرف برقرار رہا بلکہ اس میں وسعت بھی آئی۔ اس کتاب سے درویشی گروہ اور صوفی طریقوں کے درمیان آویزش کا بھی پتہ چلتا ہے لیکن تعلقات میں کشیدگی کے باوجود درویش اس سلسلے کو کبھی منقطع نہیں کر سکے جس نے انہیں تصوف سے وابستہ کیا تھا۔

کتاب 6 ابواب میں منقسم ہے اور ہر باب کے آخر میں حواشی کثرت سے دیے گئے ہیں جو مصنف کی مشقت اور دیدہ ریزی کا ثبوت فراہم کرتے ہیں اور کتاب کی اہمیت اور افادیت میں اضافہ کرتے ہیں۔ یہ ایک نہایت معلوماتی تصنیف ہے اور ایک ایسے موضوع پر بھرپور روشنی ڈالتی ہے جس پر علمی طور پر کم توجہ دی گئی ہے۔ ترجمہ بحیثیت مجموعی اچھا ہے لیکن کہیں ثقیل اور نامانوس الفاظ قاری کو مشکل میں ڈالتے ہیں اور لغت کی مدد لینے پر مجبور کرتے ہیں۔

☆ مبصر کا پتہ: C-501، روزوڈس اپارٹمنٹ، میوروہارا، نئی دہلی-91
E-mail: mskidwai@hotmail.com
Mobile: 9953529424

□□□

ایک تازہ کتاب
چند ادیبوں کے خطوط
بنام شمس بدایونی
مرتبہ: پروفیسر سیّد حسن عباس
صفحات: 224 ، اشاعت: جون 2025، قیمت: -/400
ISBN 978-93-49083-64-6
زیر اہتمام: مرکز تحقیقات اردو گوپال پور، باقر گنج، ضلع سیوان (بہار)
ملنے کا پتہ: اردو بک ریویو، نئی دہلی-2 فون: 011-44753890

مجلّہ اثبات

(کتابی سلسلہ 44 مع گوشہ اطہر فاروقی)

مدیر: اشعر نجمی، نائب مدیر: رضوان الدین فاروقی

تبصرہ: ڈاکٹر ابرار رحمانی☆

کتابی سلسلہ 'اثبات' اشعر نجمی کا ذاتی مجلہ ضرور ہے لیکن اس میں ان کی کوشش ہوتی ہے کہ اردو ادب کے سنجیدہ قارئین کے معیار پر وہ کھرا اتر سکیں۔ اب تک اثبات کے 45 شمارے نکل چکے ہیں۔

کتابی سلسلہ مجلّہ اثبات کا 44 واں شمارہ گوشہ اطہر فاروقی سے مزین ہے۔ آئیے اس پر ایک نظر ڈالتے ہیں:

اداریہ، بعنوان: فی الحال رسید حاضر ہے۔ گوشہ اطہر فاروقی۔ اردو روز بروز مزید اسلامی ہوتی جا رہی ہے۔ (اطہر فارقی، عائشہ نجیب) خوب صورت تضادوں کا آدمی۔ [خاکہ] (مجتبیٰ حسین) اطہر فاروقی کی 'انجمن' [خاکہ] (معصوم مراد آبادی) ان کے ساتھ اطہر فاروقی کے تین مضامین، خودنوشت اور ایک انٹرویو بھی ہے۔

خاص پیش کش کے تحت فرحت احساس کی دس غزلیں اور تحقیق کے باب میں محمد سعید کے دو مضامین ہیں۔ 'کچھ نظمیں کچھ تراجم' کے ذیل میں عتیق اللہ مغربی شعریات سے 9 نظموں کے خوبصورت ترجمے شامل ہیں۔ دیگر مضامین میں شمس الرحمان فاروقی پر سید محمد اشرف کا 'اردو فکشن میں جادوئی حقیقت نگاری' خاص ہے۔ اس کے بعد ادب میں نظم اور غزل گردی کی جو روایت عام ہو چلی ہے اس پر اشعر نجمی نے قدغن نہیں لگایا ہے۔ البتہ فکشن میں انہوں نے سوجھ بوجھ سے کام لیتے ہوئے صرف چار تخلیقات کو جگہ دی ہے۔ تاریخ کے تحت 'مقید بادشاہ سے ملاقات' رسل/محمد حسن رابع اور بادشاہ دلی کے حضور میں انگریزوں کی آخری نظر' موجود ہیں۔ البتہ کتابوں پر تبصرے کے ذیل میں اشعر نجمی نے کافی مستعدی سے کام لیا ہے۔ کوثر مظہری کا 'رات، سمندر، خواب' اور خورشید اکرم کا 'صفحے سے باہر' خوب صورت شعری مجموعے ہیں۔

زیر نظر شمارے میں اکثر مشمولات قابل مطالعہ ہے۔ لیکن اس شمارے کے ایک گوشے میں اطہر فاروقی گوشہ نشیں ہیں اور یہی اس شمارے کا ایک خاص حصہ ہے۔ ایک خاص حصہ تو وہ بھی ہے جو پروفیسر محمد حسن کی خودنوشت 'سر بازار می رقصم' کے دو ابواب پر مشتمل ہے۔ لیکن پہلے ایک نظر اطہر فاروقی سلمہ پر۔

اطہر فاروقی کے گوشے میں کل ۷ مضامین شامل ہیں۔ اس میں دو انٹرویو، دو خاکے، ایک خودنوشت اور دو عام مضامین ہیں۔ ان ساتوں مشمولات میں پہلا انٹرویو اطہر فاروقی کی عائشہ نجیب کے ساتھ گفتگو پر مبنی ہے اور دوسرا اطہر فاروقی کی خودنوشت 'لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم' کے عنوان سے ہے، جس میں کچھ تو حقیقت پر مبنی ہے اور کچھ ان کے پرواز تخیل کا کرشمہ ہے۔ زندگی ان کی ہے، حکایت ان کی ہے، اس میں ہم آپ کیا کہہ سکتے ہیں۔ یوں بھی شکوہ شکایت میں میں یقین نہیں رکھتا۔ حکایت کے بیان میں کچھ زیادہ ہی کشادہ دلی کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔

آئیے ہم پہلے ان کے انٹرویو 'اردو روز بہ روز مزید اسلامی ہوتی جا رہی ہے؛ کے عنوان سے کی گئی گفتگو کی خاص باتوں کا ذکر کریں۔ پہلی بات تو یہی کہ ہم اس بیچاری اردو پر اسلامیت کا ٹھپہ آخر کیوں لگانے پر بضد ہیں۔ اگر آپ اردو کو اسلام سے جوڑنا چاہتے ہیں تو ہم اپنے برادران وطن کو فرقہ واریت کی طرف رہنمائی کر رہے ہیں۔ ان خیالات پر پہلے بھی بحث ہوتی رہی ہے اور اطہر فاروقی کو بھی یہ بات ستاتی ہے۔ اس انٹرویو کا خاص حصہ وہ ہے جس میں اطہر فاروقی نے 'انجمن' کو کسی بھی تحریک کا نام لینے سے انکار کیا ہے۔ اطہر فاروقی نے کہا کہ 'انجمن اس طرح کی کوئی تحریک کبھی نہیں رہی۔' اسی طرح کی سوچ شاید خلیق انجم کی بھی تھی۔ جب کہ ہمارا خیال یہ ہے کہ بانیان انجمن کے پیش نظر انجمن کو ایک تحریک کے طور پر تشکیل دیا گیا تھا جو بعد میں 'انجمن' ٹیبل کرسی والے ہائی فائی کسی آفس اور پبلشنگ ہاؤس میں تبدیل ہوتی گئی۔ لیکن اسی انجمن میں وہ

صفحات: 512 قیمت:-/800 اشاعت: جنوری 2025
ISBN 978-81-983038-0-6
پتہ: اثبات پبلی کیشنز، تھانے۔ (انڈیا)
Mobile: 9372247833

لوگ بھی تھے جنہوں نے اسے روز اول سے تحریک مانا اور تحریک کے جو تقاضے ہوتے ہیں وہ اس پر عمل پیرا رہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ انجمن ترقی اردو ایک تحریک تھی، جو اپنے مقاصد کے حصول کے سبب ہمیشہ سرخیوں میں بنی رہی۔

انجمن کو ایک تحریک ماننے والوں نے اپنے قول و عمل سے اس کو سچ کر دکھایا۔ ہمارے بہار کی انجمن ترقی اردو سے جڑے تمام کارکنان نے اسی جوش اور جذبے کے ساتھ کام کیا جو ایک تحریک کو درکار ہوتی ہے۔ یہ بات سنہ 1977 کی ہے جو اردو کی تاریخ میں درج ہو گئی ہے اور جسے ہم بھلا نہیں سکتے۔ اس وقت کی تحریک میں جمیل اختر، نجیب اختر اور فخرالدین عارفی اور خود راقم بھی اس بات کے گواہ ہیں کہ پروفیسر عبدالمغنی کی رہبری میں کیسے جدو جہد کی گئی۔ گھر گھر گاؤں گاؤں، قصبہ قصبہ اور شہر شہر گھوم گھوم کر ہم نے لوگوں کو 'انجمن' کے ساتھ اردو کے کاز کے لیے اس تحریک سے جوڑا۔ ایسے میں ممبران کی تعداد بے شمار رہے۔ ہم بات کر رہے تھے انجمن کے تحت 'اردو تحریک' کی۔ عبدالمغنی صاحب کے ساتھ گفتگو میں خاکسار نے خاص طور پر نوٹ کیا۔ پروفیسر عبدالمغنی نے کہا:

''صرف ایک سبب ہے اور وہ ہے بہار میں انجمن ترقی اردو بہار کی عوامی تحریک۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس وقت انجمن ترقی اردو بہار کے ابتدائی ممبروں کی تعداد چھ لاکھ ہے جو شاید ریاست کی کسی سیاسی جماعت کی نہیں ہو جس وقت 1980 میں اردو بہار کی سرکاری زبان بنائی گئی اس وقت بھی انجمن کے ممبروں کی تعداد تقریباً تین لاکھ تھی اور یہ انجمن ہی تھی جس کے ساتھ گفت و شنید کر کے بہار کی کانگریس پارٹی نے اپنے 1980 کے انتخابی منشور میں وعدہ کیا کہ دوبارہ اقتدار میں آنے پر وہ اردو کو ریاست کی سرکاری زبان بنائے گی۔ اور یہ عہد اس نے پورا بھی کر دیا۔ جب کہ اس سے تین سال قبل 1977 میں بھی انجمن ہی کے مطالبے پر ڈاکٹر جگن ناتھ مشرا کی پہلی وزارت میں اردو کی سرکاری حیثیت کا اعلان محدود پیمانے پر کیا گیا تھا لیکن 1980 میں اردو کی سرکاری حیثیت کا جو ترمیمی ایکٹ باضابطہ اسمبلی سے بہ یک آواز منظور ہوا اس میں عمومی طور پر اردو کو پوری ریاست اور تمام ضروری مقاصد کے لیے سرکاری زبان بنایا گیا۔ اس قانون پر عمل درآمد کے لیے حکومت کے بقول انتظامی صورت کے پیش نظر پہلے مرحلے پر پندرہ ضلعوں میں بلاک سے لے کر ضلع ہیڈ کوارٹر تک اردو کے سرکاری استعمال کے احکامات اپریل 1981 میں جاری کیے گئے۔ اور اسی مقصد کے لیے تقریباً ایک ہزار اردوداں عملے کا تقرر ہوا۔''

اس طرح بہار پورے ملک کے لیے ایک مثال بن گیا۔

اس وقت بہار کی انجمن میں اس قدر جوش و خروش تھا، اتنی ہما ہمی تھی اور منزل کو سامنے دیکھ کر اس تک پہنچنے کی اس قدر جلد بازی تھی کہ خدا کی پناہ۔ کچھ لوگوں کو انجمن کے کارکنوں کا اتحاد اور جوش و خروش ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ چنانچہ دشمنوں نے کچھ ایسی چال چلی کہ انجمن کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ایک کے رہنما سابق وزیر غلام سرور اور دوسرے کی سربراہی عبدالمغنی کے ہاتھ آئی۔ لیکن اردو کے حقوق کے لیے بہار نے جو کارنامہ انجام دیا اے کاش کہ دوسری ریاستوں کے محبانِ اردو اس کی تقلید کرتے۔

جہاں تک 'اثبات' کے دوسرے مشمولات کا سوال ہے تو بلا شبہ محمد حسن کی خودنوشت 'سر بازار می رقصم' کا ذکر ہوگا۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ اپنی اس خودنوشت میں محمد حسن پہلے والے معصوم اور بے داغ نظر نہیں آتے۔

محمد حسن ایک بڑے دانشور اور اچھے پروفیسر، ایک اچھے انسان کی صورت ہمارے سامنے نظر آتے ہیں۔ انہوں نے اپنے سارے کام انتہائی دیانت داری سے انجام دیے۔ سر بازار می رقصم بھی ان ہی میں سے ایک دیانت دارانہ خودنوشت تصنیف ہے۔ جسے اے کاش وہ نہ لکھتے اور نہ اسے چھپوانے کی کوشش کرتے تو ہمیں اتنی تکلیف دہ حیرت نہ ہوتی۔ سچ بات لکھنے اور سچ بات کہنے کی ان میں برملا بہت ہمت و جرأت تھی۔ چھپوانے کی تو انہوں نے اپنی زندگی میں ہمت ہی نہیں کی جو ان کی فطرت کے خلاف تھا لیکن مرنے کے بعد بھی انسان کا کام اور نام باقی رہتا ہے اور جوتے مارنے والے تو آپ کی قبر کو بھی نہیں بخشتے۔

ہمیں انتہائی حیرت ہے کہ ان کی وفات کے پورے بارہ سال بعد اس تصنیف کا مسودہ ناشرین کو کہاں سے ہاتھ لگا۔ اب جب کہ پروفیسر محمد حسن نے اپنی جرأت مردانہ کا مظاہرہ کر ہی دیا ہے تو ہمارا بھی فرض بنتا ہے کہ جرأت رندانہ اور انصاف سے اس

تصنیف پر ایک نظر ڈالتے چلیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ اس میں بیسویں صدی کے واقعات، کمیونسٹ تحریک کی توسیع، تحریک آزادی میں فرقہ وارانہ فسادات اور ہندوستان میں اردو کا حال اور مستقبل کے بارے میں بھی اپنی رائے کا برملا اظہار کیا ہے۔

ہمیں اس پوری تصنیف میں سنسنی خیزی کا بے جا استعمال چونکاتا ہے اور ہمیں آگے پڑھنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ایک شخص کی شادی ہوا اور وہ شب عروسی میں ہی شریک حیات کی وجہ سے ناکام اور نامراد ہوجائے تو اس شریک حیات کو چھوڑ دینا ہی اچھا ہوتا ہے۔ گلے میں گھنٹی کی طرح پوری زندگی باندھے رکھنا عقل سے پرے ہے۔میاں بیوی کا یہ تعلق زندگی بھر اسی طرح ستاتا رہا۔ چناچہ اس سبب سے انہوں نے ادھر اُدھر منھ مارنا شروع کردیا۔ اس تصنیف میں شروع سے اخیر تک شہوانیت کا ننگا رقص مصنف خود کرتا ہے اور اپنے ہم مشربوں کو بھی اس میں شامل کرتا جاتا ہے۔

سر بازار می رقصم کسی صوفی صفت انسان کا قصہ نہیں ہوسکتا۔ یہ کسی شہوت پرست کا اندھیرے اجالے اپنی شہوت پرستی کی تلاش میں اپنے گھر میں، اپنے آفس میں، اپنے ساتھیوں میں، اپنے دوستوں میں، ان کی خواتین، دوشیزاؤں اور کچی عمر کی لڑکیوں کو اپنی باتوں کے جال میں پھنسا کر ان سے اپنی جنسی خواہشات کی تکمیل ان کا واحد مقصد ہی بن کر رہ گیا تھا۔ یہ پروفیسر محمد حسن کو قطعی زیب نہیں دیتا۔ہمیں تو اب بھی یقین نہیں آتا کہ یہ پروفیسر محمد حسن کی تصنیف ہے۔

اردو ادب میں جنسی کہانیوں اور قصوں کو ہر زمانے میں تھوڑا بہت اہمیت دی جاتی رہی ہے۔ داستانی دور میں 'طلسم ہوش ربا' کو اہمیت حاصل رہی ہے۔ اسی طرح دور حاضر میں نیاز فتح پوری اور ساہتیہ اکیڈمی ایوارڈ یافتہ گیان سنگھ شاطر کی تحریریں اردو قارئین کو جنسی مہمات کی ترغیب دیتے رہے ہیں۔ یہی وہ دور ہے جب ابن صفی نے اپنے ہم عصر ادیبوں سے اختلاف کرتے ہوئے اردو میں جنسی ترغیب دینے والے مخرب اخلاق ادب کے برعکس 'جاسوسی ادب' کا آغاز کیا۔ یہ تجربہ اتنا کامیاب ہوا کہ 'جاسوسی ادب' ہر گھر کی ضرورت بن گیا۔اس کا قاری 'ادب عالیہ' کو سمجھنے کے لائق بھی ہوا۔

اشعر نجمی نے محمد حسن کی خودنوشت 'سر بازار می رقصم' سے دو باب کو 'ایک ترقی پسند نقاد کی جنسی مہمات'' کے ذیل میں پیش کرکے کیا کارنامہ انجام دیا ہے، سمجھ سے بالاتر ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ انہوں نے ان قارئین پر 'احسان' کیا ہے جو اس طرح کی چیزیں چٹخارے لے لے کر پڑھنا پسند کرتے ہیں اور اس کے حصول کی خاطر اپنا کھانا پینا بھی اور دوسرے اہم کام کو بھی بھول جاتے ہیں۔

☆ مبصر کا پتہ: تزئین اپارٹمنٹ، ذاکر نگر، نئی دہلی-110025
Mobile: 9911455508

❑❑❑

تنویر احمد علوی (مونوگراف)

مصنف: ثمر جہاں

تبصرہ: پروفیسر مظہر احمد☆

زیرِ نظر کتاب بعنوان 'تنویر احمد علوی' دراصل قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان (NCPUL) کے زیرِ اہتمام تحریر کیا گیا ایک مونوگراف ہے۔اسے اردو کی ایک اہم استاذ، نقاد اور سنجیدہ طالب علم محترمہ ثمر جہاں نے تحریر کیا ہے۔ سرکاری اداروں کے تحت متعدد مونوگراف اب سے پہلے منظرِ عام پر آتے رہے ہیں جن میں سے بیشتر روایتی انداز میں لکھے جاتے ہیں۔ ادیب کے حالاتِ زندگی اور شخصیت پر روشنی ڈالنے کے بعد اس کے علمی و ادبی کارناموں پر سرسری سی نظر ڈالی جاتی ہے اور پھر اس کے ادبی سرمائے میں سے چنندہ تحریریں بھی شاملِ کتاب کی جاتی ہیں۔مگر ثمر جہاں نے اس روایت سے انحراف کرتے ہوئے تنویر احمد علوی کی علمی و ادبی نیز تحقیقی و تخلیقی مرتبے پر اظہارِ

صفحات: 170 قیمت:-/120 اشاعت:2025
ISBN 978-93-95895-57-6
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، FC-33/9،
فروغ اردو بھون، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی-110025
Tel. 011-4953900

خیال کیا ہے۔

ڈاکٹر تنویر احمد علوی (1923-2013) ہر دل عزیز استاد ہونے کے ساتھ ساتھ اردو دنیا کے صفِ اول کے محققین میں شامل تھے۔ ان کی تحقیق و تدوین کا دائرہ نہایت وسیع تھا۔ کلاسیکی شعرا ہوں یا بارہ ماسے کی لوک روایت، تحقیق کے اصول وضوابط کا معاملہ ہو، یا غالب کے فارسی خطوط کا ترجمہ ہو، انہوں نے ہر موضوع پر نہایت دل جمعی، دروں بینی اور ژرف نگاہی سے کام لیا ہے۔ علوی صاحب کئی زبانوں پر مہارت رکھتے تھے۔ اردو، فارسی، عربی پنجابی، کئی زبانوں پر انہیں عبور حاصل تھا۔ مشرقی علوم سے گہری دلچسپی تھی۔ وہ ہمہ وقت تحقیق وتنقید کی دنیا میں غرق رہتے۔ ان کی پوری زندگی اسی کے لیے وقف تھی۔

محترمہ ثمر جہاں نے تنویر احمد علوی صاحب کی سوانح مرتب کرتے ہوئے ایسے گوشوں پر قارئین کی توجہ مبذول کرائی ہے جو ابھی پردۂ خفا میں تھے۔ مثلاً پہلی بار علوی صاحب کا شجرۂ نسب بڑی جانفشانی سے مرتب کیا ہے۔ تنویر احمد علوی صاحب اپنے شاگردوں میں ہر دل عزیز تھے کالج کا زمانہ ہو یا یونیورسٹی کا اکثر شاگرد اُن کو گھیرے رہتے اور وہ ان کے مسائل حل کرنے میں سرگرداں رہتے۔ وہ علم کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھے اور اس سمندر کے محض چند قطرے حاصل کر لینے والے خوش نصیب شاگرد ترقی کی راہوں پر گامزن ہو جاتے۔

ثمر جہاں کے تحریر کردہ اس مونوگراف کا سب سے اہم باب بعنوان 'تنقیدی محاکمہ' ہے۔ اس باب میں ہزارہا صفحات پر پھیلے ہوئے تنویر احمد علوی صاحب کے علمی و ادبی کاموں پر بھرپور روشنی ڈالی گئی ہے۔ علوی صاحب کا دائرۂ تحقیق و ادب بہت پھیلا ہوا ہے۔ کلاسیکی متون کی تدوین سے لے کر مختلف اصناف ادب پر ان کی کتابیں اور مضامین، تاریخ و مذہب سے ان کی والہانہ دلچسپی، لوک ادب پر ان کے تنقیدی کام، دلی کے تہذیب وتمدن سے دلچسپی اور فارسی کتابوں کے ترجمے کے علی الرغم، ان کی رومانی شخصیت کے پیش نظر ان کی شاعری ان کے کاموں کے محض چند عنوانات ہیں۔ یوں تو وہ ساری زندگی، روز و شب اسی طرح کی سرگرمیوں میں مصروف رہے اور اگر وہ تمام باتیں، آرا اور لکچر بھی مرتب ہو جاتے تو ایک بڑا ضخیم دفتر تیار ہو جاتا۔

ڈاکٹر تنویر احمد علوی صاحب نے اپنا تحقیقی مقالہ بعنوان 'ذوق سوانح اور انتقاد' کے عنوان سے تحریر فرمایا تھا۔ بلاشبہ ذوق کے تعلق سے یہ مقالہ آج بھی اہمیت کا حامل ہے۔ حالانکہ اسے وجود میں آئے پچاس سال سے زیادہ کا عرصہ بیت چکا ہے، مگر اس کی افادیت آج بھی برقرار ہے۔ ثمر جہاں نے اس کتاب پر یوں رائے دی ہے:

''تنویر احمد علوی کی تحقیق کا انداز معروضی ہے۔ وہ ٹھوس اور بنیادی حقائق کی تلاش کرتے اور انہیں پر مغز دلائل کے ساتھ قاری کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ وہ استقرائی تحقیق کے ذریعے تاریخ وتہذیب کے پس منظر میں جا کر استدلال کے ساتھ نتائج اخذ کرتے ہیں۔''

حقیقت یہ ہے کہ اس اقتباس کی آرا ان کے تمام تحقیقی کاموں پر صادق آتی ہیں۔

اردو میں بارہ ماسے کی روایت پر بھی علوی صاحب نے گراں قدر تحقیقی وتنقیدی کام کیا ہے۔ جس کے تعلق سے ثمر جہاں بجا طور پر فرماتی ہیں:

''تنویر احمد علوی نے ہندوستان کے صوبائی علاقوں خصوصاً دیہات میں گائے جانے والے بارہ ماسوں کو یکجا کر کے ہندوستانی گنگا جمنی تہذیب کے ابتدائی نقوش کو اردو میں متعارف کرایا ہے۔''

ان کتابوں کے علاوہ 'اصولِ تحقیق وترتیب متن' کا محاکمہ کرتے ہوئے ثمر جہاں نے تنویر علوی صاحب کے اصولِ تحقیق کے ضوابط و معیارات پر بھی سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ خطوطِ غالب سے متعلق علوی صاحب کی دو کتابوں 'اوراق معانی' اور 'نقش نیم رخ' پر بھی تنقیدی روشنی ڈالی ہے۔

تنویر احمد علوی صاحب شاعر بھی تھے، یہ بیشتر احباب جانتے ہیں۔ وہ اردو، فارسی کے علاوہ ہندی میں بھی طبع آزمائی کرتے تھے، یہ بات کم ہی لوگ جانتے ہوں گے۔ ثمر جہاں کا یہ مونوگراف علوی صاحب کی شاعری کے اس خاص پہلو کو بھی سامنے لاتا ہے۔ دراصل یہ کالی داس کی مشہور تصنیف 'میگھ دوت' کا منظوم ترجمہ ہے۔ بقول ثمر جہاں: ''تنویر احمد علوی کے خلاق ذہن کی یہ کاوش انہیں ایک عظیم فنکار کے درجے پر فائز کرتی ہے۔''

ہندوستانی تہذیب و ثقافت سے عقیدت و محبت کے سبب

علوی صاحب کے قلم سے بہت سی ایسی کتابیں بھی وجود میں آئی ہیں، جو ان موضوعات پر اہم ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ایسی اہم اور نادر کتابوں پر بھی ثمر جہاں نے روشنی ڈالی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ علوی صاحب کے ادبی سرمائے پر ایک مونوگراف میں انصاف نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے لیے تو ایک ضخیم کتاب ہی درکار ہوگی۔ پھر بھی ثمر جہاں نے سمندر کو کوزے میں بند کرنے کی عمدہ کوشش کی ہے۔

مونوگراف کا ایک اہم اور ناگزیر حصّہ ممدوح کے انتخابِ ادب کا بھی ہوتا ہے۔ تنویر احمد علوی کی ہمہ جہت علمی و ادبی تحریرں سے ایک جامع مگر مختصر انتخاب کرنا مشکل امر ہے۔ مگر یہاں بھی ثمر جہاں نے اپنے حسنِ انتخاب اور معروضی نظر کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ اس انتخاب میں تنویر احمد علوی صاحب کی تنقیدی و تحقیقی تحریروں کے ساتھ ان کی تخلیقی کاوشوں کو بھی شامل کیا ہے۔ اس میں نظمیں، غزل اور ہندی کلام بھی شامل ہیں۔

الغرض ڈاکٹر تنویر احمد علوی جیسے نابغۂ روزگار شخص کی سوانح اور ان کے ادبی سرمائے پر نقد و تبصرے کی یہ کوشش قابلِ قدر بھی ہے اور لائق ستائش بھی۔ ثمر جہاں اس تعلق سے ہمارے شکریے کی مستحق ہیں۔

☆ مبصر کا پتہ: 3183 کوچہ تاراچند، دریا گنج، نئی دہلی-110002

Mobile: 9212089910

❑❑❑

عبدالعزیز خالد کی
منظوم تمثیل نگاری
(برگِ خزاں کے حوالے سے)

مصنف و ناشر: ڈاکٹر محمد نور الہدیٰ
Mobile: 9955491051

صفحات: 228، قیمت: -/350، اشاعت: جولائی 2025

زیر اہتمام: اپلائڈ بکس، نئی دہلی۔
Tel. 011-47524630 Mobile: 9953630788

مسئلة المصافحة

تالیف: (مولانا) سیّد شاہ محمد نظام الدین قادری مجیبی پھلوارویؒ

تخریج و تحشیہ: محمد آیت اللہ قادری

تبصرہ: ریاض احمد قادری☆

کہا جاتا ہے کہ برصغیر میں اسلام کی آمد مجاہدین اسلام اور تاجران عرب کے ذریعہ ہوئی، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ یہاں اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں تسبیح بدست صوفیا و صالحین کا اہم کردار رہا ہے۔ انہوں نے تبلیغ دین کے لیے سیّاحی کی، نیز تشنگان معرفت کی سیرابی اور نفوس انسانی کے تزکیہ کی خاطر مراکز بھی قائم کیے جنہیں خانقاہ کہا گیا۔ خانقاہی نظام میں اصلاح و تزکیۂ نفس اور اخلاق و کردار کی درستگی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ خانقاہیں نفوس انسانی کی صحت گاہ، اور تہذیب و تزکیہ کا مرکز ہوتی ہیں۔ جب امت پر زوال آیا تو نتیجہ یہ ہوا کہ تبلیغ دین کا جذبہ کمزور پڑ گیا، تزکیۂ قلب کا شوق نہ رہا۔ صالحین کی صحبت میں وقت گزارنے کا ولولہ جاتا رہا، روحانی مراکز میں انتشار و ابتری آئی۔ خانقاہیں بے اثر ہوتی گئیں، عقابوں کے نشیمن پر زاغ و زغن نے قبضہ جما لیا۔ ان حالات کو دیکھ کر قلندر لاہوری بول پڑا:

اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے نم ناک
نہ زندگی، نہ محبت، نہ معرفت، نہ صلہ

ایسے پُر آشوب دور میں چند روحانی مراکز یا خانقاہیں ایسی بھی رہیں جنہوں نے علم نافع اور عمل صالح کے ساتھ معرفت حق کا چراغ روشن رکھا۔ ریاستِ بہار کی راجدھانی پٹنہ کا مشہور قصبہ پھلواری، صوفیانِ با صفا اور علماء ربانیین کا مرکز رہا ہے۔ (حضرت مخدوم) تاج العارفین شاہ مجیب اللہ قادری پھلواروی، بنارس کے اہل نسبت بزرگ اور اقلیم علم کے بادشاہ (حضرت

صفحات: 96 (مجلد) قیمت: -/170 اشاعت: 2025
ناشر: دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف، پٹنہ-801505 (بہار) Mobile: 9942000618

مولانا) سید محمد وارث رسول نما قادری سے شریعت وطریقت کی تعلیم لینے کی خاطر بنارس آئے۔ سات سال کا عرصہ گزار کر 24 سال کی عمر میں جب وہ وطن کو لوٹے تو ایک خانقاہ کی بنا ڈالی، جو خانقاہ مجیبیہ سے موسوم ہے۔ پھلواری شریف کے اس مشہور روحانی مرکز (خانقاہ مجیبیہ) کا یہ امتیازی وصف ہے کہ یہاں کے اکابر کبھی اپنے فرائض منصبی سے غافل نہ ہوئے۔ انہوں نے شریعت اور طریقت میں تفریق نہیں کی۔ یہاں علم و فضل اور فقر و تصوف کا امتزاج اپنی دلکشی کے ساتھ ہمیشہ رہا ہے۔ اس خانقاہ کے علما اور مشائخ 'در کفے جام شریعت، در کفے سندانِ عشق' کی تصویر نظر آتے ہیں۔ یہاں کا ہر عالم صوفی صافی، اور ہر متصوف عالمِ باعمل دکھائی دیتا ہے۔

خوش آں مجلس و مسجد و خانقاہے
کہ در وے بود قیل و قال محمد

(کس قدر مبارک ہے وہ مجلس ارشاد و دعوت، اور وہ مسجد و خانقاہ جہاں قیل و قال محمد ﷺ ہوتا ہے، یعنی احادیث کا درس ہوتا ہے اور اعمال و افعال نبوی کی روشنی میں معرفت کی راہ دکھائی جاتی ہے)

زیر تبصرہ کتاب کے مؤلف حضرت شاہ محمد نظام الدین قادری مجیبی پھلواروی (رحمہ اللہ) بھی اسی مشہور خانقاہ مجیبیہ سے تعلق رکھنے والے ایک عالم باعمل اور زاہد مرتاض فرد تھے۔ وہ امیر شریعت اول حضرت مولانا شاہ محمد بدرالدین قادری مجیبی کے فرزند ثالث تھے۔ درسیات کی تکمیل کے بعد ان کی ساری زندگی دینی علوم کی تدریس اور باطنی علوم کی تعلیم میں گزری۔ فقہی مسائل اور اس کی جزئیات پر بھی آپ کی نگاہ تھی، اس لیے گاہ بہ گاہ استفتاء کے جواب بھی تحریر فرما دیتے، جن سے ان کی فقہی بصیرت آشکارا ہوتی ہے۔

صوفیاء کرام کے یہاں مختلف مسنون اشغال و اوراد کے ساتھ مستحب اور مباح اعمال بھی معمولات میں شامل رہتے ہیں، خشک مزاج حضرات انہیں اپنی محدود فکر کی عینک سے دیکھتے ہیں، اور ان پر حرام یا بدعت و ناجائز ہونے کا فتویٰ صادر کرنے میں بڑی عجلت کرتے ہیں۔ اگر کوئی مسئلہ نص صریح سے معارض ہے تو یقینا اس سے احتراز لازم ہے، اگر ایسا نہیں تو فتویٰ صادر کرنے میں احتیاط ضروری ہے۔ ایسا ہی ایک مسئلہ فجر اور عصر کی نمازوں کے بعد مصافحہ کرنے کا بھی ہے۔ برّصغیر کی بکثرت مساجد اور خانقاہوں میں اس کا معمول ہے، اور علماء ربانیین و عرفاء کاملین کا ایک بڑا طبقہ اس پر عامل ہے۔ مساجد کے ائمہ اور خانقاہوں کے مشائخ حضرات سے مصافحہ کے بعد کچھ لوگ ان کے سامنے پیش آمدہ مسائل بیان کرتے ہیں اور ان کا درست حل معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت مولانا شاہ محمد نظام الدین قادری مجیبی پھلواروی (رحمہ اللہ) کے پاس بھی نماز فجر کے بعد مصافحہ کرنے سے متعلق ایک استفتاء پیش کیا گیا۔ یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ حضرت ممدوحؒ نے احادیث رسول اللہ ﷺ اور کتب فقہ کی روشنی میں اس کا جواب تحریر فرما کر سائل کے حوالہ کر دیا۔ اس فتویٰ کی ایک کاپی خانقاہ مجیبیہ کے دارالافتاء میں محفوظ کر لی گئی تھی، جسے عرصہ قبل افادۂ عام کی غرض سے خانقاہ مجیبیہ کے دارالاشاعت کی جانب سے شائع بھی کر دیا گیا تھا۔

لیتھو پریس میں مطبوعہ یہ فتویٰ بصورت رسالہ مدت سے نایاب تھا۔ اسے پڑھنے کی خواہش رکھنے والوں کا تقاضا تھا کہ رسالہ دوبارہ منظر عام پر لایا جائے۔ فاضل نوجوان، گرامی قدر حضرت شاہ محمد آیت اللہ قادری مجیبی (سجادہ نشین خانقاہ مجیبیہ) علمی و تحقیقی ذوق رکھتے ہیں۔ علما کے درمیان ایک کامیاب مصنف کی حیثیت سے بھی ان کی شناخت ہو چکی ہے۔ خوش لباسی اور پاکیزہ نفسی کے ساتھ وہ بزرگوں کے علمی تبرکات کی اشاعت کا ذوق سلیم بھی رکھتے ہیں۔ اسی شوق و رغبت میں انہوں نے رسالہ مسئلۃ المصافحۃ (جس کا متن 20 صفحات کا ہے) اس میں درج احادیث کی تخریج کا کام کیا، کارآمد حواشی رقم کیے، اور ایک فاضلانہ ضمیمہ بھی لکھا جو شامل کتاب ہے۔ نئے ایڈیشن کے آغاز میں اسی خانقاہ عالیہ سے تعلق رکھنے والے ایک بالغ نظر اور باذوق عالم مفتی بدر احمد مجیبی قادری پھلواروی کا طبع جدید سے متعلق 'حرفے چند' کے عنوان سے ایک مفید ابتدائیہ بھی ہے، جزاہما اللہ احسن الجزاء۔ ان تمام علمی تحریروں کی شمولیت کے بعد مسئلۃ المصافحۃ کی افادیت میں اضافہ ہو گیا ہے۔

ان معنوی خوبیوں کے ساتھ اب یہ رسالہ نئی آب و تاب اور

صوری محاسن سے مزین ہوکر مکمل کتاب کی شکل میں شائع ہوکر دوبارہ منظر عام پر آ گیا ہے۔ جولوگ اس فتویٰ کے مضمون سے اتفاق نہ رکھتے ہوں، انہیں میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ اپنے منفی نظریۂ فکر پر قائم رہتے ہوئے وسعت قلب و ذہن کے ساتھ حضرت مصنفؒ کی عالمانہ تحقیق کا مطالعہ فرمائیں تا کہ مسئلے کا مثبت پہلو بھی نگاہوں سے اوجھل نہ رہے۔ ہمیں نوجوان فاضل مرتب مدظلہ کی تہذیب وتحقیق اور علم دوستی کی داد دینے میں بھی فراخ دلی کا مظاہرہ کرنا چاہئے کہ ان کے علمی ذوق وشوق کی وجہ سے یہ کتاب قارئین کے مطالعہ کے لیے حاضر ہے۔ 96 صفحات پر مشتمل کتاب کا نیا ایڈیشن، روشن کمپوزنگ، گلیزڈ کاغذ پر پاکیزہ طباعت، خوبصورت جلد اور حسین کور سے آراستہ ہے۔ کیا ہی بہتر ہوتا کہ دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ اپنی ہر تازہ کتاب کی اشاعت میں ISBN کا بھی اہتمام کرتا۔

☆ مبصر کا پتہ: J-3/78 کچی باغ، وارانسی-221001 (یوپی)
Mobile: 9839878316

□□□

تصورات وتفہیمات

(ادبی مضامین کا مجموعہ)

مصنف: پروفیسر عبدالبرکات

(Mobile: 8210281400)

تبصرہ: ارشد مسعود ہاشمی☆

کسی بھی ادیب کے مختلف اوقات میں لکھے گئے مضامین کا انتخاب یا مجموعہ اس کی فکری ترجیحات، موضوعاتی وسعت، اسلوب بیان اور تحقیقی نیز تنقیدی منہج سے واقفیت کا عمدہ ذریعہ ہوتا ہے۔ اس نقطۂ نظر سے دیکھیں تو پروفیسر عبدالبرکات کے

صفحات: 400 قیمت: -/445 اشاعت: 2025
ISBN 978-93-90579-77-8
ناشر: اپلائڈ بکس، 1739/104 فرسٹ فلور، ایم پی اسٹریٹ، پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی-110002
Tel. 011-44753890 - 9953630788

مضامین کا مجموعہ 'تصورات وتفہیمات' ان کی فکری رو کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔

پیش نظر کتاب میں 23 مضامین، پانچ تاثراتی مضامین اور خاکے، ایک انشائیہ اور چار افسانے یکجا کیے گئے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ کتاب موصوف کے علمی مشغلوں کی مختلف جہات کی شیرازہ بندی ہے۔ مضامین سے قبل 'قدرت کے کرشمے' کے عنوان سے لکھا گیا مقدمہ قاری کے لیے دلچسپیوں کا سامان مہیا کرتا ہے کیونکہ اس میں ایک مخصوص علاقے (مظفر پور) اور وہاں کی دانش گاہ کے معمولات ومعاملات مصنف کے ذاتی تجربوں کے پس منظر میں بیان کیے گئے ہیں۔ یہ تحریر نامساعد حالات میں تحصیل علم کے لیے کوشاں رہنے کی تحریک کی حیثیت بھی رکھتی ہے۔ بین السطور میں اقربا پروری سے حاشیہ برداری تک کے متنوع پہلو بھی زیر تذکرہ آئے ہیں۔

کتاب میں چند مضامین ایسے ہیں جن کے موضوعات اہمیت رکھتے ہیں۔ ان میں سے پہلا مضمون 'جمہوری ادب کا تصور' ہے جس میں مصنف نے عوامی ادب کے بمقابلہ جمہوری ادب کی اصطلاح اور اس کے مضمرات کو اہم تصور کیا ہے۔ اسی کی مناسبت سے ایک تحریر فیض کی شاعری میں جمہوری قدروں کے موضوع پر بھی لکھی گئی ہے۔ دیگر مضامین میں اقبال کی خودی، کلیم عاجز، قیس آروی کی شاعری، نسیم حجازی کی ناول نگاری، محمد حسن کے ڈراما 'ضحاک' اور غضنفر کے افسانہ 'سرسوتی سان' وغیرہ مصنف کے مطالعوں کی وسعت اور نقطۂ نظر کا پتہ دیتے ہیں۔ رپورتاژ اور سفرنامے کے موضوع پر لکھے مضمون سے مصنف کی دقیق نظری کی واقفیت بھی ہوتی ہے۔

مشمولات میں مصنف کے ایک انشائیہ کے ساتھ ہی ظریفانہ شعر وادب سے متعلق پانچ مضامین شامل ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف کی شخصیت کی تشکیل میں ان کے استاد، معروف مزاح نگار احمد جمال پاشا، کے کتنے اثرات شامل رہے ہیں۔ پاشا سے ان کی ذہنی وابستگی کی تصویریں تاثراتی مضامین کے حصے میں 'احمد جمال پاشا کے تعلق سے بھولی بسری یادیں' میں موجود ہیں۔ اس حصے میں مصنف نے مظفر پور سے تعلق رکھنے والے ایک اہم تنقید نگار خورشید سمیع کا خاکہ بھی محفوظ کر دیا ہے۔

ایک نابغۂ روزگار کے سلسلے میں بہت ہی شگفتہ اسلوب میں لکھی یہ ایک عمدہ تحریر ہے۔ پروفیسر عبدالبرکات کی یہ اسلوبیاتی شگفتگی مقدمے کے علاوہ دیگر مضامین، انشائیے اور افسانوں میں بھی محسوس کی جاسکتی ہے۔

علاقائی ادب اور اس کے پس منظر میں چند ادبی نظریات کی وضاحت کے ضمن میں کتاب 'تصورات و تفہیمات' لائق تحسین ہے۔ چند مقامات پر ٹائپنگ کے سہو کے سبب عبارتیں مبہم ہوگئی ہیں، کہیں املے کی غلطیاں در آئی ہیں۔ لیکن مجموعی طور پر کتاب حسن طباعت سے مزین ہے۔

☆ مبصر کا پتہ: شعبۂ اردو، جے پرکاش یونیورسٹی، چھپرہ۔(بہار)

Email: hashmiam68@gmail.com

Mobile: 9934502098

□□□

ہمارے تبصرے

مصنف: ڈاکٹر محمد مظاہر الحق

(Mobile: 7903347365)

تبصرہ: ڈاکٹر اے کے علوی☆

ڈاکٹر محمد مظاہر الحق کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے خود کو اردو کی خدمت کے لیے وقف کر دیا ہے۔ وہ پانچ دہائیوں سے اردو ادب کی آبیاری کر رہے ہیں۔ انہیں نہ صلے کی تمنا ہے نہ ستائش کی پروا۔ انہوں نے اردو نثر کی بیشتر اصناف میں طبع آزمائی کی ہے اور اپنی شناخت بھی بنائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو ادب کا قاری ان کو بطور محقق، ناقد، انشائیہ نگار، خاکہ نگار، سوانح نگار، مترجم اور تبصرہ نگار جانتا ہے۔ ان کی تادم تحریر بارہ کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ مثلاً خونی عاشق، شان بہار، حکیم لطیف احمد اور ان کی تاریخ گوئی، سیدہ اور ان کی تاریخ گوئی، اردو شاعری کا احتجاجی شعور، مستند ہے میرا فرمایا ہوا، مطالعات، مقالات نو، سوانح حیات، حضرت مولانا الحاج سید شاہ محمد نعمت اللہ فریدی (قدس سرہ)، سوانح حیات الحاج محمد ظہور عالم رضوی انوار، جب جب وہ یاد آئے اور زیر نظر کتاب 'ہمارے تبصرے'۔

صفحات: 224 قیمت:-/500 اشاعت:2025

ISBN 978-93-6062-964-9

ناشر: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی-110002

ملنے کا پتہ: بک امپوریم، سبزی باغ، پٹنہ-800004

Mobile: 9304888739

زیر تبصرہ کتاب 'ہمارے تبصرے' کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ڈاکٹر محمد مظاہر الحق کو تبصرہ کرنے کا ہنر آتا ہے۔ ان کے تبصرے پڑھنے کے دوران سب سے پہلے جس چیز پر نظر جاتی ہے وہ ہے صاحب کتاب کا تعارف۔ چند جملوں میں صاحب کتاب کا ایسا نقشہ کھینچتے ہیں جیسے دریا کو کوزے میں بند کردیا ہو۔ 'ہمارے تبصرے' میں یہ خوبیاں جابجا نظر آتی ہیں۔ ملاحظہ ہو احسان سیوانی کا تعارف:

"اصل نام احسان احمد، شاعری کا آغاز کیا تو احسان بہاروی ہو گئے اور جب شاعری کا شوق بام عروج پر پہنچا تو احسان سیوانی کہلائے۔ آپ کو پروفیسر حیدر علی نیر اور مجنوں قبطی سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ احسان سیوانی کا شمار ان شعرا میں ہوتا ہے جو اپنے طالب علمی کے زمانے سے ہی مشاعروں، اخبارات اور رسائل میں چھا گئے۔ اگرچہ احسان سیوانی نے سائنس سبجیکٹ سے گریجویٹ کیا مگر شاعری سے ان کا رشتہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مزید مستحکم ہوتا گیا۔" (ص ۶۷)

اسلم سیفی کا تعارف:

"اصل نام محمد اسلم لیکن ادبی دنیا میں اسلم سیفی کے نام سے مشہور ہوئے۔ اسلم سیفی کا تعلق ایک پڑھے لکھے خانوادے سے ہے۔ آپ کے والد بزرگوار مولوی عبدالمالکؒ مدرسہ عزیزیہ ضلع ارول میں ہیڈ مدرس تھے۔ اس مدرسے میں اسلم سیفی کے چچا ابوسعید بھی استاد تھے۔ اسلم سیفی کی پیدائش ۱۹۵۵ء میں موضع پکاہی ضلع جہان آباد میں ہوئی۔ اس موضع کو یہ فخر حاصل ہے کہ اسلم سیفی جیسا باکمال شاعر یہاں پیدا ہوا۔ اسلم سیفی اپنے موضع کے پہلے شاعر ہیں۔ ان سے قبل اس موضع میں کوئی شاعر تھا ہی نہیں۔" (ص ۹۰)

'ہمارے تبصرے' کا مطالعہ کرنے پر قاری کو علم ہوتا ہے کہ

ڈاکٹر محمد مظاہر الحق کا مطالعہ کس قدر وسیع ہے۔ ان کے تبصروں میں اکابر اردو اور انگریزی کے اقوال جابجا ملتے ہیں جس سے قاری کو صاحب کتاب کا نقطہ نظر سمجھنا سہل ہوجاتا ہے۔ چند اقوال ملاحظہ ہوں:

الف: ظ انصاری اپنے مضمون 'ترجمے کے بنیادی مسائل' (مطبوعہ ادب لطیف لاہور، اگست ۱۹۳۵ء) میں رقمطراز ہیں کہ ''ترجمہ کرنے کے لیے جس درجے کی ذہانت، سنجیدگی، علم اور مشق کی ضرورت ہوتی ہے وہ بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہے۔'' ان ہی کم لوگوں میں پروفیسر محمد محفوظ الحسن کا شمار ہوتا ہے۔ (ص ۴۵)

ب: بقول منشی پریم چند ''ہماری کسوٹی پر وہ ادب کھرا اترے گا جس میں تفکر ہو، آزادی کا جذبہ ہو، حسن کا جوہر ہو، تعمیر کی روح ہو، زندگی کی حقیقتوں کی روشنی ہو جو ہم میں حرکت ہنگامہ اور بے چینی پیدا کر دے۔'' مذکورہ قول افتخار عظیم چاند کے افسانوں پر پوری طرح صادق آتا ہے۔ (ص ۵۵)

ت: مبصروں کے فرائض اور تبصروں کی اہمیت و افادیت اور اس فن کے کیا فنی تقاضے ہیں اس سلسلے میں پروفیسر احتشام حسین رقمطراز ہیں کہ ''تبصرہ نگار کو فیصلہ کن انداز اختیار کرنا ہی پڑے گا کیونکہ اس کی رائے ایک ایسی کسوٹی ہے جس پر پڑے ہوئے نشانات ہی قارئین کے لیے جانا بوجھا راستہ بن سکے۔ تبصرہ نگار سے یہ امید کی جاتی ہے کہ وہ مصنف، اس کے ماحول، اس کے نقطہ نظر، اس کے اسلوب بیان، تصنیف کی عام خوبیوں اور خامیوں کے متعلق ایسے اشارے کرے گا جس سے کتاب کے متعلق اتنا معلوم ہو جائے گا کہ کتاب کو فوراً پڑھا جائے یا کسی خاص سلسلے میں کسی خاص موقع پر''۔ مختصر یہ کہ ڈاکٹر رضوان اللہ آروی کے تبصروں کو پڑھ کر پروفیسر سید احتشام حسین کے مذکورہ قول کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ (ص ۱۱۲)

ث: بقول ملٹن ''شعر کی خوبی یہ ہے کہ سادہ ہو، جوش سے بھرا ہوا اور اصلیت پر مبنی ہو۔'' اسلم سیفی کے کلام میں متذکرہ تینوں خوبیاں پائی جاتی ہیں جو انہیں ایک باصلاحیت اور کامیاب شاعر کا درجہ عطا کرتی ہے۔ (ص ۹۵)

'ہمارے تبصرے' کے مطالعہ سے یہ بھی علم ہوتا ہے کہ مبصر کے حافظے میں اردو اشعار کس قدر محفوظ ہیں۔ احسان سیوانی کا شعری مجموعہ 'مٹی کی مہک' پر تبصرے میں انہوں نے صاحب کتاب کے اشعار کا دوسرے شاعر کے اشعار سے کیا خوب تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے۔ ملاحظہ ہوں:

الف: احسان سیوانی نے بھی روایتی مضامین پر طبع آزمائی کی ہے اور اچھے اشعار نکالے ہیں۔ مومن کا شعر:

ناوک انداز جدھر دیدہ جانا ہوں گے
کتنے نیم بسمل ہوں گے کتنے بے جان ہوں گے

اور احسان سیوانی کا یہ شعر دیکھیں جس کا انداز ہمیں لطف و انبساط کی لذت سے ہمکنار کرتا ہے:

سب تیری نگہ ناز کے صدقے
جاں بلب ہیں کئی گھائل کتنے

ت: اسلم سیفی کی کتاب 'پھول جیسی گفتگو' پر تبصرے میں ڈاکٹر محمد مظاہر الحق رقمطراز ہیں کہ ''اسلم سیفی نے اپنی شاعری میں جو مضمون باندھا ہے اسے دیگر شاعروں نے بھی باندھا ہے مگر جو تازگی، صفائی اور ندرت اسلم سیفی کے کلام میں ہے وہ اوروں میں نہیں۔'' مثلاً ندا فاضلی کا یہ شعر ملاحظہ کریں:

دشمنی لاکھ سہی ختم نہ کیجیے رشتہ
دل ملے یا نہ ملے ہاتھ ملاتے رہئے

اب اسلم سیفی کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

ہاتھ بھی رسماً ملانا اس لیے بے کار ہے
دست الفت کو میرے دست طلب سمجھا گیا

ڈاکٹر محمد مظاہر الحق کے تبصروں کو پڑھنے کے دوران قاری کو کسی قسم کے ابہام کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ وہ اپنی رائے کا اظہار دوٹوک کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

'عظیم آبادی کے فارسی اساتذہ' کتاب پر تبصرہ میں رضوان اللہ آروی کی نثر کے متعلق ڈاکٹر صاحب نے اپنی رائے کا جو برملا اظہار کیا ہے اسے دیکھئے ''جس طرح آبشار سے گر کر پانی رواں دواں ہوجاتا ہے اسی طرح رضوان اللہ آروی کی نثر ہے۔ قاری پڑھتا جائے اس کی طبیعت مکدر نہیں ہوتی۔ قاری نہ معنی فہمی میں اٹکتا ہے اور نہ ہی اسے ادق الفاظ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ نثر میں اشعار کھپانے کا فن کوئی ڈاکٹر رضوان اللہ آروی

سے سیکھے۔'' (ص ۱۶۹)

اکبر رضا جمشید کی کتاب 'یادوں کے چراغ' کے متعلق تبصرہ نگار کی رائے دیکھیں۔''یادوں کے چراغ ایک معلوماتی کتاب ہے۔مصنف کا انداز بیان اس قدر دلچسپ ہے کہ قاری دوران مطالعہ اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا۔اس کتاب میں جتنے واقعات درج کیے گئے ہیں وہ فرسٹ انفارمیشن کا درجہ رکھتے ہیں۔اگر یہ کہا جائے کہ اکبر رضا جمشید نے مذکورہ کتاب میں شامل حضرات کو ادب کی دنیا میں امر کر دیا ہے تو غلط نہ ہوگا۔'' (ص ۲۱۴)

'ہمارے تبصرے' کے مطالعہ کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ڈاکٹر محمد مظاہر الحق کتاب سونگھ کر تبصرہ نہیں کرتے بلکہ وہ پہلے کتاب کا غائر مطالعہ کرتے ہیں پھر تبصرہ تحریر کرتے ہیں۔ پروفیسر ایم کمال الدین کی کتاب 'چاندنی دھوپ کی' تبصرہ کے دوران صاحب کتاب کے چند جملوں کو نقل کیا ہے جس سے جہاں قاری محظوظ ہوتا ہے وہیں صاحب کتاب کی فراست کا بھی علم ہو جاتا ہے۔ملاحظہ ہو:

☆ اطمینان کی سانس شام جاں میں روح افزا طمانیت پھیلا دیتی تھی۔

☆ میرے جھولے میں دو تین آم تھے جن کی خوشبو سے دماغ متحرک قوت ذائقہ لذت کوش اور رفتار تساہل بردوش تھی۔

☆ طوالت ہوگی جو باعث خجالت بھی ہوسکتی ہے۔

☆ مجھے ان چھڑیوں کی جسم پر برق پاشیوں کی یاد ابھی بھی تازہ تھی۔

ڈاکٹر محمد مظاہر الحق کی نثر رواں دواں ہے۔ان کے جملوں میں ایسی بے ساختگی ہے کہ قاری عش عش کرنے لگتا ہے۔ان کو محاورے کھپانے کا فن بھی خوب آتا ہے۔ملاحظہ ہو:

☆ چند منٹوں میں سارے ناشتے پر ہاتھ کی صفائی کا محاورہ صادق آ گیا۔ (ص ۱۲۳)

☆ موصوف کو اپنی زندگی میں کلام کی اشاعت کی خواہش ضرور تھی مگر بقول غالب 'ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پر دم نکلے'، موسیٰ کلیم کی مذکورہ خواہش تو پوری نہ ہو سکی مگر ان کا دم ضرور نکل گیا۔ (ص ۱۲۹)

☆ لوگوں کو چاہیئے کہ 'چراغوں کا دھواں' کو بھی تعویذ جیسی حفاظت میسر کریں اور جب طبیعت گری ہو، ذہن پریشان ہو، غموں سے طبیعت نڈھال ہو تو مذکورہ کتاب میں قصہ چائے کا، قصہ کھانے کا، قصہ پان کا، باب پڑھ لیں پھر طبیعت بحال سمجھیں۔ (ص ۱۶۲)

یوں تو تبصروں پر مشتمل کئی کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں مگر ڈاکٹر محمد مظاہر الحق کی کتاب 'ہمارے تبصرے' کو نمایاں مقام حاصل ہے۔اس کتاب میں کل ۵۷ کتابوں پر تبصرے ہیں جو نہ صرف قابل مطالعہ ہیں بلکہ بصیرت افروز بھی ہیں۔یہ تبصرے کی پہلی کتاب ہے جس میں کتابوں کے سرورق کی تصاویر بھی محفوظ کردی گئی ہیں۔کتابت، طباعت اور کاغذ نفیس ہے۔

☆ مبصر کا پتہ: ہاؤس نمبر 1، وارڈ نمبر 30، علوی ہاؤس، چوکھنڈی، سہسرام-821115 ضلع روہتاس۔(بہار)
Mobile: 9304520864

□□□

تلاش

مصنف: سراج اکرم

تبصرہ: عبدالحیٔ اثری☆

مسلمانوں کے حالات، ان کے مسائل اور ان کے ممکنہ حل کے سلسلے میں بہت سے لوگ سوچتے رہتے ہیں اور اپنے غور و فکر کے نتائج کو سامنے لاتے رہتے ہیں تا کہ مسلمانوں کے حالات میں تبدیلی آئے اور وہ بھی دنیا کی دوسری قوموں کے ساتھ ترقی کی تلاش میں آگے بڑھتے جائیں۔آج مسلمانوں کو تلاش ہے نئے افکار، نئی تدابیر اور نئی راہوں کی۔کھوئی ہوئی عظمت، جرأت، حکمت اور عزت کی۔ وقت کی رفتار کے ساتھ قدم بڑھانے کے لیے عزم اور حوصلے کی۔ اگر آپ مسلمانوں کے روشن مستقبل کے خواہاں ہیں تو سراج اکرم کی یہ کتاب آپ کے لیے بہترین رہنما ثابت ہوسکتی ہے۔

صفحات: 288 قیمت:-/300 اشاعت:2023
ناشر: ہدایت پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرس، F-155، ہدایت اپارٹمنٹ، شاہین باغ، جامعہ نگر، نئی دہلی-110025

سراج اکرم کا تعلق دربھنگہ (بہار) سے ہے اور وہ پیشے سے ڈیزائنر ہیں۔ فی الحال ریاض (سعودی عرب) میں مقیم ہیں۔ 'تلاش' ان کی دوسری کتاب ہے۔ ان کی پہلی کتاب 'مسلم فیکٹ بک' ہے جو انگریزی میں ہے اور 2020 میں شائع ہوئی تھی۔ زیرنظر کتاب سراج اکرم کے تجزیاتی مضامین کا مجموعہ ہے، جو مسلمانوں کے مسائل کے تئیں ان کی فکر کی غمازی کرتے ہیں۔ اس میں انہوں نے مسلمانوں کے تقریباً تمام مسائل اور ایشوز پر گفتگو کی ہے، مگر وہ اتنے گنجلک ہیں کہ تقریباً ہر مضمون میں ان کی جھلک نظر آتی ہے۔

یہ کتاب تقریباً 56 مضامین/ چھوٹے بڑے مضامین پر مشتمل ہے۔ بعض مضامین کے عنوان اس طرح ہیں: زندگی میں وضاحت کا ہونا ضروری ہے، خود احتسابی ضروری ہے، نئی نسل کی پرورش میں معاشرہ کا رول، جو جیتا وہی سکندر، حضرت عمر بن خطابؓ کی بصیرت کو ترستی قوم، سہارے تلاش نہ کریں، اتحاد کی تلاش، جنون زندگی، فکری اور اخلاقی وائرس، آئیڈیا سے دنیا بدلتی ہے، زمانے کی خبر پہ نہیں اپنی ذمہ داری پر دھیان دیجیے، سبھی مسائل کا حل ہے بس طریقہ مناسب ہونا چاہیے، تبدیلی کے لیے تدبیر ضروری ہے، مسلمانو! آپ کی ٹرین چھوٹ گئی ہے، کیا طاقت کے بغیر دین قائم ہوسکتا ہے؟ ہندوستانی مسلمانوں کے لیے چالیس سفارشات، ٹیکنالوجی اسلام کی مددگار ہے، اور شاید کہ اُتر جائے ترے دل میں مری بات... وغیرہ۔ مصنف نے سادہ اور عام فہم اسلوب میں اپنی بات پیش کرنے کی کوشش کی ہے مگر زبان و بیان پر مکمل طور سے قدرت حاصل نہیں ہے۔ اس لیے الفاظ اور جملوں کی ترتیب میں بے ربطی ہے اور الفاظ کا مناسب استعمال نہیں کر پائے ہیں۔ اپنی باتوں کی وضاحت کے لیے بعض جگہ اشعار بھی پیش کرتے ہیں۔ کہیں شاعر کا نام ہے اور کہیں نہیں ہے جبکہ ہر شعر کے ساتھ شاعر کا نام ہونا چاہیے۔ کچھ اشعار میں کتابت کی غلطی بھی ہے۔ دیکھیں صفحہ 91، یہاں یورش یلغاری کے بجائے یورش بلغاری ہونا چاہیے۔ اسی طرح صفحہ 234 پر ناٹپکا کی جگہ نہ ٹپکا ہونا چاہیے۔

مسلمانوں کے مسائل کا حل کیسے ہو؟ اس سلسلے میں مصنف لکھتے ہیں: ''پریکٹیکل اپروچ سے ہی مسائل کا حل نکل سکتا ہے۔ دن میں خواب دیکھنا بند کرنا ہوگا۔ تنقید کرنے یا غیروں کی خرابیاں بیان کرنے سے کچھ بھلا نہیں ہونے والا، خود کے مسائل پر توجہ دینا ہوگا، اور مسائل کے حل کے لیے عملی کوشش کرنی ہوگی۔ غیروں سے بہتری کی توقع کرنا چھوڑ دیجیے۔ کیا کیا ہونا چاہیے وہ سب کو پتہ ہے، کیسے ہونا چاہیے اور اس کے لیے اوزار، تکنیک اور وسائل کیسے مہیا کیا جاسکتا ہے، مطلوبہ ہدف حاصل کرنے کے لیے لائحہ عمل کیا ہونا چاہیے یہ بتانا ضروری ہے۔'' (ص:212) مصنف کا کہنا بجا ہے کہ کیا کیا ہونا چاہیے وہ سب کو پتہ ہے۔ آج تک قوم کے دانشور اور لکھاری یہی کرتے آئے ہیں۔ اس کتاب میں بھی یہی کچھ ہے۔ مصنف نے مسلمانوں کی صورت حال کی بہتری کے لیے جو لائحہ عمل یا مشورے دیے ہیں کیا عملی طور پر خود کچھ کر رہے ہیں یا انہوں نے اپنے علاقے یا اپنی بستی ہی کی سطح پر کچھ عملی اقدامات کیا ہو تو اس کو پیش کرنا چاہیے تاکہ کچھ عملی نمونے سامنے آئیں اور قوم کی اصلاح و ترقی کا سفر آگے بڑھے۔ ضمناً یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ مصنف مسلمانوں کو ایک قوم کی حیثیت سے خطاب کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی حیثیت قوم سے زیادہ اُمت کی ہے۔

ہندوستانی مسلمانوں کے لیے چالیس سفارشات اور اپنی زندگی اور معاشرے کو تبدیل کرنے کا چند نکاتی منصوبہ پوری کتاب کا حاصل اور نچوڑ ہے۔ اگر ان پر عمل پیرا ہوا جائے تو مثبت تبدیلی آسکتی ہے۔ مصنف کی بعض باتوں سے آپ کو اختلاف ہوسکتا ہے، مگر باتیں اور سفارشات مفید ہیں۔ ان سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ جیسے مساجد کے کردار کا احیا، تعلیمی بینک کا قیام، زکوٰۃ کی وصولی اور خرچ کا نظام، ظالموں کا ہاتھ پکڑنا، وغیرہ۔

یہ کتاب حقیقت کو جاننے، اس پر سوچنے اور عمل کرنے کی ترغیب کے مقصد سے لکھی گئی ہے۔ (ص26) جس کتاب کو لکھنے کا مقصد یہ ہو اس کے لیے ناصحانہ اسلوب بہتر ہے مگر ہر جگہ حکمیہ اسلوب میں بات کہی گئی ہے۔ جیسے دن میں خواب دیکھنا بند کرنا ہوگا۔ یہ کرنا ہوگا، وہ کرنا ہوگا وغیرہ۔ بحیثیت مجموعی ایک عمدہ کتاب ہے اور ہر فرد کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیے کیونکہ ہر فرد ملت کے مقدر کا ستارہ ہے۔

☆ مبصر کا پتہ: D-307، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی-25
Mobile: 9015203553

□□□

سچ ہی تو ہے

مصنف: ڈاکٹر سیّد فاضل حسین پرویز

تبصرہ: محمد عارف اقبال

اردو صحافت کی دنیا میں تقریباً 35 برسوں کا تجربہ رکھنے والے ہفت روزہ گواہ، حیدرآباد کے ایڈیٹر ڈاکٹر سیّد فاضل حسین پرویز (پ:20 جون 1961) کا شمار اِس وقت اردو کے چند نڈر اور بے باک صحافیوں میں ہوتا ہے۔ ان کے اداریوں کو پڑھ کر معروف صحافی اور دانشور محترم عالم نقوی (وفات:3 اکتوبر 2024) کی یادتازہ ہوتی ہے۔ سیّد عالم نقوی کا شماران باوقار صحافیوں میں ہوتا ہے جو نہ صرف علم وادب سے گہرا تعلق رکھتے تھے بلکہ زبان وقلم کو اللہ رب العزت کی طرف سے امانت تصور کرتے تھے۔ وہ تاحیات اس کی پاسداری کرتے رہے۔ ان کے مضامین اور اداریوں پر مشتمل دس کتابیں ان کی مقصدی زندگی اور اعلیٰ نصب العین کو سمجھنے کے لیے کافی ہیں۔

زیرنظر کتاب 'سچ ہی تو ہے' دو برس قبل ہی راقم کو حیدرآباد میں ڈاکٹر سیّد فاضل حسین پرویز نے اپنے دفتر میں دی تھی۔ کتابوں کے ڈھیر میں ان کی یہ کتاب گم ہوکر رہ گئی تھی۔ چند ماہ قبل جب دفعتاً اس کتاب پر نظر پڑی تو احساس ہوا کہ یہ اپنے موضوع کے اعتبار سے بے حد اہمیت کی حامل ہے۔ عام طور پر اردو اخبار میں شائع ہونے والے اداریے زیادہ موضوع بحث نہیں ہوتے۔ اب ایسے صحافی تقریباً معدوم ہوتے جارہے ہیں جن میں فکر کی گہرائی ہو اور وہ جدید تقاضوں سے ہم آہنگ خیالات کے حامل ہوں۔ اردو کے بیشتر سینئر صحافیوں کی تحریریں بھی اب محض صحافیانہ نیز فکری گہرائی و رہنمائی سے خالی ہوتی ہیں۔ سوشل میڈیا کے اس دَور میں ان کے مضامین ایک سے زائد جگہ صرف اس لیے چھپتے ہیں کہ انھوں نے اپنا قد اونچا کرنے میں انتھک محنت کی ہے۔ اردو اخبارات کی ضرورت وہ اس لیے بن گئے ہیں کہ اخبار کے پیٹ کو بھرنا ناگزیر ہوتا ہے۔ اس وقت ملک میں اردو کے معدود چند صحافی ہی ہوں گے جو اپنی تحریر لکھتے وقت اپنے دل ودماغ کو حاضر رکھتے ہیں اور سب سے اہم بات یہ کہ ان کی زندگی کا نصب العین تعمیری اور اعلیٰ ہوتا ہے۔ ان میں سے کوئی سینئر صحافی عصری تقاضے کو محسوس کرتے ہوئے اگر اپنے کالم میں کچھ لکھنا بھی چاہے تو وہ اس خوف کی نفسیات میں مبتلا رہتا ہے کہ اس کی تحریر میں کتر بیونت کی جاسکتی ہے۔ نتیجے کے طور پر تحریر کا اصل مقصد ہی فوت ہوسکتا ہے۔

فاضل حسین پرویز ان خوش قسمت اردو صحافیوں میں شامل ہیں جن کی ریاضت صحافت کے میدان میں ایک واضح نصب العین کے گرد گھومتی ہے۔ وہ ایک تعلیم یافتہ صحافی ہیں اور عثمانیہ یونیورسٹی کے پی ایچ. ڈی اسکالر رہے ہیں۔ انسان سے غلطی کسی بھی وقت ہوسکتی ہے لیکن درست نیت اور شعوری بیداری اسے اصلاح پر آمادہ کرتی ہے۔ انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں ایمان داری شرط ہے۔ منافقت کی روِش انسانی نسل کو تباہ کردیتی ہے۔ اردو صحافت کے ساتھ ایک بڑا المیہ یہ ہوا کہ یہاں 'ایمانداری' رفتہ رفتہ رخصت ہوگئی اور 'ایمان' کا سرا بھی چھوٹنے لگا۔ معلومات کی اس دنیا میں آپ محض معلومات (Information) مہیا کرکے ذمہ داریوں سے سبکدوش نہیں ہوسکتے۔ صحافی کی حیثیت ایک رہنما (Guide) کی بھی ہوتی ہے۔ رہنما ہی سماج کو سمت دیتا ہے اور سخت آزمائش میں بھی سماج کو صبر (Patience) کی تلقین کرتا ہے۔ صبر وہ کلید (Master Key) ہے جو سماج اور فرد کو جرم کرنے سے روک دیتی ہے۔ اگر صحافی فرد اور سماج کو صرف مشتعل (Provoke) کرتا رہے تو سماج نہ صرف بے سمتی کا شکار ہوتا رہے گا بلکہ انسانیت اور وقار سے بھی محروم ہوجائے گا۔

فاضل حسین پرویز نے ہفت روزہ 'گواہ' کا اجرا 1999 میں کیا تھا۔ اپنا اخبار نکالنے کے ساتھ ہی وہ 'آزاد صحافی' ہوگئے۔ 'آزاد صحافی' اس معنی میں کہ ان کو اپنے لیے پالیسی اور پروگرام خود ہی مرتب کرنا تھا۔ حالات جتنے سخت کیوں نہ ہوں،

صفحات: 364 قیمت:-/350 اشاعت: دسمبر 2018
ناشر: میڈیا پلس فاؤنڈیشن، چوتھی منزل، جامعہ نظامیہ کمپلیکس روبرو SBI، گن فاؤنڈری، عابڈس، حیدرآباد-500001 (تلنگانہ)
Mob: 9345381226 - fazilparvez@gmail.com

ایک اخبار کے مدیر کا 'اداریہ' اس کے تعمیری ذہن اور واضح نصب العین کا آئینہ ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ مدیر سے بہت سے لوگ اختلاف کرتے ہوں اس کے برعکس ایمانداری اور سچائی کونشانِ راہ بنانے والا مدیر مداہنت سے کام نہیں لیتا۔ رفتہ رفتہ اس کے قارئین پر سچائی کے مثبت اثرات مرتب ہونے لگتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ فاضل حسین پرویز کی ایک کتاب 'اردو میڈیا کل اور آج' (509 صفحات) کے دو ایڈیشن شائع ہوئے۔ یہ کتاب جھارکھنڈ اور متھلا یونیورسٹی (بہار) میں بی اے اور ایم اے کے نصاب میں داخل کی گئی۔ اس کے بعد ان کے اداریوں کا پہلا مجموعہ 'سچ تو مگر کہنے دو' داد و تحسین حاصل کر چکا ہے۔ ان کی سچی لگن اور محنت اس طور بھی نتیجہ خیز ہوئی کہ حیدرآباد میں انہوں نے 'گواہ' کی ادارت کرتے ہوئے اپنا میڈیا ہاؤس قائم کیا۔

'سچ ہی تو ہے' تقریباً 88 اداریوں کا مجموعہ ہے۔ اس کا آخری اداریہ 'لارنس اور عالم عرب' غالباً 2018 میں لکھا گیا ہے۔ اگر ہر اداریہ کے آخر میں اشاعت کی تاریخ درج کر دی جاتی تو زیادہ بہتر ہوگا۔ اس کتاب کا انتساب صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم اجمعین) کے نام ہے جنہوں نے دینِ حق کی سربلندی کے لیے ہر قسم کی قربانی دی۔ کتاب کے پیش لفظ میں سیّد فاضل حسین اپنے تجربے کی بنیاد پر دوٹوک انداز میں لکھتے ہیں:

''صحافتی ادارے خود کو سچائی کا علمبردار قرار دیتے ہیں جبکہ بیشتر ادارے سچ کے مذبح ہوتے ہیں جہاں سچ کا گلا گھونٹا جاتا ہے اور پھر اسے زندہ دفن کر دیا جاتا ہے۔'' (یہ بھی سچ ہے ...)

اب بھلا موجودہ اردو صحافت کے تناظر میں 'دینک جاگرن' کے تحت شائع ہونے والے روزنامہ انقلاب کے ایک مدیر (نارتھ انڈیا) کی یہ بات گلے سے کیونکر اُتر سکتی ہے کہ موجودہ اردو صحافت 'پیغمبرانہ مشن' ہے۔ 'سچ بولنا ضروری ہے' اس عنوان سے مدیر نے اپنے مضمون میں بڑی اہم بات لکھی ہے:

''صحافت بھی صحیفہ سے نکلا ہے... اس کا مقصد باطل کو مٹانا، حق کو پھیلانا، عوام میں شعور کی بیداری، معلومات کی فراہمی، برائی سے روکنا، اچھائی کی ترغیب دینا ہے۔'' اگر ایسی بات ہے تو بلاشبہ صحافت 'پیغمبرانہ مشن' بن سکتی ہے۔ لیکن موجودہ اردو صحافت مجموعی طور پر اس جذبے سے عاری نظر آتی ہے۔ پرویز صاحب کا طرہ امتیاز جہاں حق اور سچائی کو اجاگر کرنا ہے وہیں ان کے موضوعات متنوع ہوتے ہیں۔ اس کتاب میں شامل ادارتی مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ مدیر کی فکری صالحیت ان کے ہر اداریہ میں عیاں ہے۔ وہ اپنی بات سلیقے سے کہتے ہیں اور سچ بولتے ہیں۔ اس لیے ان کے اداریے کا ہر 'کالم' سچ سے عبارت ہوتا ہے۔ 'سچ تو مگر کہنے دو' ان کے اداریہ کے کالم کا نام ہے۔ ہفت روزہ گواہ (8 تا 16 اگست 2025) کے اداریہ کا یہ اقتباس ملاحظہ کیجیے:

''... اپنا محاسبہ کر کے جب ہم اپنے آپ کو مضبوط بنا لیں گے تو مخالف منصوبہ ساز یا تو خود کو نیوٹرل کر لیں گے یا پھر اللہ نے چاہا تو ہمارے دھارے میں شامل ہو جائیں گے۔ ہماری تباہی و بربادی کا جشن منانے والوں کی خوشیاں اور ان کی کامیابیاں دائمی نہیں، عارضی ہیں۔ وقت ہمیشہ کسی ایک کے ساتھ نہیں ہوتا۔ کیسے کیسے سورما خاک میں مل گئے، کیسی کیسی طاقتیں فنا ہوئیں، یہ ہم نے بھی دیکھا اور تاریخ نے بھی اپنے سینے میں محفوظ رکھا ہے۔''

مدیر کے بے باک اظہار خیال اور صالح ذہن کی عکاسی کا کسی قدر اندازہ ہو گیا ہوگا۔ اب آئیے نمونے کے طور پر کتاب کے چند دیگر موضوعات کے اقتباس پر غور کریں:

''فرانس، ڈنمارک اور کئی مغربی ممالک میں اسلام دشمنی عام ہے۔ مسلمانوں کی دل آزاری کی جاتی رہی... اور جب دلبرداشتہ مسلمانوں نے ان گستاخوں کو سزا دی تو انہیں عالمی دہشت گرد کے طور پر پیش کیا۔ مغربی میڈیا اس قدر حرامی ہے کہ وہ مسلمانوں کے کسی اقدام کو بڑھا چڑھا کر منفی انداز میں پیش کرتا ہے مگر ان وجوہات کو نظر انداز کر دیتا ہے جس کی وجہ سے مسلمان ردعمل کے لیے مجبور ہوتے ہیں۔'' (کب تک بدنام کرتے رہو گے؟، ص:26)

''یہ خدائی قانون ہے کہ جب ظلم حد سے زیادہ بڑھ جاتا ہے تو ظالم سے خود ایسی غلطیاں سرزد ہوتی ہیں کہ وہ خود شکنجہ میں آجاتا ہے۔ ہندوستان ایک عظیم جمہوریت ہے۔ یہاں بعض حکمرانوں نے اپنے اقتدار کو بچانے کے لیے ڈکٹیٹرشپ ضرور کی، مگر تاریخ گواہ ہے کہ ان ڈکٹیٹرس کے سر عوام کی 'ٹھوکروں' میں رہے۔'' (واہ رے قانونِ قدرت، ص:50)

''مسلم نوجوانوں کو غلط راستے سے محفوظ رکھنے کی ذمہ داری ہر ایک پر ہے۔ چاہے یہ نوجوان تعلیم یافتہ ہو یا غیر تعلیم یافتہ، چاہے وہ تعلیم یافتہ ماں باپ کے اولاد ہوں یا ان پڑھ جاہل گنوار کیوں نہ ہو... یہ بہر حال مسلم قوم کا حصہ ہے۔''

(اپنے بچوں کی اپنے ہی ہاتھوں تباہی،ص:115)

''... بیشتر سرکاری ڈاکٹرس پرائیویٹ پریکٹس کرتے ہیں، ڈائیگناسٹک سنٹرس سے کمیشن لیتے ہیں۔ اپنے کلینک یا نرسنگ ہوم پر مریض کو بلاتے ہیں۔ معاملہ سرجری کا ہو تو گورنمنٹ ہاسپٹل کے آپریشن تھیٹر کو استعمال کرتے ہیں اور پرائیویٹ ہاسپٹلس کی فیس اپنی جیب میں رکھ لیتے ہیں۔''

(ایک گورکھپور ہاسپٹل ہی کیا،ص:165)

''امریکہ کے موجودہ صدر ٹرمپ نے اپنی پہلی پریس کانفرنس میں CNN کے نمائندے کو جھوٹا قرار دیا تھا۔ کیونکہ CNN نے اپنے سروے میں ہلاری کلنٹن کی کامیابی کے 80 فیصد امکانات ظاہر کیے تھے۔ ٹرمپ اگر CNN کو جھوٹا کہتے ہیں تو ان سے زیادہ اور کون واقف ہوسکتا ہے۔ کیونکہ یہ CNN اور FOX جیسے چینلس ہی تھے، جنہوں نے عراق میں کیمیائی ہتھیاروں کی موجودگی کا اس قدر پروپیگنڈہ کیا کہ اس کی بنیاد پر امریکہ اور اس کی اتحادی فوج نے عراق کو تہس نہس کر دیا۔''

(دامن کیسے بچائیں، جھوٹ کی نگری میں،ص:250)

''100 برس پہلے خلافت عثمانیہ کا خاتمہ ہوا۔ مکہ کے امیر شریف حسین اور ان کے دو بیٹوں علی اور فیصل نے لارنس کی مدد سے مدینہ منورہ میں خلافت عثمانیہ کی فوجی چھاؤنی پر حملہ کر کے حکومت کا تختہ اُلٹ دیا تھا۔ عالم عرب کی یہ پہلی شورش تھی۔ ایک مسلم گروپ نے اپنے اقتدار کی وسعتوں کو مزید پھیلانے کے لیے دوسرے مسلم حکومت کے خلاف بغاوت کروائی اور اس کے لیے انگریزوں کے فوجی جاسوس کی مدد لی۔''

(لارنس اور عالم عرب،ص:351)

مذکورہ اقتباسات کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ سیّد فاضل حسین پرویز جس موضوع پر بھی لکھتے ہیں، حق ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ اپنی ذہانت سے کسی بھی موضوع پر مستند معلومات کے ساتھ اظہار خیال کر سکتے ہیں۔ حالات حاضرہ کے واقعات سے آگاہ رہنے کے لیے سیّد فاضل حسین کے مکمل ادارے انتہائی مفید اور پُرمغز ہوتے ہیں۔ پرویز صاحب کا نثری اسلوب رفتہ رفتہ نکھرتا جارہا ہے۔ توقع ہے کہ اوکسفرڈ انگلش کی طرح اگر انہوں نے اردو کے بین الاقوامی اسلوب پر قابو پالیا تو ان شاءاللہ ہر حلقے میں ان کی پذیرائی ہوگی۔ دکنی بولی کو ہرگز ترک نہ کریں لیکن لکھنے میں (ابن صفی علیہ الرحمہ کی طرح) بین الاقوامی اسلوب کا خاص خیال رکھیں اور دکنی انداز سے گریز کریں۔ اردو زبان وادب کے لیے ضروری ہے کہ اس کا اسلوب اور معیار عصری تقاضے کو ملحوظ رکھتے ہوئے بین الاقوامی ہو۔ اب دہلوی، اودھی یا دکنی کا دور قصہ پارینہ ہو چکا ہے۔

□□□

اردو نثر میں جدید ترسیل کے ذرائع

(صحافتی نثر اور ریڈیو نشریات پر مضامین کا موضوعاتی جائزہ)

مصنف: پروفیسر مجید بیدار

تبصرہ: شکیل رشید☆

آج کا دَور ابلاغ و ترسیل کے جدید ذرائع کا دَور ہے۔ اب ترسیل کا عمل ضروری ہی نہیں لازمی قرار پایا ہے۔ سچ یہ ہے کہ اگر ترسیل کا عمل رُک جائے، تو کاروبارِ دنیا ٹھپ ہوکر رہ جائے، نزدیکیاں دیکھتے ہی دیکھتے دوریوں میں بدل جائیں۔ اسی لیے سائنس داں ترسیل کے جدید ذرائع کی کھوج میں سرگرداں رہتے ہیں۔ آئے دن کوئی نہ کوئی ایسی ایجاد سامنے آجاتی ہے، جو ترسیل کے ذرائع میں نیا اضافہ ہوتی ہے۔ اس عہد کی صحافت کا سارا دارومدار ترسیل کے ذرائع پر ہی ہے۔ میڈیا کے لیے — وہ چاہے پرنٹ میڈیا ہو یا الیکٹرانک میڈیا — جدید سے جدید ذرائع ترسیل و ابلاغ دوسروں کے مقابلے زیادہ اہم

صفحات: 392 قیمت:-/300 اشاعت:2022
ISBN 978-93-93838-08-7
ناشر: سیّدہ ریاض النساء، حیدرآباد-500008 (تلنگانہ)
Mobile: 9441697072

ہیں ۔ جہاں تک اردو میڈیا کا تعلق ہے، تو اس کا انحصار بھی ، دوسری زبانوں کے میڈیا ہی کی طرح ، جدید ذرائع ابلاغ وترسیل پر ہے ۔لیکن دوسری زبانوں کے مقابلے اردو میں جدید ذرائع ترسیل وابلاغ کی تربیت تو دور صحافت کی بنیادی تربیت کی بھی نہ کوئی معقول سہولت ہے اور نہ ہی مناسب کتابیں دستیاب ہیں ۔ چند برس ہوئے ایک کتاب ،جس کا عنوان ہے'اردو میں جدید ترسیل کے ذرائع' منظر عام پر آئی تھی ۔ اردو زبان میں لکھی گئی یہ کتاب صحافت کے طلبا کے لیے اور صحافیوں کے لیے بھی ، ترسیل کے جدید ذرائع سے آگاہی کی ایک بہترین دستاویز ہے ۔ کتاب کے مصنف ، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کے شعبہ اردو کے سابق صدر پروفیسر مجید بیدار ہیں ۔ پروفیسر موصوف متنوع موضوعات کی کوئی دو درجن کتابوں کے مصنف ہیں، جن میں ادبی کتابوں کی تعداد زیادہ ہے ۔

زیر تبصرہ کتاب کا بنیادی مقصد ترسیل کے ذرائع کا تعارف ہے،لیکن ایک مقصد ترسیل کے ذرائع کا استعمال کرکے علم و ادب کی خدمت بھی ہے ۔ کتاب کے' پیش لفظ' میں پروفیسر صاحب نے سچ ہی لکھا ہے کہ'' ذرائع ترسیل وابلاغ کی ترسیل کے معاملہ میں اردو میں بہت کم کتابوں کا ذخیرہ موجود ہے ۔اس کے علاوہ اکثر ادیبوں نے موضوع کا حق ادا کرنے کی خاطر تجربہ حاصل کیے بغیر بھی ذرائع ترسیل وابلاغ پر کتابیں تحریر کی ہیں ۔ ان کتابوں کے ذریعے مواد تو حاصل ہو جاتا ہے لیکن عملی طور پر ذرائع ترسیل و ابلاغ کی تفہیم کا حق ادا نہیں ہوتا ۔ اس لیے ضروری سمجھا گیا کہ ترسیل کے موضوع کا انتخاب کرکے عملی ہی نہیں، بلکہ نظری انداز سے ایسے مضامین کا ذخیرہ تیار کیا جائے ، جن کے مطالعہ کے بعد صحافت یعنی اخباری دنیا ہی نہیں ، بلکہ ریڈیو پروگراموں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں سہولت فراہم ہو ۔ اس خصوص میں صحافت اور ریڈیو کو ہی اس کتاب کا اہم موضوع بنایا گیا ہے ۔ جبکہ ٹیلی ویژن اور اس کے پروگراموں کے علاوہ اس کی روپ ریکھا ہی نہیں ، بلکہ انٹرنیٹ اور اس کے ذریعہ حاصل ہونے والی سہولتوں کے بارے میں بھی بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے ۔ یہ کام بھی اپنی جگہ اہمیت کا حامل ہے ۔توقع ہے کہ اردو کے طلبا و طالبات ہی نہیں بلکہ ٹی وی اور انٹرنیٹ کی دنیا میں زندگی گزارنے والے اہم کارگزار مستقبل میں ان موضوعات کو پیش نظر رکھ کر علم و ادب کی خدمت کا جذبہ عام کرنے پر خصوصی توجہ دیں گے ۔'' (صفحہ 13)

اس کتاب میں پرنٹ میڈیا اور ریڈیو نشریات پر مضامین شامل کیے گیے ہیں ۔ واضح رہے کہ پروفیسر موصوف نے یہ کتاب ، جامعہ عثمانیہ کے شعبۂ اردو کے نصابات میں تبدیلی کے مرحلے میں، طلبا کو صحافت اور ریڈیو کی جانکاری دینے کے لیے یا آسان لفظوں میں کہیں تو پرنٹ میڈیا اور ریڈیو کے آغاز و ارتقا کی تاریخ سے واقف کرانے کے لیے تیار کی تھی ۔ اس میں خبر رسانی ، نامہ نگاری ، اداریہ نویسی اور کالم نگاری کے تعارف کے ساتھ ان کی تکنیک اور طرز پر بھی تفصیل سے بات کی گئی ہے ، اور خبروں کے مختلف انداز اور ان کے لکھنے کے مختلف طریقوں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے ۔

یہ کتاب اپنے موضوع پر کس قدر تفصیلی ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے کُل 24 ابواب ہیں اور ان کے 168 ضمنی ابواب ۔ پہلے باب کا عنوان ہے'ذرائع ترسیل وابلاغ کا تعارف' ۔ پروفیسر موصوف نے بہت آسان انداز میں ترسیل اور ابلاغ کے درمیان پائے جانے والے فرق کو سمجھایا ہے ۔ وہ لکھتے ہیں :

''عام طور پر اردو زبان میں ترسیل و ابلاغ کو ہم معنی الفاظ تصور کیا جاتا ہے ۔ حقیقت میں ترسیل اور ابلاغ کے درمیان حد درجہ نمایاں فرق موجود ہے ۔ اس فرق کی وجہ سے ترسیل اور ابلاغ کو دو الگ الگ انداز کی اصطلاحات کا درجہ دیا جاتا ہے ۔ترسیل کے ذریعہ کسی بھی چیز کو پہنچانے کے لیے کسی نہ کسی واسطے یا وسیلے کی ضرورت ہوتی ہے، جیسے بتایا جا چکا ہے کہ وسیلے اور واسطے سے پہنچانے والی چیز ترسیل ہے ۔ ایک خط بھی کسی وسیلے اور واسطے کے بغیر دوسری جگہ نہیں پہنچتا ۔ اسی طرح مختلف پارسل اور چیزیں ڈاک کے علاوہ اسپیڈ پوسٹ ، کوریئر اور فضائی سہولتوں کے ساتھ ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچائی جاتی ہیں تو اس عمل کو ترسیل کا درجہ حاصل ہوتا ہے ۔ اس

کے بجائے بغیر کسی وسیلے سے چیزیں ایک مقام سے دوسرے مقام تک بہ آسانی پہنچائی جاسکیں تو اس عمل کو ابلاغ کا درجہ حاصل ہے۔'' (صفحہ 25-24)۔

دوسرا باب 'قدیم وجدید ذرائع ترسیل وابلاغ' کے عنوان سے ہے۔ اس میں ترسیل اور ابلاغ کی ایک مختصر مگر جامع تاریخ آ گئی ہے۔ تیسرا باب 'صحافت کا تعارف اور آغاز' ہے۔ اس باب کو سات ضمنی ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے، 'صحافت کا تعارف'، 'اردو صحافت کا آغاز'، 'ہندوستان میں اردو صحافت کی تاریخ'، 'اردو کا پہلا مصدقہ اخبار'، 'آزادی سے قبل اردو صحافت کا انداز'، 'آزادی کے بعد اردو صحافت کا انداز' اور 'عمومی جائزہ'۔ یہ بھر پور باب ہے، اپنے اندر صحافت اور اردو صحافت کی تاریخ سموئے ہوئے۔ ایک باب 'اخباری صحافت کا دائرہ کار' کے عنوان سے ہے۔ اس میں روز نامہ، دوپہر نامہ، شام نامہ، دو روزہ اور سہ روزہ اخبار، ہفت روزہ اور پندرہ روزہ اخبار پر بات کی گئی ہے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اخبار کا نثری حصہ اور اخبار کا تاثراتی حصہ کیا ہوتا ہے۔ 'اخبار، رسائل اور جرائد' کے تعارف پر ایک باب ہے، پھر 'اخبار کے مختلف شعبۂ جات' کا تعارف ہے۔ روداد نویسی، کالم نگاری اور اداریہ نویسی پر الگ الگ ابواب ہیں۔ ایک باب خبروں سے متعلق دیا گیا ہے۔ پروفیسر موصوف نے خبر لکھنے کے طریقوں پر بھی بات کی ہے۔ ریڈیو پر کئی ابواب ہیں، اس کی تاریخ کے ساتھ اس کے مختلف شعبہ جات پر روشنی ڈالی گئی ہے، اور اس کی تکنیک کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اگر کسی کو ریڈیو کی صحافت سے آگاہی حاصل کرنی ہے، تو اس کتاب میں اس کے لیے بھر پور مواد جمع کر دیا گیا ہے۔ پروفیسر صاحب کی اس کاوش کو ہاتھوں ہاتھ لینے کی ضرورت ہے، اور جن اردو جامعات میں صحافت کا کورس ہے، انہیں چاہیے کہ وہ اس کتاب کو نصاب کا حصہ بنائیں۔

☆ مبصر کا پتہ: ایڈیٹر، روزنامہ ممبئی اردو نیوز، 101 فدا ہاؤس، فرسٹ فلور، مولانا آزاد روڈ، ممبئی-400008
Email: khansh.rasheed@gmail.com
Mobile: 8850038783

❑❑❑

پرائی کوکھ کا درد (افسانے)

افسانہ نگار: ایم مبین

تبصرہ: سعید اختر اعظمی☆

''اب قارئین وہی پڑھیں گے جو وہ پڑھنا چاہیں گے۔ اگر ادیب یا لکھنے والے ان کی پسند کا مواد اس کو فراہم نہیں کریں گے تو بھی اب ان کے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ مصنوعی ذہانت کی مدد سے قارئین خود اپنی پسند کا ادب تخلیق کریں گے، اسے پڑھیں گے اور دنیا کو پڑھنے کے لیے مجبور کریں گے۔ جس ایک کہانی کو لکھنے میں کہانی کار کو کبھی کبھی مہینوں لگ جاتے ہیں یہ مصنوعی ذہانت اس کہانی کو صرف ایک منٹ میں لکھ کر اس کے سامنے پیش کر دے گی۔ مشینیں جس رفتار سے ادب تخلیق کر کے اس کے انبار لگائیں گی ساری دنیا کے لکھنے والے مل کر بھی اتنا ادب تخلیق نہیں کر پائیں گے۔ صدیوں سے جو اَدب کا معیار رہے، جو اَدب منفرد اور معیاری ہوگا زندہ رہے گا اور صدیوں تک زندہ رہے گا۔'' ایم مبین اس تشویش ناک لہر سے خائف نہیں۔ انہیں خبر ہے کہ اے آئی (A.I.) کی کارکردگی اور فعالیت کا اثر دیگر شعبۂ حیات کے ساتھ ادب پہ بھی پڑے گا۔ مشین اور انسان کی سوچ میں فرق ہے۔ مشینی سوچ میں جذبات واحساسات کی کارفرمائی نہیں ہوسکتی۔ وہ صرف ایک طے شدہ دائرے میں تخلیقی بُنَت کاری کرسکتی ہے۔ اسی موثر سوچ کے ساتھ وہ مسلسل لکھ رہے ہیں اور سماج کے متنوع پہلوؤں پر افکار کے تیشے سے ضرب کاری کر رہے ہیں۔

'پرائی کوکھ کا درد' ایم مبین کے ڈیڑھ درجن افسانوں کی کہکشاں ہے جس میں سماجی مسائل کی آئینہ داری تنوع رنگ موضوعات کے ساتھ کی گئی ہے۔ 'گونگا بول رہا ہے' گویائی سے

صفحات: 216 قیمت: -/400 اشاعت: 2025
ISBN 978-81-19991-67-9
ناشر: جی این کے پبلی کیشنز، مین روڈ، نوہر، نزد چار یار مسجد، چراری شریف، بڈگام-191112 (کشمیر)
Mobile: 7006738304

محروم نوجوان کا استحصال کے خلاف ردعمل ہے۔ عوام اس کی ہم نوائی سے اس لیے قاصر ہیں کیونکہ ظالم سے مقابلہ کرنے کی ہمت ان میں نہیں ہے۔ 'دخمہ کے گدھ' حیوانی سرشت کی مجبوری ہے جنہیں بہرحال لحم انسانی چاہیے خواہ اس کی زد میں زندہ افراد ہی کیوں نہ آجائیں۔ 'پوت راج' آبائی پیشہ ترک کرنے کے بعد بھی اسے اپنانے کا احتیاج ہے جو زندگی کا خراج لینے پہ منتج ہوتا ہے۔ 'کلکاری' اسپرم بینک کی کرشمہ سازی ہے جس نے اپنے پرائے کے فرق کو واضح کر دیا۔ 'پرائی کوکھ کا درد' ممتا کا کرب ہے جسے صرف ایک ماں ہی محسوس کرسکتی ہے۔ 'عبدل پنکچر والا' انسانیت کی خدمت کے لیے سرگرم رہنے والوں کا المیہ ہے کہ سب کچھ لٹا کر بھی ان کی پیشانی پہ شکن نہیں آتی۔ 'نظام' انصاف کی دیوی کے فیصلے سے شاداں مسلم خاتون کی لمحاتی خوشی ہے کہ ایک فیصلہ کے بعد دوسرے فیصلے نے اس پہ ستم کرنے والوں کی ظالمانہ روش کی رسی کو دراز کر دیا۔ 'کتّا' بے ضرر جانور سے ابدی نجات کے بعد واہمہ پہ اس کے اثرات بد کے دوررس نتائج ہیں جس سے تاعمر ابھر پانا شاید ممکن ہی نہیں۔ 'حق وراثت' نسل نو کا اپنی جڑوں سے دوری اور دولت کی ہوس میں اس سے اظہار انسیت ہے، یہ الگ بات کہ بزرگ نے دانش مندانہ اقدام کر کے انہیں آئینہ دکھا دیا۔ 'سونے کے دانت' کندن کے لالچ میں اندھے ہوجانے والوں کی سعی ناتمام ہے کہ کسی اور نے ان کے منصوبہ کو قبل از وقت ناکام بنا دیا۔ 'نیوگ' رسم قبیحہ کو جبراً اپنانے اور حقائق طشت از بام ہونے پہ اس قلادہ کو اتار پھینکنے کا ردعمل ہے جو دوسروں کی خوشی دے کر خود کو قعر مذلت میں گرا دینے کی مجبوری کے سوا کچھ اور نہیں۔ 'انیمل' بے زبان جانوروں کی انسان سے ہمدردی ہے، جس نے انہیں محبت دی وقتِ آخر اس کے بدلے میں انہوں نے درد و غم بانٹنے کی سعی کی۔

'دولت' زر نقد کی امانت پا کر اسے سنبھالنے کی ذمہ داری کا احساس ہے۔ جب یہ حق ادا ہو گیا تو ایسی بے فکری کی نیند آئی کہ گھوڑے بیچ کے سونے کا محاورہ حقیقت میں بدل گیا۔ 'کبوتر بھوکے ہوں گے' میں پرندوں کو خوراک نہ پہنچانے کا درد حاوی ہے، یہ الگ بات کہ اس میں کاروباری پہلو بھی کہیں نہ کہیں پوشیدہ ہے۔ 'تماشا' حاملہ خاتون کا سہارا لے کر چند پیسے کمانے والیوں کی عارضی مسرت کا ہولناک انجام ہے، جب اپنوں کی ابدی جدائی کا خوفناک موڑ سامنے آ گیا۔ 'وارث' بھیک مانگنے والوں کی آمدنی کی خاطر تمام تر ہتھکنڈے اپنانے کی حکمت عملی ہے جس میں باپ کے بعد بیٹے نے بھی خوب شراکت داری نبھائی۔ 'خوف گزیدے' پشاور ملٹری اسکول پہ حملہ کے بعد ہندوستانی طالب علموں کا اسکول چھوڑ کر تالاب کے کنارے خاموش احتجاج ہے جس پر اسکول کے ذمہ داران اور والدین کی تشویش کو حق بجانب کہا جا سکتا ہے۔ 'پرواز' نئی نسل کی والدین سے بے اعتنائی اور دنیا سے رخصت ہوجانے پہ اپنے حصے کی فکر پہ مرکوز ہے۔ ایسے حالات میں جب اپنے رخ موڑ لیں کوئی غیر فرشتہ غیبی بن جاتا ہے۔ 'عفریت' جو محافظ تھا وہی قاتل ہے کی عملی تصویر ہے، جسے خواتین اپنا مسیحا سمجھ رہی تھیں وہی درحقیقت ان کا استحصال کرنے میں پیش پیش تھا۔ 'ساٹھ روپیہ والا کِس' پارک کا مغرب زدہ پیار ہے جو کالج میں عام ہو چکا ہے۔

ایم مبین کے افسانے قاری کو اپنے سحر میں جکڑ کر رکھتے ہیں۔ قاری جب تک کردار کی انگلی پکڑ کر چلتا ہے وہ خود اس کا حصہ بن جاتا ہے۔ آخر میں تبصرہ ہذا کی ابتدائی سطور کا اختتامی جملہ جو تسلسل کو آگے بڑھاتا ہے۔ 'ادب تخلیق کرنے والوں کو اس بات کا خوف نہیں ہونا چاہیے۔ اگر ان کی تخلیقات معیاری ہوں گی تو وہ زندہ رہیں گی۔ اب ان پر سب سے بڑی ذمہ داری یہ آ گئی ہے کہ انہیں مشینوں سے اچھا ادب تخلیق کرنا ہے'۔

☆ مبصر سے رابطہ: ریاض (سعودی عرب)

Mobile: +966598300320

❑❑❑

بنگال میں ہندوؤں کی فارسی خدمات

مصنف و ناشر: پروفیسر سیّد امام الدین

Mobile: 9386540198

صفحات: 416، اشاعت: 2025، قیمت: -/600

ISBN 978-93-90579-54-9

زیر اہتمام: اپلائڈ بکس، دریا گنج، نئی دہلی-2

Tel. 011-44753890 / 9953630788

کردار کا جنم (ڈراموں کا مجموعہ)

مصنف: قمر جاوید

تبصرہ: ڈاکٹر ساجد ذکی فہمی☆

ادب کا ہر طالب علم اس بات سے کماحقہ واقف ہے کہ بنگال کی سرزمین ابتدا سے ہی علمی وادبی اعتبار سے کافی زرخیز واقع ہوئی ہے۔ کیسی کیسی نابغہ شخصیات نے اس سرزمین کی علمی وادبی فضا کو محفوظ کرنے، اس کی عظمت و وقعت میں اضافہ کرنے اور عوام کے ادبی ذوق کو پروان چڑھانے کا کارنامہ انجام دیا ہے۔ انہی میں ایک نام قمر جاوید (جاوید اقبال) کا ہے۔ ان کی پہلی ادبی کاوش ’کردار کا جنم‘ ڈراموں کا مجموعہ ہے۔ اخبارات اور سوشل میڈیا پر ان کے افسانوں اور مضامین کو پڑھنے کا بارہا موقع نصیب ہوا ہے۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ ضلع مغربی بردوان میں ڈراموں پر مشتمل یہ پہلی کتاب ہے۔ ڈراما تنقید پر اس ضلع سے اگرچہ کتابیں شائع ہو چکی تھیں لیکن باقاعدہ ڈراموں پر مبنی اب تک کوئی کتاب منظر عام پر نہیں آئی تھی۔

کتاب کا سرورق نہایت دیدہ زیب اور علامتی ہے۔ سرورق پر پانچ انسانوں یا پانچ کرداروں کی ادھوری تصویر موجود ہے۔ ڈرامے میں موجود ہر کردار اسی ادھوری تصویر سے جنم لیتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ مصنف نے اس طرح کے اسکیچز شاید اس لیے بھی بنائے ہوں کہ زندگی مختلف رنگوں سے عبارت ہے اور آپ جس طرح کے رنگ چاہیں ان تصویروں میں بھر سکتے ہیں۔ اب اسے مصنف کے ذہن کی براقی سے تعبیر کریں یا تجریدی ذہن کا کمال سمجھیں بالآخر آپ کو کتاب کے سرورق کی خوبصورتی اور اس میں موجود رموز کا اعتراف کرنا ہی پڑے گا۔

کتاب کا انتساب ’ابو امی اور بڑے بھیا‘ کے نام کیا گیا ہے جو ان کا فرض بھی تھا اور ان کا حق بھی۔ انتساب کے بعد اظہار عقیدت کے طور پر شاہد احمد انصاری، مسیح الزماں قریشی، صلاح الدین تاج اور سید حیدر علی کے نام درج کیے گئے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے مغربی بردوان میں اردو ڈرامے کو فروغ دینے کی حتی المقدور کوشش کی۔ بعد ازاں ’کوائف‘، ’مغربی بردوان میں اردو ڈرامے کا ارتقا‘ اور ’اپنی بات‘ کے تحت مصنف نے مختصر لیکن جامع گفتگو کی ہے۔ فہرست میں ان عنوانات کا اندراج ہونا چاہیے تھا مگر وہ اس سے خالی ہے۔ مصنف نے یہ عمل کس مصلحت کے تحت اپنایا، یہ کہنا راقم کے لیے مشکل ہے۔

’مغربی بردوان میں اردو ڈرامے کا ارتقا‘ پر گفتگو کرتے ہوئے فاضل مصنف نے بالخصوص رانی گنج، آسنسول اور کلٹی میں ڈرامے کے خدوخال اور اس کے تدریجی ارتقا پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ رانی گنج کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے یہاں کی علمی وادبی فضا کے ساتھ سیاسی و معاشی صورت حال کا نقشہ بھی کھینچا ہے۔ ساتھ ہی سہیل ارشد کی کتاب ’ضلع بردوان میں اردو ڈراما‘ کا حوالہ دیتے ہوئے بتایا ہے کہ شہر رانی گنج میں اردو ڈرامے کا آغاز 1930 میں شریف احمد کی آمد سے ہوا تھا۔ اس کے بعد آسنسول اور کلٹی ہوتے ہوئے یہ سلسلہ پورے مغربی بردوان میں دراز ہوتا چلا گیا۔ 1986 میں کتاب کے مصنف نے ’ادا ڈرامیٹک ایسوسی ایشن‘ کی بنیاد رکھی تھی۔ اس ڈراما گروپ کے تمام ممبران اور اداکاروں کی اولوالعزمی، علوہمتی اور بلند حوصلگی ہی ہے جس نے تقریباً چالیس برس سے اس ڈراما گروپ کے وقار کو برقرار رکھا ہے۔

’اپنی بات‘ کے تحت مصنف نے مختصر حالات زندگی، ڈرامے سے دلچسپی اور ادا ڈرامیٹک ایسوسی ایشن کے قیام کا اجمالاً ذکر کیا ہے؛ ساتھ ہی اپنے کرم فرماؤں، دوستوں اور عزیزوں کے متعلق گہرے دلی جذبات وخیالات کا اظہار بھی کیا ہے۔

ڈرامے سے ان کی دلچسپی یا دیوانگی کا ایک غیر نوشتہ واقعہ ملاحظہ فرمائیں:

’’گھر میں ڈرامے کو لے کر کسی بات پر تکرار ہوئی تو قمر جاوید نے پانی سے بھرے مٹکے پر ڈنڈا مارتے ہوئے کہا ڈرامے تو میں کروں گا اگر قبر سے اٹھ کر آنا پڑے تب بھی کروں گا۔‘‘

ڈرامے سے والہانہ لگاؤ اور دیوانگی ہی تھی جس نے انہیں کوئلے کے کان میں نو سو فٹ نیچے جا کر ڈراما کھیلنے پر آمادہ کیا۔ کوئلے کے کان میں کھیلا جانے والا ڈراما ’بلیک سنڈے‘ تھا۔

صفحات: 184 قیمت:-/200 اشاعت:2025
ISBN 978-93-6062-610-5
ناشر: ’ادا‘ ڈرامیٹک ایسوسی ایشن، رانی گنج، ضلع مغربی بردوان۔ (مغربی بنگال) محمد شعیب عالم، گریڈیہہ 8617474497

اس ڈرامے نے اتنی مقبولیت حاصل کی کہ ملکی سطح پر مختلف ڈراما گروپوں نے اس کے دو سو سے زائد شوز کیے۔ ملکی سطح پر تنہا 'ادا ڈرامیٹک ایسوسی ایشن' نے اس ڈرامے کو تقریباً سو مرتبہ اسٹیج پر کھیلا۔ راقم الحروف نے بھی زمانۂ طالب علمی میں اس ڈرامے کو دو بار اسٹیج ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس کے علاوہ نکڑ ناٹک جس کے دس ہزار سے زائد شوز انہوں نے کر ڈالے۔ ان میں سے بھی چند میرے شعور کا حصہ ہیں۔

مذکورہ مجموعے میں کل سات ڈرامے بالترتیب پت جھڑ کے بعد، کردار کا جنم، ملے سر میرا تمہارا، ہٹلر کی واپسی، اسکول کی کھچڑی، بھگوا لوٹریپ اور 17 جولائی شامل ہیں۔ بقول مصنف ''سارے ڈرامے رنگ منچ پر اپنی بھلی بری تقدیر لکھ چکے ہیں۔'' لیکن راقم الحروف کا خیال ہے کہ ان میں سے بعض ڈرامے ایسے ہیں جن کی تقدیر کا فیصلہ ابھی تک التوا میں ہے۔ کسی ڈرامے کو کھیلنے کے لیے تخلیق کار سے جس تحریری اجازت نامے کی ضرورت ہوتی ہے اسے بھی مصنف نے کالعدم قرار دے دیا ہے۔ لہٰذا مصنف کے اس عمل سے اس بات کی امید کی جاسکتی ہے کہ ملکی سطح پر اس کے مثبت اثرات ظاہر ہوں گے۔

زیر بحث مجموعے میں شامل پہلے ڈرامے کا عنوان 'پت جھڑ کے بعد' ہے۔ اس میں چند کرداروں کے ذریعہ سماجی و سیاسی برائیوں کو طنز کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ کس طرح سیاسی شعبدہ گری کے طلسم کو توڑ کر ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین منافرت کے بجائے صلح و آشتی کی فضا ہموار کی جاسکتی ہے اس جانب بھی اشارے موجود ہیں۔ سماج کی بے حسی، خود غرضی، مفاد پرستی اور لالچ وطمع کا اظہار ندیم کو ملنے والے چیک کے بعد عروج پر دکھائی دیتا ہے۔ ڈرامے کا اختتام المیہ انداز پر ہوتا ہے۔ قاری کے ذہن ودل پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔

مجموعے میں شامل دوسرا ڈراما 'کردار کا جنم' ہے۔ ڈرامے میں کہانی کار اور کردار یعنی ان دو کرداروں کے ذریعہ سماج کے بہت سے دبیز اور بوسیدہ پردوں کو چاک کرنے کی کوشش کی گئی ہے جن کے پیچھے نیک نامی، جھوٹی ہمدردی، شان وشوکت، درندگی، مفاد پرستی، ہوس پرستی اور خود غرضی جیسے عناصر کارفرما رہتے ہیں۔ ڈرامے کے اختتام پر ڈراما نگار قلم کار کے ہاتھ سے قلم لے کر عوام کے حوالے کر دیتا ہے۔ تاکہ عوام ظلم، جبر اور ناانصافی کے خلاف اس کا استعمال کرسکیں اور دنیا میں سچائی، ایمان داری اور امن و امان کا بول بالا ہو۔ قلم ہی شاید ایک ایسی طاقت ہے جس کے ذریعہ دنیا کے فرسودہ نظام میں تبدیلی لائی جاسکتی ہے۔ ڈراما پڑھ کر فارسی کا درج ذیل شعر ذہن میں گونجنے لگتا ہے:

قلم گوید کہ من شاہ جہانم
قلم کش را بدولت می رسانم

تیسرا ڈراما 'ملے سر میرا تمہارا' کے عنوان سے شامل ہے۔ اس میں کالج کی زندگی اور وہاں درپیش مسائل کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ڈراما نگار نے آخر میں 'کہانی کار' کے ذریعہ تمام لوگوں کو ایک پلیٹ فارم پر آکر سوچنے کی دعوت دی ہے تاکہ ترقی کی راہیں ہموار ہوسکیں۔

چوتھا ڈراما 'ہٹلر کی واپسی' ہے۔ اس میں براہ راست حکومت، اس کے عملے اور میڈیا جسے جمہوریت کا چوتھا ستون کہا جاتا ہے، کو گہرے طنز کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ سی اے اے اور این آر سی کے خلاف بھی ردعمل کا اظہار ڈرامے میں موجود ہے۔ راقم کا خیال ہے کہ یہ ڈراما جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی کی ذاکر حسین لائبریری میں رونما ہونے والے واقعے کے بعد شاید لکھا گیا ہو کیوں کہ قرائن سے یہی اندازہ ہوتا ہے۔ ڈراما مختصر مگر قارئین کو سوچنے پر مجبور کرتا ہے۔

پانچویں ڈرامے کا عنوان 'اسکول کی کھچڑی' ہے۔ ڈراما نگار نے سیف الاسلام کے مزاحیہ مضمون سے متاثر ہو کر یہ ڈراما تحریر کیا ہے جس کا اعتراف کتاب میں بھی موجود ہے۔ اس ڈرامے میں سرکار کی جانب سے شروع کیے جانے والے مڈ ڈے میل پر ڈراما نگار نے نہایت لطیف انداز میں طنز کیا ہے۔

'بھگوا لوٹریپ' مجموعے میں شامل چھٹا ڈراما ہے۔ اس کے عنوان کو پڑھ کر ہی بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ ڈرامے میں کیا کہانی بیان کی گئی ہوگی۔ لیکن ڈرامے کا پلاٹ اتنا گتھا ہوا ہے کہ قاری ایک بیٹھک میں ڈرامے کو ختم کر کے ہی دَم لیتا ہے۔ بھولی بھالی مسلم لڑکیوں کو ٹریپ کرنے کے لیے کن کن حربوں کا سہارا لیا جاتا ہے یا ان مہم کے پیچھے کون سے عناصر کارفرما ہوتے ہیں ان کا بھی پردہ چاک کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

☆ مبصر کا پتہ: اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، ہیرا لال بھکت کالج، نلہاٹی، بیر بھوم-731220 (مغربی بنگال)
Mobile: 9990121625

□□□

وجے تینڈولکر: شناخت کی تلاش

مصنف: ڈاکٹر مزمل سرکھوت

تبصرہ: ڈاکٹر علی عباس☆

ڈاکٹر مزمل سرکھوت کی یہ تحقیقی اور تنقیدی کاوش مراٹھی کے معروف ڈرامہ نگار وجے تینڈولکر کو اردو داں طبقے سے متعارف کرانے کی ایک بہترین اور لائق تحسین کوشش ہے۔ 'وجے تینڈولکر: شناخت کی تلاش' بہت سوچ سمجھ کر تحریر کی گئی ایسی کتاب ہے جس میں مراٹھی ادب کے سرسوتی سمان یافتہ ادیب وڈرامہ نگار کی تخلیقات کو سامنے لایا گیا ہے۔ کس حد تک وہ اپنی منزل کو پانے میں کامیاب بھی ہوئے، اس کا اندازہ کتاب خوانی کے بعد ہی لگایا جاسکتا ہے۔

وجے تینڈولکر کا پورا نام وجے دھونڈو پنت تینڈولکر تھا۔ 6 جنوری 1928 کو بامبے (ممبئی) میں پیدا ہوئے۔ والدین کے اکلوتے فرزند تھے۔ بارہویں تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد تلاش معاش کے لیے نکل گئے۔ مراٹھی ڈراموں میں کام کرنے کا موقع ملا، لیکن جلد ہی اسے خیرباد کہہ دیا۔ حالانکہ ان کے ذہن سے ڈرامے کا نقش کبھی محو نہیں ہوا۔

واضح رہے کہ ڈاکٹر مزمل سرکھوت ایک لمبے عرصے سے اردو زبان وادب کی خدمت کر رہے ہیں۔ تصنیف و تالیف سے ان کا شغف شروع ہی سے رہا ہے۔ وہ اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ نئے اور اچھوتے موضوعات پر خامہ فرسائی کریں جن کے مطالعے سے اردو داں طبقہ نہ صرف یہ کہ متعارف ہو بلکہ ان موضوعات کی جانب متوجہ بھی ہو۔

اس کتاب میں وجے تینڈولکر کی حیات اور ان کی مراٹھی ادب میں ڈرامے کی خدمات کو حتی الوسع جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تین ابواب پر مشتمل اس کتاب کے پہلے باب میں وجے تینڈولکر کی حیات اور شخصیت کی مختلف جہتوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ دوسرے باب میں ان کے ڈراموں کے اردو ترجموں کی تلخیص اور ان کا اجمالی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس باب میں خصوصیت سے جن ڈراموں کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں خاموش! عدالت جاری ہے، کنیادان، کملا، سکھارام بائنڈر، اژدہا، پچھتاوا، جھپرزا، مادی، چاردن اور گھاشی رام کوتوال شامل ہیں۔ باب سوم میں کنیادان اور سکھارام بائنڈر کے اردو تراجم کا تنقیدی اور لسانی جائزہ لیا گیا ہے۔ ڈاکٹر مزمل سرکھوت اردو ڈراموں سے زیادہ مراٹھی ڈراموں سے متاثر نظر آتے ہیں۔ ان کی تحقیق کا موضوع: 'مراٹھی ڈراموں کے اردو تراجم' رہا ہے جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے دونوں زبانوں کے اہم ڈراموں کا کس قدر گہرائی سے مطالعہ کیا ہوگا۔ اور شاید وہ اپنے مطالعے کی بنیاد ہی پر یہ بات کہہ رہے ہوں گے کہ: ''مجھے ان کے ڈراموں نے بہت متاثر کیا۔ اردو میں اتنی شدت سے کردار نگاری اور مکالمہ نگاری پر محنت نہیں کی گئی ہے، جتنی مراٹھی میں نظر آتی ہے اور خاص طور سے وجے تینڈولکر کے ڈراموں میں۔ چونکہ میں آغا حشر پر بھی کام کر چکا تھا اور اردو میں آغا حشر کی اہمیت آج بھی برقرار ہے اور ان کے ڈراموں نیز کرداروں اور مکالموں کا جادو اپنا اثر قائم کیے ہوئے ہے۔ تاہم وجے تینڈولکر کے ڈرامے مطالعے سے گزرے اور انہیں اسٹیج پر دیکھا تو اس سے متاثر ہوئے بنا رہ نہیں پایا۔''

وجے تینڈولکر کے ڈراموں میں موجود سماجی موضوعات کو بڑی بے باکی سے پیش کیا گیا ہے، جن میں خصوصیت سے معاشرے میں پنپتے ہوئے ناجائز تعلقات کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ ان کے یہاں فقط کرداروں کے تصادم ہی کو نہیں ابھارا گیا ہے بلکہ کرداروں کے اندر پوشیدہ وحشی پن اور شہوانی کیفیت کو بھی سامنے لایا گیا ہے۔ حالانکہ اس نوع کے موضوعات میں تکرار ہونے کے باوجود ان کی پیش کش میں یکسانی نہیں ہے۔ ان کے زیادہ تر ڈراموں کا اسٹائل نئے روپ میں سامنے آتا ہے جس سے قاری یا ناظر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک اچھا ڈرامہ نویس وہی ہوتا ہے جو اسٹیج کو سامنے رکھ کر ڈرامہ تحریر کرے جس سے ناظرین بھی محظوظ ہوں اور ڈائریکٹر (ہدایت کار) کو بھی زیادہ مشکلوں کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ وجے تینڈولکر کے ڈرامے اس وصف سے بھی

صفحات: 224 قیمت:-/250 اشاعت: 2021
ISBN 978-93-80279-98-5
ملنے کا پتہ: مصنف، فرنی پرار، مانگاؤں، رائے گڑھ-402103 کوکن۔ موبائل نمبر: 9527541533

مزین نظر آتے ہیں۔ بقول ڈاکٹر رام پنڈت:

''تیندولکر کے ڈراموں کا اختتام موپاسا یا منٹو کی کہانیوں کی طرح روایتی انداز میں نہیں ہوتا۔ تیندولکر کے ڈرامے گہرے تاثرات کے حامل ہوتے ہیں۔ان کے ڈرامے آج بھی کھیلے جاتے ہیں لیکن ان کے تاثر میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں آپائی ہے۔''

کہا جاسکتا ہے کہ وجے تیندولکر نے اپنے ڈراموں میں جن موضوعات کو پیش کیا ہے ان میں جذباتی کشمکش اور نفسیاتی آویزش کو بڑے سلیقے سے برتا گیا ہے۔ یوں تو ان کے ڈرامے مراٹھی زبان میں لکھے گئے ہیں لیکن زیر نظر کتاب میں جس طرح مختلف مترجمین کے ترجمے اور تلخیص موجود ہیں ان سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے ڈراموں میں کس حد تک کرداروں کی نفسیات کو سمجھنے اور ان کے مکالموں کو پیش کرنے میں محنت کی گئی ہے۔

سرسوتی سمان انعام یافتہ ڈرامہ 'کنیادان' ہندوؤں میں موجود ذات پات کے نظام کو پیش کرتا ہے۔اس کے اہم کردار ناتھ دیولالی کر ایک سیاسی شخص ہیں جو چھوا چھوت کے خلاف پورے بھارت کو ایک لڑی میں پرونا چاہتے ہیں۔ یہاں تک کہ اپنی بیٹی جیوتی کی شادی ایک پسماندہ ذات کے لڑکے ارون اٹھاولے سے کر دیتے ہیں۔تاکہ ارون اپنی پسماندگی سے باہر نکل سکے لیکن اس کے برخلاف اٹھاولے اونچے طبقے والوں سے شدت کی نفرت کرتا ہے یہاں تک کہ اپنی بیوی کو بات بات پر مارتا پیٹتا ہے اور اسے ذلیل کر کے اپنی پسماندگی کی تسکین کرتا ہے۔ یہ سب کچھ جاننے کے باوجود بھی ناتھ دیولالی کر اپنی تقریروں میں اچھوتوں کی برابری کی بات کرتے ہیں۔لیکن ان کے ذہن میں کہیں نہ کہیں ان کی اپنی بیٹی بھی ہے جو اس برابری کے انقلاب کی شکار ہوتی نظر آتی ہے۔

اسی طرح دیکھا جاسکتا ہے کہ ڈرامہ 'سکھا رام بائنڈر' جو غیر شادی شدہ ہوتے ہوئے بھی اپنے گھر میں پانچ عورتوں کا استعمال کر چکا ہوتا ہے۔وہ اپنے گاؤں کے آس پاس اس خبر کی تلاش میں رہتا ہے کہ کوئی مرد کسی وجہ سے اپنی بیوی کو چھوڑے یا اس کا شوہر مرجائے۔اس کے بعد سکھارام اس عورت کو اپنے گھر لے آتا، اسے کچھ دنوں کے لیے بیوی کا درجہ دیتا اور جب اوب جاتا تو دوسری لے آتا۔ وہ شراب پیتا اور عورتوں کو مارتا پیٹتا۔ یہاں تک کہ بہت جلد وہ عورتیں اسے چھوڑ کر چلی جاتیں یا مرجاتیں۔اس ڈرامے میں ایک جوان عورت چمپا جس وقت سکھارام کی زندگی میں آتی ہے،اس وقت تک وہ جسمانی طور پر کمزور ہو چکا ہوتا ہے جس کے سبب چمپا کی تسکین نہیں ہو پاتی۔آخر وہ سکھارام کے دوست داود سے جنسی تعلقات قائم کر کے اپنی تسکین کرتی ہے۔ یہ بات جب سکھارام کو معلوم ہوتی ہے تو وہ چمپا کا گلا دبا کر مار دیتا ہے۔

'پچھتاوا' میں بھی دیکھا جاسکتا ہے کہ کس طرح ایک عورت اپنے فیملی ڈاکٹر کے ساتھ مل کر اپنے بیمار شوہر کو صرف اس لیے زہر دے کر قتل کر دیتی ہے کہ بیماری کے سبب وہ اس قابل نہیں رہا کہ اس کی جسمانی خواہشات کی تکمیل کر سکے۔ 'جھپر زا' میں بھی اسی طرح کی ایک کہانی ہمارے سامنے آتی ہے۔جس میں ایک لڑکی مالی جس کے پیر کے اوپری حصے پر سفید داغ ہوتا ہے جسے وہ سب سے پوشیدہ رکھتی ہے۔ یہاں تک کہ اسی کے ساتھ کام کرنے والے ایک لڑکے سے اس کی شادی ہوجاتی ہے لیکن جب اس لڑکے کو اس کے سفید داغ کا علم ہوتا ہے وہ اسے چھوڑ دیتا ہے۔لڑکی اپنی جنسی خواہشات کی تکمیل کے لیے ایک بدنام زمانہ نرس کے رابطے میں آکر غلط پیشہ اختیار کر لیتی ہے۔جس کے نتیجے میں اسے پیسہ بھی ملتا ہے اور اس کی نفسانی خواہشات کی تکمیل بھی ہوتی ہے۔

اس قسم کے موضوعات پر نفسیاتی گرفت کے ساتھ خامہ فرسائی کرنا ایک مشکل فن ہے جس کے ذریعے سماج کے حقائق بھی سامنے آسکیں اور ادبی وقار بھی باقی رہ سکے۔ بہر حال ڈاکٹر مزمل سرکھوت کی اس کتاب میں تیندولکر کے ڈراموں کے حوالے سے اس وقت کے معاشرتی حالات کا بخوبی جائزہ لیا گیا ہے۔

مختصر طور پر کہا جاسکتا ہے کہ ڈاکٹر سرکھوت 'وجے تیندولکر: شناخت کی تلاش' کے ذریعے قاری کے اندر اردو ڈراموں کو مزید سمجھنے اور ان کے اندر جھانکنے کی صلاحیت پیدا کرنا چاہتے ہیں۔وہ چاہتے ہیں کہ تیندولکر کے ڈراموں میں پیش کیے گئے موضوعات و مسائل کو کرداروں کی نفسیات اور ان کے جذبات و حالات کے پس منظر میں دیکھا جائے تاکہ قاری ڈرامے کی ایک نئی دنیا سے متعارف ہو سکے،جس سے آج تک وہ بےخبر رہا۔

☆ مبصر کا پتہ: شعبہ اردو، پنجاب یونیورسٹی، چنڈی گڑھ-160014
Mobile: 9988371214

□□□

[بقیہ صفحہ 92 سے آگے... 'وفیات']

مرحوم جلیس احمد حمیدی اے ایم یو کے اقلیتی کردار کی بحالی کے لیے ممتاز معالج اور سیاسی لیڈر ڈاکٹر عبدالجلیل فریدی (مرحوم) کی زیر قیادت چلنے والی تحریک میں بھی شامل رہے۔ اسی تحریک کی پاداش میں ڈاکٹر فریدی اوران کے کئی رفقا کو جیل کی ہوا کھانی پڑی تھی۔ 'اموبا' لکھنؤ کے صدر سیّد محمد شعیب کے مطابق جلیس احمد حمیدی کی بیش بہا اور بےلوث خدمات کے اعتراف میں چند سال قبل ان کو'اموبا اسٹالوارٹ' ایوارڈ سے سرسیّد ڈے تقریب میں نوازا گیا تھا۔جلیس احمد کی شخصیت بےلوث اور ریا سے پاک تھی۔ وہ سادگی کو پسند کرتے تھے۔◆◆

اشتیاق لاری ندوی (تحریکی رہنما)

دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ کے سابق مہتمم (مولانا) اشتیاق لاری ندوی کا جمعہ کی شام 4 جولائی 2025 کو انتقال ہوگیا۔ مرحوم کی عمر تقریباً 84 برس تھی۔ وہ عرصہ سے علیل تھے۔ ان کی نماز جنازہ دوسرے دن بعد نماز ظہر بڑی پکریا کھدرا میں ہوئی۔ نماز جنازہ سکندر اصلاحی نے پڑھائی اور تدفین تکیہ تارن شاہ میں عمل میں آئی۔ پس ماندگان میں سات بیٹے اور ایک بیٹی شامل ہیں۔اہلیہ کا پہلے ہی انتقال ہو چکا ہے۔

مرحوم (مولانا) اشتیاق لاری ندوی جماعت اسلامی ہند لکھنؤ کے سابق امیر مقامی تھے۔انہوں نے فیض عام انٹر کالج کانپور میں کئی برس لیکچرار کے فرائض انجام دیے۔ اشتیاق لاری ندوی جنوری 1942 میں دیوریا کے قصبہ لار میں پیدا ہوئے۔انہوں نے ندوۃ العلما سے 1960 میں عالمیت کی سند حاصل کی تھی۔ اس کے بعد لکھنؤ یونیورسٹی سے بی اے اور ایم اے کی ڈگریاں حاصل کیں۔ وہ علم دوست انسان تھے اور اردو ادب سے گہرا تعلق رکھتے تھے۔ تحریک اسلامی کے لیے انہوں نے اپنی عمر کا ایک طویل عرصہ صرف کیا۔ وہ ایک ذی علم، بردبار اور سنجیدہ انسان تھے۔ ان کے اکلوتے داماد اور سات فرزندوں میں بیشتر ندوی ہیں۔◆◆

مظہر العلوم ایجوکیشنل چیریٹیبل ٹرسٹ (رجسٹرڈ) دہلی

شاہی امام مسجد فتح پوری دہلی مفکر ملت مفتی اعظم مولانا ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد صاحب کی سرپرستی میں عوامی فلاح وبہبود کے مشن کو آگے بڑھاتے ہوئے مظہر العلوم ایجوکیشنل چیریٹیبل ٹرسٹ کا قیام عمل میں آچکا ہے، جس سے مستحقین اور ضرورت مند عوام، طلبا اور طالبات کی خدمت و معاونت کا سلسلہ جاری ہے۔ انکم ٹیکس ڈپارٹمنٹ کی طرف سے 12A اور 80G بھی مل گیا ہے۔ اس ٹرسٹ کا اصل مقصد مذہبی اور عصری تعلیم و تربیت کا فروغ، صحت اور انسانی خدمت ہے۔ مزید معلومات کے لیے موبائل نمبر پر رابطہ کیا جا سکتا ہے۔

نوٹ: اہل خیر حضرات سے تعاون کی درخواست ہے۔

حماد احمد

Mazharul Uloom Educational Charitable Trust (Regd.)
6479/11, G.F., Katra Bariyan, Fatehpuri, Delhi - 110006
Axis Bank (Chandni Chowk Branch)
A/c No. 920010070673650 IFSC: UTIB0000254
Bombay Mercantile Co-Operative Bank Limited
A/c No. 200100100068463 IFSC: UTIB0SBMCB1
The Trust has exemption from Income Tax Under 12A & 80G
Email: trust.mueducation@gmail.com **Mobile: 9899663435 / 9873684293**

Advtt./02/2025

اردو صحافت اور ادب

اداریے اور شذرات

مصنف: حسن ضیاء
Mobile: 9810594835
صفحات: 390، قیمت:-/500، اشاعت: 2025
ISBN 978-93-6062-766-9
ناشر: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، D1/16، انصاری روڈ،
دریا گنج، نئی دہلی-110002 فون: 011-41418204

——از: سہیل انجم☆

حالیہ برسوں میں اردو صحافت کے موضوع پر متعدد کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ ان میں کچھ نوآموز قلمکاروں کی ہیں تو کچھ سینئر اور تجربہ کار مصنّفین ومؤلفین کی۔ اس موضوع پر کچھ پی ایچ ڈی کے مقالے بھی شائع ہوئے ہیں۔ آج کل پی ایچ ڈی کے مقالوں میں ایک بہت بڑی خامی یہ در آئی ہے کہ اصل موضوع غیر ضروری تفاصیل وفروعات میں گم ہو جاتا ہے۔ ایسے میں اگر کوئی اچھی کتاب پڑھنے کو مل جائے تو طبیعت کو فرحت محسوس ہوتی ہے اور یہ بھی احساس ہوتا ہے کہ ابھی کچھ اچھے لکھنے والے موجود ہیں۔ ایسی کتابوں میں تجربات و مشاہدات کے جلوے بھی ہوتے ہیں اور حال کی منظر نگاری بھی۔ بعض کتابوں کے مصنف صحافت کے مستقبل پر جچی تلی رائے ظاہر کرتے ہیں۔ اگر کسی کتاب میں ادب کے مختلف گوشوں پر بھی مضامین ہوں اور زبان و بیان میں ادبی چاشنی بھی ہو تو کتاب کے مطالعے کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔ ہمیں ان باتوں کے لکھنے کا خیال سینئر صحافی و ادیب اور ماہنامہ آجکل سمیت متعدد سرکاری مجلات کے سابق مدیر حسن ضیاء کی کتاب 'اردو صحافت اور ادب: اداریے اور شذرات' کے مطالعے سے آیا۔

طالب علمی کے زمانے ہی میں حسن ضیاء کے مضامین اخبارات میں شائع ہونے لگے تھے۔ انہوں نے انگریزی روزناموں اسٹیٹس مین اور انڈین ایکسپریس کا بطور خاص حوالہ دیا ہے۔ جب وہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھے تو انہوں نے کانپور کے (مولانا) اسحٰق علمی کے اردو روزنامہ سیاست جدید کے لیے نامہ نگاری بھی کی تھی جس کا تذکرہ کتاب کے 'ابتدائیہ' میں کیا گیا ہے۔ گیارہ صفحات پر مشتمل یہ مضمون ہمیں پرنٹ میڈیا کے باعظمت دور کی یاد دلاتا ہے۔ یہ مضمون ایک سفر کی مانند ہے جو ہمیں ماضی کے مختلف پڑاوؤں سے ہوتے ہوئے حال کی منزلوں تک لے آتا ہے۔ اس میں مصنف نے پروفیسر خواجہ احمد فاروقی کا ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''ان دنوں اخبارات کے اداریے اور مضامین پڑھ کر قاری صحیح اور معیاری زبان اور متوازن نقطۂ نظر اپنانا سیکھ لیتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ پروفیسر خواجہ احمد فاروقی صرف دو اخبارات کو ہی قابل مطالعہ سمجھتے تھے۔ ایک اسٹیٹس مین اور دوسرا قومی آواز کا لکھنؤ ایڈیشن۔... خواجہ دلی کے تازہ اخباروں کی بہ نسبت لکھنؤ کا تین چار دن پرانا اخبار پڑھنے کو ترجیح دیتے تھے۔ وہ ڈرتے تھے کہ دہلی کے ملاپ اور پرتاپ جیسے اخبار ان کی زبان خراب کر دیں گے''۔

اس اقتباس کو پڑھ کر خدائے سخن میر تقی میر کا واقعہ یاد آ گیا۔ وہ دہلی سے ایک تانگے پر سوار ہوئے، اپنے دیہاتی ہم سفر سے کچھ دیر گفتگو کی اور پھر چپ ہو گئے۔ اس نے پوچھا کہ میر صاحب آپ بولتے کیوں نہیں تو انہوں نے کہا تم سے بات کر کے میں اپنی زبان خراب کرنا نہیں چاہتا۔ کچھ ایسی ہی صورت حال آج کی ہے۔ خواجہ احمد فاروقی نے تو صرف ملاپ اور پرتاپ کا نام لیا تھا۔ آج چند مستثنیات کو چھوڑ کر زیادہ تر اخباروں کے زبان و بیان میں ایسی گراوٹ آئی ہے کہ درست زبان میں اخبار پڑھنے والوں نے اخبار پڑھنا بند کر دیا ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے غالب اکیڈمی میں منعقدہ ایک پروگرام میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ آج کے اردو اخباروں کی زبان دیکھ کر قے ہونے لگتی ہے۔ پاکستان کے روزنامہ جسارت میں پہلے اطہر ہاشمی مرحوم زبان کی درستی کے لیے وقف ہفتہ واری کالم لکھتے تھے اور اب احمد حاطب صدیقی عرف ابونثر لکھتے ہیں۔ اطہر ہاشمی کے کالم کا عنوان 'خبر لیجے زباں بگڑی'

تھا اور احمد حاطب کے کالم کا عنوان 'غلطی ہائے مضامین' ہے۔ راقم نے بھی اس حوالے سے متعدد مضامین لکھے ہیں۔

حسن ضیاء کا یہ مضمون انتہائی اہم اور قابل مطالعہ ہے۔ اس میں انہوں نے جہاں اردو صحافت کے تابناک ماضی کی جانب اشارہ کیا ہے وہیں اپنے کرئیر کے بارے میں بھی خاصی گفتگو کی ہے۔ انہیں یو پی ایس سی کے امتحان میں کامیابی کے بعد 1985 ہی میں سرکاری ملازمت مل گئی تھی۔ بارہ سال پریس انفارمیشن بیورو میں خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد سرکاری مجلات سینک سماچار، یوجنا، روزگار سماچار، ایمپلائمنٹ نیوز اور ادبی ماہنامہ آجکل کے مدیر رہے۔ وہ 2020 میں ملازمت سے ریٹائرڈ ہو گئے لیکن اس کے بعد بھی حکومت کو ان کی ضرورت باقی رہی اور وہ ماہنامہ آجکل کے مدیر کی حیثیت سے برسوں خدمات انجام دیتے رہے۔ جب وہ اس ملازمت میں آئے تو اس وقت اخبارات و رسائل خاصی تعداد میں پڑھے جاتے تھے۔ اخباروں کی سرکولیشن بھی اچھی تھی۔ ان کے بقول جب میں 2000 میں پبلی کیشن ڈویژن میں آیا تو یہاں ایسے رسائل و جرائد میں کام کرنے کا موقع ملا جو بازار میں بکتے تھے اور مقبول عام تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ 2004 کے آس پاس ایمپلائمنٹ نیوز انگریزی کا ہر شمارہ تقریباً سات لاکھ چھپتا تھا۔ یوجنا اور روزگار سماچار بھی ایک ایک لاکھ چھپتے تھے۔ اگر وہ آجکل کی تعداد اشاعت بھی بتا دیتے تو اور اچھا ہوتا۔

حسن ضیاء نے اس مضمون میں اپنے صحافتی نظریات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ ان کا کہنا ہے:

''مجھے وہ صحافی پسند ہے جس کے آنکھ ناک کان کھلے ہوں اور جو اپنے چاروں طرف کی زندگی سے گہری دلچسپی رکھتا ہو۔ جو ماضی و حال کو سمجھتا ہو اور ان کے درمیان کی کڑیاں ملا سکتا ہو۔ غیر جانبدار ہو اور رنگ و نسل، ملک و قوم، مذہب و ملت، مسلک، علاقے، خطے ہر طرح کے تعصب سے بالاتر ہو کر صحافتی فرائض انجام دینا جانتا ہو اور واقعہ، حادثہ اور حقائق معمولی ہوں یا غیر معمولی ان سے خبر نکال سکے اور ان کے پیچھے چھپے اور پوشیدہ نکات کو بھی ہمارے سامنے لے آئے''۔

پھر مصنف اس بات کا بجا اور برملا اعتراف کرتے ہیں کہ ایسے صحافی آج کے دور میں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں۔ انہوں نے جہاں اپنے مضمون میں پرنٹ میڈیا اور اردو صحافت کے عظیم الشان دور کی یاد دلائی ہے اور اختصار کے ساتھ صحافت کی حالیہ صورت حال کا نقشہ کھینچا ہے وہیں انہوں نے اس کے مستقبل کے بارے میں بھی اپنی رائے ظاہر کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''وسیع تر تناظر میں اردو صحافت کا مستقبل ہندوستان یا دنیا کی دوسری زبانوں کے مستقبل سے الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔ لیکن اردو ہندوستان میں کمزور حالت میں ہے لہٰذا اس کی صحافت کے مستقبل کو لے کر بھی خدشات جائز ہیں۔ اردو کا پرنٹ میڈیا آج بہت محدود ہو چکا ہے۔ آنے والے وقت میں اس کا حلقۂ اثر مزید کم ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر اردو پڑھنے لکھنے والے خلوص اور توجہ کے ساتھ اردو صحافت اور اردو اخبارات کے فروغ میں حصہ لیں تو ہم تاریک مستقبل کی جانب سفر کو روک بھی سکتے ہیں اور ہمارے اخبارات و رسائل زندہ رہ سکتے ہیں''۔

ان کی یہ رائے بالکل درست ہے۔ اردو صحافت کے مستقبل کو دیگر زبانوں کی صحافت سے الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔ جس طرح دوسری زبانوں کے اخبارات کی تعداد اشاعت کم ہوئی ہے اسی طرح اردو اخبارات کی بھی کم ہوئی ہے۔ اس کی متعدد وجوہات ہیں۔ جہاں تک اردو کا معاملہ ہے تو اہل اردو بھی اس صورت حال کے ذمہ دار ہیں۔ وہ صرف حکومتوں کی پالیسیوں اور عدم تعاون کا رونا روتے ہیں۔ از خود کچھ کرنے کو تیار نہیں۔ اردو گھرانوں نے اردو پڑھنا لکھنا چھوڑ دیا ہے۔ اخبارات منگانے بند کر دیے ہیں۔ اردو کا معاملہ دوسری زبانوں کے معاملے سے ذرا سا الگ ہے۔ اگر دوسری زبانوں کے لوگ اپنی زبان کے تحفظ کے لیے کچھ نہیں کرتے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اردو والے بھی کچھ نہ کریں۔ ان کے لیے اس زبان کا تحفظ اپنے دینی سرمائے اور اردو تہذیب کا تحفظ ہے۔

یہ کتاب سات ابواب پر مشتمل ہے اور کافی متنوع ہے۔ اس کے مختلف گوشے ہیں۔ اس میں صرف صحافت ہی نہیں بلکہ ادب بھی ہے۔ سفرنامہ بھی ہے۔ شخصیات پر بھی مضامین ہیں۔ پہلا باب اردو صحافت کے لیے مختص ہے۔ اس میں پندرہ مضامین ہیں جو صحافت کے مختلف گوشوں سے بحث کرتے ہیں۔ ان میں

انہوں نے اخبارات و رسائل اور کاغذ پر چھپی کتابوں کو بچانے کی پرزور وکالت اور ان سے دلچسپی کو ہر حال میں قائم رکھنے پر زور دیا ہے۔ دوسرا باب شخصیات کے نام وقف ہے۔ اس کے تحت 35 شخصیات پر مضامین ہیں۔ یہ وہ شخصیات ہیں جنہوں نے صحافت، ادب، شاعری اور سیاست کے میدانوں میں قابل ذکر خدمات انجام دی ہیں۔ کس کس کا نام لیا جائے سبھی چندے آفتاب و چندے ماہتاب ہیں۔ جیسے خواجہ احمد عباس، سیدین صاحب، خواجہ احمد فاروقی، کرشن چندر، جگن ناتھ آزاد، مجتبیٰ حسین، خمار بارہ بنکوی، مجروح سلطانپوری، گلزار دہلوی، پیرزادہ قاسم، عزم بہزاد (یہ دونوں میرے پسندیدہ شاعر ہیں)، بدر الدین طیب جی، آل احمد سرور وغیرہ وغیرہ۔ خاص بات یہ ہے کہ حسن ضیاء نے شخصیات کے انتخاب میں معیار کا لحاظ رکھا ہے۔ تیسرا باب سفرنامہ ہے۔ اس میں انہوں نے اپنے سفر یوروپ کی دلچسپ روداد پیش کی ہے۔ چوتھا باب زبان و ادب کے لیے وقف ہے۔ اس میں 32 مضامین ہیں۔ اس میں ادب کی معروف شخصیات بھی ہیں اور ادب کے مختلف گوشے بھی۔ جبکہ ای بکس، ورچوئل کتاب اور ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کے امکانات کا جائزہ لیتے ہوئے عہد جدید کی ٹیکنالوجیکل ترقی کو بھی کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔ غالبیات کے تحت چھ مضامین ہیں جن میں غالب، ان کی شاعری اور ان کے فن کا کئی پہلوؤں سے جائزہ لیا گیا ہے۔ تحریک آزادی، آئین اور گاندھیائی ادب نامی باب میں 13 مضامین ہیں۔ جو 1857 کی جنگ سے لے کر آئین، جمہوریت اور گاندھی جی کی خدمات کا احاطہ کرتے ہیں۔ ایک مضمون کلیات مہاتما گاندھی بھی ہے۔ اس میں یہ معلومات فراہم کی گئی ہیں کہ گاندھی جی کی تمام تحریروں اور تقاریر کو یکجا کر کے ان کے کلیات تیار کرنے کا اہم کام حکومت ہند نے 60 کی دہائی میں وزارت اطلاعات ونشریات کے ادارے پبلی کیشنز ڈویژن کے سپرد کیا تھا۔ اس ادارے نے 100 جلدوں میں گاندھی جی کا کلیات تیار کیا۔ حسن ضیاء نے متفرقات کے تحت تین مضامین شامل کیے ہیں جو کورونا سے متعلق ہیں۔ آخر میں انہوں نے اپنا سوانحی خاکہ، تاثرات اور تصاویر شامل کی ہیں۔

اس کتاب میں بیشتر مضامین وہ ہیں جو انہوں نے آجکل کے ایڈیٹر کی حیثیت سے بطور اداریہ لکھے تھے۔ اس کے علاوہ کچھ دوسرے مضامین بھی ہیں جو مختلف اخبارات و رسائل میں شائع ہوئے۔ انہوں نے ادبی مضامین میں ادب کی تفہیم کی کوشش کے ساتھ ساتھ متوازن نقطۂ نظر اپنانے کی بھی سعی کی ہے۔ کتاب کے مطالعے سے اندازہ ہوا کہ حسن ضیاء کمیت کو نہیں بلکہ کیفیت کو پسند کرتے ہیں۔ یعنی کم لکھنے مگر معیاری لکھنے کے اصول میں یقین رکھتے ہیں۔ اس کتاب کی ایک خوبی اس کی شستہ اور رواں زبان ہے۔ موضوع کا معیاری انتخاب قاری کو پوری کتاب پڑھنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ صحافت و ادب کے شعبوں سے وابستہ تمام افراد کو اسے پڑھنا چاہیے۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ اگر قاری نے ماہنامہ آجکل کے ان کے دور کے اداریے نہیں پڑھے ہیں تو وہ اس کتاب کے حوالے سے استفادہ کرسکتا ہے۔

☆مبصر سے رابطہ: ذاکرنگر، اوکھلا، نئی دہلی۔ Mob: 9818195929

□□□

روضۃ الشہدا اور کربل کتھا (تقابلی مطالعہ)

مصنف: ڈاکٹر صابر علی سیوانی
صفحات: 312، قیمت: -/400، اشاعت: 2024
ISBN 978-93-6062-341-8
ناشر: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی-110002
مصنف سے رابطہ: 9989796088

——از: ایم نصر اللہ نصر☆

صابر علی سیوانی ایک اعلیٰ پائے کے محقق، ناقد اور مبصر اور ایک اچھے مضمون نگار بھی ہیں۔ اس کتاب میں دو کتابوں 'روضۃ الشہدا' اور کربل کتھا کا انہوں نے خوبصورت موازنہ پیش کیا ہے۔ اس کے علاوہ عزاداری اور مرثیہ گوئی کی روایت اور دونوں مصنّفین کی شخصیت اور علمی خدمات کا تذکرہ بھی پیش کیا ہے۔ یہ کام آسان نہیں۔ تقابلی جائزہ لینا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ اس کے لیے دونوں شخصیات یا دونوں کتابوں کا بالاستیعاب مطالعہ ضروری ہے۔ دونوں کے مرکزی خیالات و معاملات کا علم ہونا بھی

لازمی ہے۔لیکن یہ کام صابرسیوانی نے سلیقے سے کیا ہے۔

سانحۂ کربلا کے تعلق سے بےشمار کتابیں لکھی گئی ہیں۔ان میں سے دو کو زیادہ مقبولیت ملی ہے۔ایک روضۃ الشہدا اور دوسرا کربل کتھا۔دونوں کا تقابلی جائزہ لیتے ہوئے موصوف نے آٹھ ابواب قائم کیے ہیں۔اس کی ترتیب کچھ اس طرح ہے: ا۔عزاداری اور مرثیہ گوئی کی روایت ۲۔ ملاحسین وعظ قاشفی کے حالات زندگی اور تصانیف ۳۔فضل علی فضلی کے حالات زندگی اورتصانیف ۴۔روضۃ الشہداء کاادبی وتہذیبی پس منظر ۵۔کربل کتھا کا ادبی وتہذیبی پس منظر ۶۔روضۃ الشہدا کا تنقیدی جائزہ ۷۔کربل کتھا کا تنقیدی جائزہ ۸۔روضۃ الشہدا اورکربل کتھا کا تقابلی مطالعہ۔پہلی کتاب کے پہلے باب میں ان نبیوں کے حالات زندگی کا جائزہ لیا گیا ہے جن کی زندگی کافی دشوارکن رہی، دوسرے میں رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور کفار مکہ کے ظلم وستم کو بیان کیا گیا ہے۔تیسرے میں شہادت چوتھے میں فاطمۃ الزہرہ کی مغموم زندگی کا پس منظر پیش کیا گیا ہے۔پانچویں باب میں حضرت علی کی معرکہ آرا زندگی کو بیان کیا گیا ہے۔ششم میں حضرت حسین کی شہادت، ساتویں میں حسین کی مدحت اور باطل کی مذمت کی گئی ہے اور آٹھویں میں مسلم بن عقیل اوران کے دولخت جگر کے واقعاتِ شہادت کو پیش کیا گیا ہے۔کربل کتھا میں بھی انہیں واقعات وسانحات کو دہرایا گیا ہے۔لیکن اس کا اسلوب پہلے والی کتاب سے بہتر ہے۔

صابرعلی سیوانی نے دونوں کتابوں کا بغور مطالعہ کیا ہے اور جو باتیں مماثل کے دائرے میں آتی ہیں ان کو بھی بیان کیا ہے اور جو انفراد کے خانے میں آتی ہیں ان کو بھی بہ حسن وخوبی بیان کیا ہے۔وہ فرماتے ہیں:

''فضل علی فضلی نے اپنی طباعی اور اختراعی کوششوں سے اردونثر کا شاہکار 'کربل کتھا' پیش کیا۔فضلی کی یہ تالیف فارسی کی مشہورترین کتاب 'روضۃ الشہداء کا اردو خلاصہ ہے۔جسے ملا حسین واعظ کاشفی کی تصنیف کہا جاتا ہے۔جنہوں نے یہ کتاب لکھ کر ایرانی ماحول میں عزاداری اور روضہ خوانی کے لیے ایک بہترین ادبی مواد پیش کیا جس میں بہترین نثر نگاری اور انشاء پردازی کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔اس میں قرآنی آیات، احادث نبوی، محاورے اور ضرب المثال کے برمحل استعمال سے ادبی مزاج سے ہم آہنگ کردیا ہے۔ایران میں یہ کتاب بہت مقبول ہوئی۔''

کربل کتھا میں فضلی نے شہدائے کربلا کے واقعاتِ شہادت کونہایت شرح وبسط اوراختصار کے ساتھ پیش کیا ہے۔اس کتاب کی زبان پرکھڑی بولی، برج بھاشااور دہلی کے اطراف میں بولی جانے والی دیگر بولیوں کے اثرات ہیں۔نثر کہیں کہیں رنگین اورمرصع ہے لیکن کتاب کے اکثر مقامات پر سادہ اور رواں نثر استعمال کیا گیا ہے۔کربل کتھا کا موضوع واقعات کربلا ہے لیکن اس کے تناظر میں انہوں ہندوستانی تہذیب، ہندوستانی معاشرہ اور ہندوستانیت کو بھی مکمل طور پر پیش کیا ہے۔

مجموعی اعتبار سے صابرعلی سیوانی کی یہ کوشش کامیاب ہے کافی محنت اور مطالعہ کے بعد یہ کتاب منظرعام پر آسکی ہے۔اس کے لیے موصوف کو بہت بہت مبارکباد۔

☆ مبصر کا پتہ: شالیمار اپارٹمنٹ، 3/A ستین بوس روڈ، بلاک C، بکولتا، ہاوڑہ-711109 (مغربی بنگال) Mob: 9339976034

❑❑❑

یادگارِزمانہ ہیں یہ لوگ

مصنف: (مولانا) سیّدمحمد ازہر شاہ قیصر

صفحات: 288، قیمت: -/400، اشاعت: 2024

ناشر: مکتبۃ الانوار، شاہ منزل، محلہ خانقاہ، دیوبند-247554 (یوپی)

Mobile: 9568797801

——— از: ایم نصراللہ نصر☆

'یادگارِزمانہ ہیں یہ لوگ' (مولانا) سیدمحمد ازہر شاہ قیصر کی تصنیف کردہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں گزشتہ نصف صدی کے علما، صلحا، شعرا، دانشور اور قومی رہنماؤں کی مثالی زندگی کا ایک مختصر جائزہ پیش کیا گیا ہے جن کی مجموعی تعداد 42 کے قریب ہے۔ان میں علامہ انورشاہ کشمیری، (مولانا) شبیر احمد عثمانی، (مولانا) عبیداللہ سندھی، (مولانا) مناظر احسن گیلانی، (مولانا) حفظ الرحمن، (مولانا) انور شاہ، جگر مرادآبادی،

احسان دانش، (مولانا) ظفر علی خاں، (مولانا) غلام رسول مہر، روش صدیقی اور دیگر بے شمار اکابر کے نام شامل ہیں۔ ایک طرح سے دیکھا جائے تو یہ ایک خوبصورت اور معلوماتی تذکرہ ہے۔ اس کے مطالعے سے اس میں درج حضرات کے کوائف، شخصیت اور علمی و ادبی خدمات کا اندازہ ہوتا ہے۔ شروع شروع میں یہ رسمی کتاب محسوس ہوگی لیکن جیسے ہی قاری اس کی ورق گردانی شروع کرے گا، مکمل مطالعے کے بغیر خود کو روک نہیں پائے گا۔ سب سے پہلے تو مصنف نے جس انداز سے، خوبصورت بندش الفاظ، بہترین جملہ سازی، شگفتہ بیانی اور معلومات کے خزانہ سے قاری کو روشناس کرایا ہے، وہ لائق صد ستائش ہے۔ صرف ایک شخصیت کے تعلق سے بحث مقصود ہے ملاحظہ فرمائیں۔ موصوف علامہ انور شاہ کشمیری کے تعلق سے مضمون بندی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''خطۂ کشمیر اپنی حسین و گل فروش وادیوں بہار بہ دامن کوہساروں، باصرہ نواز مناظر، خوبصورت چمنستانوں، دل نواز لالہ زاروں، اپنی اونچی اونچی سبزہ فروش پہاڑیوں اور اپنی گہری گہری ترائیوں کے اعتبار ہی سے زمین پر قدرت کی کاریگری اور صناعی کا ایک بے مثال نمونہ ہی نہیں، نہ صرف یہ کہ وہاں قدم قدم پر لالہ و گل کے خزانے بکھرے پڑے ہیں۔ وہاں کا ہر ذرہ حسنِ فطرت کا ایک دل آویز شاہکار ہے۔ زمین پر مچل مچل کر چلتے اور بہتے ہوئے سرد و شیریں چشمے، دراز قد اور سڈول جسم نازنینوں کی طرح تن کر کھڑے چنار کے درخت، سیب اور خوبانی کے پیڑ، شگوفوں کی چادریں، قدرتی چشمے اور آبشار دریا کنارے بیٹھی ہوئیں حسین دوشیزائیں۔۔۔ اپنا کوئی جواب نہیں رکھتیں۔''
(ص:22)

اس اقتباس کا مقصد یہ ہے کہ لفظوں میں عکس بندی اور منظر کشی کس طرح کی جاتی ہے قاری اور قلم کار دیکھ لے۔ جس قدر کشمیر کے مناظر حسین اور پُرکشش ہیں اسی طرح موصوف کی طرز نگارش اور اسلوب بھی ہے۔ شگفتہ الفاظ کی تراکیب بندی اور ایک ایک چیز کی عکس ریزی وہ بھی ایسی کہ قاری سرسری نظر ڈال کر گزر نہیں سکتا۔ متبسم الفاظ و مترنم تراکیب سے آنکھ ملائے اور مصافحہ کیے بغیر وہ قدم آگے نہیں بڑھا سکتا بلکہ دو گھڑی قیام کرنا وہ اپنی خوش نصیبی سمجھے گا۔ اس طرح کی تحریریں اردو ادب میں اب دیکھنے کو کم ملتی ہیں۔ صرف اردو کی دلکشی اور چاشنی کے لیے اس کتاب کا مطالعہ لازمی ہے۔ اس میں ایک جملہ بھی ایسا نہیں جس پر قاری کی نظر نہ ٹھہرے اور وہ گزر جائے۔ میں نے خود اس کتاب کو ایک رسمی کتاب سمجھ کر رکھ دیا تھا مگر جیسے ہی اس کی ورق گردانی شروع کی، اپنی بے توجہی اور کتاب کی ناقدری پر بہت افسوس ہوا۔ پورے صفحات اس طرح کی عبارت بندی سے بھرے پڑے ہیں۔ جی چاہتا ہے سب کوٹ کردیں، مگر یہ ممکن نہیں۔ اب ان کی تذکرہ نگاری کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

''حضرت مولانا انور شاہ کا تعلق کشمیر کے ایک قدیم الایام خاندان سے ہے۔ جس کے مورث اعلیٰ بغداد سے پہلے ملتان آئے اور ملتان سے لاہور پہنچے اور لاہور سے کشمیر کی رنگینیوں اور فطری خوبصورتیوں نے انہیں اپنی طرف کھینچ لیا اور یہ خاندان مستقل حیثیت سے کشمیر میں بس گیا۔ مولانا انور شاہ کے خاندان میں علم و فضل اور حکمت و دانائی کے جوہر قدرتی طور پر تقسیم ہوتے رہے۔'' (ص:24)

اس مضمون میں مصنف نے (مولانا) انور شاہ کشمیری کی پوری زندگی (محد تا لحد) کا احاطہ بڑے سلیقے سے کیا ہے۔ کشمیر میں پیدائش اور تعلیم، دیوبند میں درس و تدریس کا پیشہ، دہلی اور دیگر خطوں میں قیام اور ان کی تعلیمی خدمات کے ساتھ 1933 میں دیوبند میں وفات کے ایک ایک واقعہ کو کھل کر بیان کیا ہے، جو کافی معلوماتی ہے۔

یہ کتاب یقینی طور پر ہم طالب علموں کے لیے لائق مطالعہ اور افادیت سے بھرپور ہے۔ اس کے مطالعے سے ہم اپنی معلومات میں اضافہ کرسکتے ہیں ساتھ ہی اردو میں جملہ سازی کے ہنر سے بھی واقف ہوسکتے ہیں۔ صاحب تحریر کو بہت بہت مبارکباد۔

☆ مبصر کا پتہ: شالیمار اپارٹمنٹ، 3/A ستین بوس روڈ، بلاک C، بکولتا، ہاوڑہ-711109 (مغربی بنگال)
Mob: 9339976034

□□□

ابرار احمد کی پانچ فکر انگیز اسلامی کتابیں

فہم قرآن

تفہیم قرآن مجید کے حوالے سے نئی نسل کے لیے ایک گراں قدر تحفہ

صفحات: 480 قیمت:-/350 ISBN 978-93-83239-89-4

نقوشِ کفِ پائے مصطفیٰ ﷺ

رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ مبارکہ عام فہم انداز میں... طلبا اور نوجوانوں کے لیے ایک اہم کتاب

صفحات: 424 قیمت:-/300 ISBN978-93-83239-75-7

سیّد البشر (ﷺ)

سیرتِ رسولؐ پر نادر اور جداگانہ اُسلوب میں ایک اہم تالیف

اس کتاب میں واقعات اور کرداروں کے ساتھ سیرتؐ سے متعلق

ذیلی عنوان قائم کر کے سیرت کے اصل پیغام کو ذہنوں میں نقش کرنے کی کوشش کی گئی ہے

صفحات:800 (مجلد) قیمت:-/800 اشاعت:2022 ISBN 978-93-90579-46-4

کائنات گواہ ہے

اللہ کی نشانیوں کے تعلق سے قرآن اور سائنس کے موضوع پر فکر انگیز کتاب

قرآن انسانوں کے لیے کتابِ ہدایت ہے۔ اس کتاب میں قرآنی آیات کے

حوالوں کے ساتھ سائنسی آرا اور افکار کا جائزہ لیا گیا ہے۔

صفحات: 248 قیمت:-/300 اشاعت:2023 ISBN 978-93-90579-40-2

اوراقِ حکمت

قرآنی آیات اور مضامین کے حوالے سے دینی موضوعات پر اہم تالیف

صفحات: 672 قیمت:-/800 اشاعت:2025 ISBN 978-93-90579-94-5

ناشر: القاسم پبلی کیشنز، سوائی مادھو پور (راجستھان)

Mobile: 9414308409

دہلی میں ملنے کا پتہ: اردو بک ریویو، نئی دہلی۔ فون نمبر 011-44753890

Advtt. 01/2025

نصاب (شعری مجموعہ)

شاعر: رشید افروز، اہتمام و پیشکش: ڈاکٹر اختر شاہ
صفحات: 192، قیمت: -/350، اشاعت: 2021
ISBN 978-93-83674-32-9
ناشر: ثروت پبلشرز، 28 سنجار پارک، نزد لولی پارک، وشالا سرکل، شاہ وادی، جوہا پورا پوسٹ، احمد آباد-380055 (گجرات)
Mobile: 8401127545

——— از: سعید اختر اعظمی☆

''اندھیری رات کے بوسیدہ ساحل پر/ طلوع صبح کے مینار سے/ اللہ اکبر کی صدائیں سن رہا ہوں/ مرے معبود گم راہی سے بے شک تو بچاتا ہے/ جسے تو چاہتا ہے نیک کاموں کی سعادت بخش دیتا ہے/ بے شک نیند بہتر ہو نہیں سکتی نمازوں سے/ عبادت نیند سے بہتر ہے/ میں تسلیم کرتا ہوں/ یہ ساری رات میں نے جاگ کر کیسے گزاری ہے/ نسیم صبح کے جھونکوں سے/ میری جلتی آنکھوں میں/ ذرا سی دیر سونے کی تمنا جاگ اُٹھی ہے/ مجھے ڈر ہے/ نماز صبح سے پہلے مبادا آنکھ لگ جائے/ اگر کچھ دیر نیند آجائے تو یا رب درگزر کرنا/ مری بے نور آنکھوں میں/ سنہرے خواب بھر دینا۔''

رشید افروز کی اس آزاد نظم کے چند منتخب مصرعوں کی یکجائی سے جو تصویر بنتی ہے وہ خالق کی نظر کرم اور بندے کی معصوم فطرت کی عکاسی کرتی ہے۔ یہ قربتِ الٰہی اور رحمتِ باری کا دلکش امتزاج بھی ہے۔ ایک دوسری آزاد نظم میں وہ یوں اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں: ''میں ترا نیاز مند/ محبتوں کی چاہ میں/ بھٹک رہا ہوں دربدر/ تو مرا یقین ہے/ تو مرا اساس ہے''

1962 میں شاعری کی زلف گرہ گیر کے اسیر ہونے والے رشید افروز کو پہلی بار 1967 میں 'شب خون' کے صفحات پہ جگہ ملی۔ عجیب بات یہ ہوئی کہ انہوں نے 1962 تا 1965 کی تخلیقات ضائع کر دیں۔ 1966 تا 1980 کی تخلیقات کو 'نفی' کے نام سے عبید صدیقی (مرحوم) نے مرتب کر کے 1980 میں شائع کیا۔ بعد ازاں جو کچھ کہا اسے یادداشت میں محفوظ رکھا اور ہمدم دیرینہ خلیل تنویر کی تحریک پر 2020 میں کرونا لاک ڈاؤن کے دوران یکجا کر ڈالا۔ مجموعہ ثانی 'نصاب' ڈاکٹر اختر شاہ کے تعاون سے اشاعت پذیر ہوا ہے جو تا حال کا منتخب سرمایہ ہے، دیگر شعری حوالوں کو انہوں نے مسترد کر دیا ہے۔ گویا کہ 'نفی' و 'نصاب' کے علاوہ دیگر کلام ناقابل اشاعت اور منسوخ شدہ ہے۔ حالیہ مجموعہ تقریباً چھ درجن آزاد منظومات و غزلیات پہ مشتمل ہے۔ نظموں کے موضوعات حالات حاضرہ اور فکری تنوع کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ان میں تجریدی رنگ و آہنگ کے شانہ بہ شانہ عمومی مشاہدے کا پرتو بھی ہے۔ چند آزاد نظمیں بطور نمونہ ملاحظہ ہوں:

آفس کی اونچی بلڈنگ سے/ میں آکاش کو چھو لوں/ اور آکاش کے چاند ستارے/ اپنی جیب میں بھر لوں/ گھر لوٹوں/ اور گڈو پوچھے/ 'پاپا تم کچھ لائے'/ میں اس کے ننھے ہاتھوں پر/ چاند ستارے رکھ دوں/ آج اپنے گھر جاؤں تو/ خالی ہاتھ نہ جاؤں
(سہیل کی سالگرہ پر۔ ص 92)

مجھے خود یقیں ہے/ ابھی اور کچھ روز/ تم میری انگلی پکڑ کر چلو گے/ مگر... جلد ہی/ جب سہاروں کی حد سے گزر جاؤ گے/ اپنی بیساکھیاں پھینک دو گے/ مری لاش پر سے گزر جاؤ گے
(مجھے خود یقیں ہے۔ ص 88)

بہت دُور سے آ رہا ہوں/ بہت تھک گیا ہوں/ جی چاہتا ہے/ گھنی چھاؤں میں/ کچھ دیر آرام کر لوں/ مگر خوف ہے/ کہیں یہ تھکن موت کا پیش خیمہ نہ ہو (پیش خیمہ۔ ص 86)

نیند نہ آنے کا شکوہ/ بہت پرانا قصہ تھا/ لیکن/ کل کی رات انوکھی تھی/ جب میں صبح تلک ایسے جاگا/ ذہن میں کوئی بات نہیں تھی/ آنکھوں میں آنسو بھی نہیں تھے (انوکھی رات۔ ص 82)

کل اس نے/ میرے کاندھے پہ ہاتھ رکھا تھا/ اور کہا تھا/ بھائی میرے/ صبر کرو/ صبر سے رب راضی ہوتا ہے/ آج یہی الفاظ/ میں اس کے گھر جا کر دہرا آیا ہوں (پُرسہ۔ ص 80)

تم سے مل کر اب تک میں نے/ دنیا بھر کی باتیں کی ہیں/ لیکن اب یہ عہد کیا ہے/ تم سے مل کر/ صرف تمہاری بات کروں گا

(وعدہ۔ص 69)

ان نظموں کے اندرون میں احساس کی چمک اور جذبات کی دھمک کے علاوہ افکار کی وسعت بھی نمایاں ہے۔ شاعر حساس دل رکھتا ہے اور اپنے گردوپیش سے باخبر بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اندرونی و بیرونی تمام مناظر لفظوں میں بہ آسانی سمیٹ دیتا ہے۔ یہ مختصر نظمیں بھی دیکھیے:

کیا عجب کھیل ہے/ جو شخص قریب آتا ہے/ اپنے ہمراہ/ نئی دوریاں لے آتا ہے (حاصل۔ص 62)

میں نے اپنے ہاتھوں میں/ دریا قید کیا تھا/ ریت کہاں سے آئی (شکست۔ص 59)

میں نے اس سے مل کر دیکھا/ نہ ملنا کتنا بہتر تھا

(منافق۔ص 55)

غزلوں میں لفظوں کے تضاد سے انہوں نے حسن کائنات کی تشکیل کی ہے۔شب وسحر، بنجر و کاشت، خواب و بیداری، خاموشی و پکار وغیرہ کے تنوع رنگ عناوین شعری حوالوں کو معتبر کرتے ہیں۔ یہ اشعار دیکھیے:

ہمیں کیوں نیند سی آنے لگی ہے
شب ہجراں سحر ہونے کو ہے کیا

زمیں بنجر، نہ دانہ ہے، نہ پانی
تمنا کے سوا بونے کو ہے کیا

....

خواب غفلت کی پکڑ سخت بہت تھی، لیکن
صبح صادق نے مجھے وقت پہ بیدار کیا

....

خاموشیوں میں ڈوب گئی زندگی تمام
آواز دے کے جانے کہاں چھپ گیا ہے تو

سہل ممتنع کے رنگ شعری کینوس پہ اتارنے میں بھی ان کا کوئی جواب نہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ ہمارے دل کی ہی آواز ہے:

مانگ لیتا ہوں دعا، عادت ہے
ورنہ اس دل کی طلب کچھ بھی نہیں

....

ہم بھری بزم میں چپ ہیں کہ ہمیں تیرے سوا
اب کوئی اور پکارے تو بُرا لگتا ہے

....

ترازو میں کسی سے لفظ کب تولے گئے ہیں
جو تم نے کہہ دیا اُس پہ بھروسہ کرلیا ہے

....

سب کو دیکھا، سب کو پرکھا، کوئی نہیں
تم جو ہو، جیسے ہو، ایسا کوئی نہیں
بے وجہ کس الجھن میں پڑ جاتے ہو
تم اچھے ہو، تم سے اچھا کوئی نہیں

لکھنے کے عمل میں انہوں نے 'نصاب واضطراب اور حساب' کو کتنی خوبصورتی سے برتا ہے، ملاحظہ کیجیے:

نئے جہاں کا نصاب لکھوں
ورق ورق اضطراب لکھوں
دیا سلائی کی روشنی میں
تمام دن کا حساب لکھوں

وارث علوی (مرحوم) اور عبید صدیقی (مرحوم) کی آرا کے شانہ بہ شانہ شاعر نے فلیپ پہ اپنی شاعری کے حوالے سے جو اختصاریہ پیش کیا ہے اس سے ان کے فکروفن سے آگاہی مل جاتی ہے۔ سطور آخر کے طور پہ نظم 'شاہکار' ملاحظہ فرمائیں اور افکار سے بہ حسن وخوبی استفادہ بھی کریں۔

برسوں کی محنت سے میں نے/ جیون کے بے رنگ کاغذ پر/ دل کش تصویر بنائی ہے/ اس تصویر میں/ صبح کا اجلا پن ہے/ دن کی دھوپ سنہری ہے/ شام شفق کے رنگ ہیں/ رات سہانی ہے/ لیکن/ اس تصویر میں اب بھی کوئی کمی سی ہے/ ایسی ایک کمی جو مجھ سے دور نہیں ہوسکتی/ تم جو آؤ/ میں اپنی تصویر مکمل کرلوں (ص 84)

☆مبصر سے رابطہ: ریاض۔ (سعودی عرب)
Mobile: +966598300320

❑❑❑

اردو کی حقیقی ترقی ہی
اردو کی معراج ہے

لہو بادبان (کلیات اوّل)

شاعر: ساجد حمید
صفحات: 711، قیمت:-/500، اشاعت: 2019
ناشر: کرناٹک اردو اکادمی، ایس سی روڈ، شیشا دری پورم، بنگلورو-560020 (کرناٹک)

——— از: سعید اختر اعظمی☆

ریاضت سخن میں گم ہوجانے کا وہ مرحلہ جس میں ذاتی و دنیاوی غم جذب ہوجائے یقینا کارِ زیاں نہیں ہوسکتا۔ وہ شاعر اپنے عہد کی آواز ہوتا ہے جو تہذیبی عناصر کو نمو بخشے۔ ساجد حمید انسانیت کے سرد وجود کو مانندِ آفتاب ضیا پاش اور تپش آمیز دیکھنے کے تمنائی ہیں۔ وہ گردشِ شمس کے استقرار کو بقائے زیست سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کی سخن وری ذات کے داخلی کرب، دیدہ بینا کی کارفرمائی، رنج محرومی اور مضطرب روح کی تفتیش سے عبارت ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ حیات چندروزہ امانت ہے جو احتسابی عمل سے ضرور گزرے گی۔ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ تنہائی عصر حاضر کے ہر ذی شعور کا مقدر بن چکی ہے۔ سمٹتے فاصلوں کے باوجود انسان حصول قربت سے نالاں ہے۔ وہ احساس کی تجرباتی سطح پہ تجریدی لمحوں کی تجسیم کاری میں مصروف ہیں اور یہ سخن صورت انہیں بہر طور راس آئی ہے۔

ساجد حمید نے روایت کو بطور عقیدت نہیں، ذہانت کے رد وقبول کے عمل سے گزار کر اپنا ہم سفر بنایا ہے جس کا اعلامیہ ان کے پانچ شعری مجموعے ('بہت ذرا سا'، 'جگنو لمحے'، 'نفی ضرب نفی'، 'یادوں کے مہتاب'، 'نکہت رقصاں') ہیں۔ ان میں سے ابتدائی چار کی غزلیات و منظومات کو کلیات جلد اول بنام 'لہو بادبان' میں جگہ دی گئی ہے۔ یہ انتخاب ہے جس میں پانچویں مجموعہ 'نکہت رقصاں' کی شمولیت نہیں ہے۔ موصوف کا خیال ہے کہ تمام کو شامل کرنے سے ضخامت بڑھ جاتی جو قارئین کے لیے زحمت کا سبب بنتی۔ کلیات کی ابتدا دعائیہ سے ہوتی ہے۔ اس سے چند اشعار بطور نمونہ:

فراق لمحوں کو جاوداں کر
عذاب راتوں کو ضوفشاں کر
دبیز چہروں کی تہ میں پنہاں
اداسیوں کو سحر نشاں کر
رگوں میں پھیلا مہکتے جگنو
شفق لہو میں دھنک رواں کر
سسکتی راتوں کو چاندنی دے
سمٹتی سانسوں کو بیکراں کر

یہ دعائیہ آہنگ سخن وری کی فضائے بسیط میں نجوم و کواکب بن کر اسے منور کررہا ہے۔ یہ اشعار دیکھیے:

سلگتی آنکھوں میں نیند کی اوس ڈال دے تو
اک ابرزرخیز میرے سر پہ اچھال دے تو
مرے خیالوں کے چاندسورج تری امانت
میں مطمئن ہوں عروج دے یا زوال دے تو

....

شہروقریہ کا تضادوتفاوت ہر کسی پہ عیاں ہے۔ شاعر اسے کس حوالے سے دیکھتا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

کھینچ لینے تھے اُٹھتے بڑھتے قدم
جب رہٹ نے مجھے پکارا تھا
آنکھ سے ٹوٹ کر گرا کل شب
میں نے برسوں جسے سنوارا تھا

....

عبث تو جوجھ رہا ہے دیارغیر میں کیوں
تجھے تو گاؤں میں اپنے سحاب ہونا تھا

وہ افکار وخیالات کو الفاظ کے نرم ونازک دھاگوں میں پرو کر نیا پیکر عطا کرتے ہیں۔ یہ اشعار اس کی بہترین مثال ہیں:

شام کی ساعت اول میں فلک پہ جاکر
ہم نے دیکھا ہے سمندر کو خیالات میں گم
وہ جواک لمحہ حیراں تھا سبک رو تنہا
ہوگیا ہے تری آنکھوں کے طلسمات میں گم

....

ایک نازک خیال تتلی سا
بھر چکا ہے اُڑان بالآخر

'لہو' ان کی سخنوری کے رگ وپے میں رچابسا لگتا ہے۔

انہوں نے اتنے لہورنگ زاویے پیش کیے ہیں کہ شاید تنوع جہتی کی دوسری مثال ہی نہ ملے:

قتل ہمزاد ہوگیا ہے مرا
قاتلوں کو معاف کیسے کروں

....

بدن پہ زخم نہیں، پھر لہو کہاں کا ہے
یہ وقت سوچنے کا ہے نہیں، اذاں کا ہے

....

کچھ نہ کچھ درد میں کمی آتی
آنسوؤں کا تبادلہ کرتے

رومانیت کا نیا استعارہ برتتے ہوئے انہوں نے ایک غزل میں لفظوں کا اژدحام لگا دیا ہے جو بارگراں بننے کے بجائے کیف وسرمستی سے سرشار کردیتا ہے۔ملاحظہ کیجیے:

نوائے شام کی خوشبو صفت ساعت تمہارے نام
کنواری صبح کی پہلی کرن لذت تمہارے نام
جوانی، پھول، خوشبو، جام، جگنو، تتلیاں، تارے
سمندر، دشت وصحرا، بستیاں، پربت تمہارے نام
دھنک بجلی، گھٹا، بارش، کلی، پتّی، صبا، شبنم
انگوٹھی، بالیاں، پازیب، جھومر، نتھ تمہارے نام
ہرن، کوئل، پپیہا، مور، بلبل، ہدہد و قمری
سرود ورقص، پائل، نغمگی، بربط تمہارے نام
مہکتی چاندنی ساجد تمہارے نام لکھتا ہوں
مسرت، شادمانی، سرخوشی، عشرت تمہارے نام

غزل کے آہنگ میں نظم 'بچپن' کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں جو سنہرے ماضی کی یادوں کا آئینہ دار ہیں:

مٹّی، بالو، لٹّو، گوٹی، کیا دن تھے
آنگن، پودے، پیڑ، گلہری، کیا دن تھے
بادل، بوندیں، بارش، کاغذ کی کشتی
سوئٹر، مفلر، بستہ، چھتری، کیا دن تھے
شب بھر آنکھیں کیا کیا دیکھا کرتی تھیں
پھول، دھنک، گلشن، شہزادی، کیا دن تھے
گھر آنگن، اسکول، ندی، برگد کا پیڑ
اتنی سی دنیا تھی، پھر بھی کیا دن تھے

کئی درجن آزاد نظموں کو بھی صفحہ قرطاس کی زینت بنایا گیا ہے جو دوران مطالعہ سحر میں جکڑے رکھتی ہیں۔ضیا میر، سلیمان اطہر جاوید، ندا فاضلی، ڈاکٹر آفاق عالم صدیقی، جمیل الرحمن اور ڈاکٹر محمد صدیق نقوی کی آرا سے صاحب سخن کے فکروفن پہ روشنی پڑتی ہے۔سطور آخر کے طور پر دو اشعار جو ساجد حمید کے فکری شاہراہ روشن کو نمایاں کرتے ہیں:

آہی جائے گا کسی یاد کا بھولا راہی
تم سرشام چراغوں کو جلائے رکھنا
وقت کی دھوپ میں لفظوں کا جو سایہ مل جائے
ہے غنیمت انہیں سوچوں میں بسائے رکھنا

☆مبصر سے رابطہ: ریاض (سعودی عرب)
Mobile: +966598300320

❏❏❏

ریت کی تحریر

شاعر: جاوید رانا

صفحات: 192، قیمت: -/300، اشاعت: 2022
ISBN 978-93-5566-703-8
ملنے کا پتہ: جاوید رانا، نزد چار مزار، مدن پورہ، برہانپور-450351 (مدھیہ پردیش)۔موبائل نمبر: 700477625

از: ایم نصر اللّٰہ نصر☆

'ریت کی تحریر' مومن پور، برہان پور (ایم پی) کے ابھرتے ہوئے نوخیز شاعر جاوید رانا کی غزلیات کا مجموعہ ہے جس میں روایت کے مطابق حمد ونعت بھی شامل ہیں۔موصوف کا اصل نام عبادت اللّٰہ انصاری ہے اور والد کا نام شوکت اللّٰہ انصاری ہے۔ان کی پیدائش 10 مئی 1983 کی ہے اور تعلیم ایم اے، بی ایڈ، یو جی سی نیٹ تک حاصل کی ہے۔ پیشہ درس وتدریس سے وابستہ ہیں۔موصوف کو اردو ادب سے شغف رہا ہے۔ خصوصی طور پر شاعری سے زیادہ لگاؤ ہے۔انہیں سخن سازی کا

ہنر آتا ہے۔ شعر سلیقے سے کہتے ہیں۔ نئے موضوعات کی تلاش میں رہتے ہیں مصرع سازی میں بھی بندش الفاظ کا خیال رکھتے ہیں۔ کہیں کہیں تراکیب و استعارے کا استعمال بھی کرتے ہیں۔ اکثر سادگی، سلاست اور صفائی پر زور دیتے ہیں۔ ان کی شاعری میں سامعین و قارئین کا دھیان اپنی جانب کھینچنے کی صلاحیت موجود ہے۔ اشعار ملاحظہ فرمائیں:

مجھ سے کوئی خطا نہ ہو، ایسا تو ہوں نہیں
میں آدمی ہوں، کوئی فرشتہ تو ہوں نہیں
مٹ جاؤں گا میں ریت کی تحریر کی طرح
محراب پر لکھا ہوا کتبہ تو ہوں نہیں
منزل پہ جاؤں گا میں پہاڑوں کو چیر کر
دریا ہوں، کوئی گمشدہ قطرہ تو ہوں نہیں
مل جاؤں گا میں تم کو چراغوں کی بھیڑ میں
تاریکیوں میں گم کوئی سایا تو ہو نہیں

جب شاعر روشِ عام سے ہٹ کر تخلیقیت کی نئی منزل سے گزرتا ہے تو ایسے اشعار تخلیق ہوتے ہیں جو معنی آفرینی سے مزین ہوتے ہیں۔ جاوید رانا نئی نسل کے شاعر ضرور ہیں مگر ان کے یہاں مشاقیت ہے، پختگی ہے اور بالیدگی کے عناصر بھی مل جاتے ہیں۔ ان کی شاعری کے مضامین بھی اچھوتے اور جاذب نظر ہیں۔ بڑی صاف گوئی سے شعر کہتے ہیں۔ ان کی شاعری میں شائستگی بھی ہے اور شگفتگی بھی نیز تازگی بھی۔ اشعار دیکھیں:

چاند میں ستاروں میں لا الہ الااللّٰہ
ہر طرف نظاروں میں لا الہ الااللّٰہ
یہ عشق کا نغمہ ہے کہ پریوں کا تکلم
معصوم فرشتوں کی زباں ہے کہ غزل ہے
لپٹا ہے مرے جسم سے خوشبو کا سمندر
یہ تیرا تصور ہے، گماں ہے کہ غزل ہے
تو ہے کہ فلک ہے کہ زمیں ہے کہ چمن زار
پہلو میں مرے سارا جہاں ہے کہ غزل ہے

شاعر کی شاعری جب بلوغیت کی سرحد چھوتی ہے تو اشعار موتیوں کی لڑی کی طرح نکلتے ہیں جو سیدھے قاری اور سامع کی روح کو چھوتے ہوئے دل میں اتر جاتے ہیں۔ خوشبوئے سخن سے ساری فضا معطر ہو جاتی ہے۔ روح کو سکون اور ذہن کو آسودگی ملتی ہے۔ جاوید رانا نے اس کم سنی میں کمال کی شاعری کی ہے۔ ان کی شاعری میں انفرادیت دیکھی جا سکتی ہے۔ ان کی شاعری میں تازگی ہے، توانائی ہے، برجستگی ہے۔ نکھار اور نکہت بھی ہے۔ ان سے اچھی اور معیاری شاعری کی توقع کی جاسکتی ہے۔ اللہ انہیں اور علم و ہنر عطا کرے آمین!

ہمیں نہ روک کہ ہم خوشبوئے محبت ہیں
ہوا کے ساتھ سفر صبح و شام کرتے ہیں
بڑے سلیقے سے راؔنا غزل کے لہجے میں
ہم اپنی بات کتابوں کے نام کرتے ہیں

☆مبصر سے رابطہ: ہاوڑہ۔ (مغربی بنگال) Mob:9339976034

□□□

دیوان نسیم (مبنی بر نسخۂ اشاعت اوّل 1873)

شاعر: پنڈت دیا شنکر نسیم لکھنوی

مرتب: ڈاکٹر سنجے کمار

Mobile: 9919586916

صفحات: 202، قیمت: -/300، اشاعت: 2022

ناشر: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، انصاری روڈ، نئی دہلی-110002

——— از: سعید اختر اعظمی☆

پنڈت دیا شنکر نسیم لکھنوی (ولادت: 1811، وفات: 1845) شاہی فوج میں وکیل تھے۔ ان کی تصنیفات کی تعداد تین بتائی جاتی ہے۔ اول: مثنوی گلزار نسیم، جسے انہوں نے 1838 میں مکمل کیا۔ اس کا پہلا ایڈیشن 1844 میں مطبع حسنی پریس لکھنؤ سے ان کی وفات سے ایک برس قبل شائع ہوا۔ یہ 80 صفحات پہ مشتمل ہے جس میں اشعار کی تعداد 1521 ہے۔ یہ طبع زاد تخلیق نہیں ہے کیونکہ ایک معروف نثری قصے کو انہوں نے نظم کے قالب میں ڈھالا ہے۔ دوم: دیوان نسیم، جو اُن کے انتقال کے 28 برس بعد پہلی بار 1873 میں مطبع نیٹو کرسپن آرفن پریس لکھنؤ سے ان کے چچا زاد بھائی پنڈت گوپی ناتھ کی

فرمائش پر منظر عام پر آیا۔ یہ ایک مختصر دیوان ہے جو 75 صفحات کو محیط ہے۔ اس میں 91 مکمل و نامکمل غزلوں کے علاوہ اردو، فارسی میں 6+3 مخمس ،2 ترجیع بند، ایک واسوخت ، ایک مستزاد، دو تاریخ وفات بزبان فارسی اور چند متفرقات ہیں۔ سوم: الف لیلہ کا اردو ترجمہ جو لکھنؤ میں تین جلدوں میں 1828 تا 1829 کے دوران شائع ہوا۔

دیوان نسیم کی تدوین و تعارف کی ذمہ داری نبھاتے ہوئے ڈاکٹر سنجے کمار نے اس کے مطبوعہ نسخوں کا تعارف کرایا ہے۔ اس کی اشاعت اول نسخہ پنڈت گوپی ناتھ کی مرہون منت تھی۔ دوسری اشاعت نسخہ بیان میرٹھی حدیقۃ العلوم میرٹھ سے ہوئی جس کے صفحات 76 ہیں۔ تیسری اشاعت نسخہ گوری شنکر مطبع گلشن فیض لکھنؤ سے 1895 میں ہوئی جس کے صفحات کی تعداد 67 ہے۔ انتخاب دیوان نسیم 6 بار الگ الگ نسخوں کے مطابق شائع ہوا۔ اول: نسخہ چکبست 1905 میں، دوم: نسخہ مرزا محمد شفیع شیرازی 1913 میں مطبع نول کشور سے، سوم: نسخہ اصغر گونڈوی 1930 میں انڈین پریس لمیٹڈ الہ آباد سے، چہارم: نسخہ بہار گلشن کشمیر جو دو جلدوں پر مشتمل ہے بالترتیب 1931 اور 1932 میں، پنجم: نسخہ کیفی چریا کوٹی ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد سے چار جلدوں میں بالترتیب 1932، 1935، 1937، 1939 میں، ششم: نسخہ نشتر جالندھری (ابونعیم عبدالحکیم خاں) 7 فروری 1939 کو شیخ جان محمد بخش تاجر کتب علوم مشرقی کشمیری بازار لاہور سے۔

'اصول تدوین، متن اور طریقہ کار' عنوان کے تحت فاضل مرتب نے یہ آگاہی فراہم کی ہے کہ کس نسخے کی کیا کیا خصوصیات ہیں اور کون کس سے کن معنوں میں مختلف ہے۔ اول: ایک غزل 'دیوان نسیم' میں نہیں تھی ،لیکن 'گلزار نسیم' میں تھی جسے 'ردیف ی' کے تحت شامل کرلیا گیا ہے۔ دوم: 92 مختصر (ایک شعر، مکمل غزل) غزلوں کی شمولیت ہے جو الف تا ی ردیف کے تحت ہیں۔ سوم: 6 مخمسات، ایک ترجیع بند، ایک واسوخت، ایک مستزاد، خمسہ ہائے فارسی 3، قطعات تاریخ وفات فارسی (لمبودھر، نصیرالدین حیدر بادشاہ کے لیے لکھے گئے) اور متفرقات کے تحت 18 اشعار ہیں۔ چند اشعار بطور نمونہ ملاحظہ ہوں:

کیسا حجاب، کیسی حیا اور کہاں کی شرم
پردے سے ہاتھ ،ہاتھ سے پردہ اُٹھائیے

....

وصل کی شب آنکھ دکھلا کر یہ انجم کہتے ہیں
لو قیامت آئی مشرق سے اُٹھا طوفانِ صبح
معنئ روشن جو ہوں تو سو سے بہتر ایک شعر
مطلعِ خورشید کافی ہے پئے دیوانِ صبح

....

یہ آنکھیں نہ ہوتیں اگر دیکھنے کو
ترستے تمھیں اک نظر دیکھنے کو

....

خم نہ بن کر خود غرض ہوجائیے
مثل ساغر اور کے کام آئیے

آخری صفحات پر متن کے چند الفاظ کی تشریح (8 صفحے) اور فرہنگ غزلیات (46 صفحے، دونوں بالترتیب ردیف الف تا ی) دی گئی ہیں جو فاضل مرتب کی محنت شاقہ کا نتیجہ ہے۔ بہ حیثیت مجموعی ڈاکٹر سنجے کمار کی یہ مساعی قابل داد ہے اور ادب کے طالب علموں کے لیے تفہیم نسیم کے حوالے سے امتیازی پیش رفت بھی۔

☆مبصر سے رابطہ: ریاض۔ (سعودی عرب)
Mobile: +966598300320

❑❑❑

پسِ غبارِ وجود (مجموعہ کلام)

شاعر: پروفیسر منظر اعجاز
مرتب: ظفر انصاری ظفر (موبائل: 8853579247)
صفحات: 162، قیمت: -/300، اشاعت: 2023
ISBN 978-81-19225-92-7
ناشر: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، انصاری روڈ، دریا گنج، نئی دہلی-2

——— از: ایم نصر اللہ نصر☆

ترتیب کا کام سہل ضرور ہوتا ہے مگر اچھی ترتیب کے لیے محنت اور ذہنی ورزش کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اکثر لوگ

صاحبِ کتاب بننے کے لیے کسی کے جمع شدہ مواد کو ترتیب دے کر، ایک چھوٹے سے مقدمہ یا اپنی بات کے ساتھ کتاب چھپوا لیتے ہیں۔ مگر ظفر انصاری ظفر (اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو الہ آباد یونیورسٹی) نے ایسا نہیں کیا ہے۔ انہوں نے اپنے استاد پروفیسر منظر اعجاز کے ساتھ کافی عرصہ گزارا ہے۔ اخیر عمر تک رابطے میں رہے ہیں۔ ان سے تعلیم حاصل کی ہے اور زبان و ادب نیز اصناف فن سے واقفیت بھی حاصل کی ہے۔ الگ قیام کے باوجود ان کا رشتہ موصوف سے تاعمر جڑا رہا۔ ان کی دیرینہ خواہش تھی کہ وہ استاد کی غیر طبع شدہ غزلوں کو ترتیب دے کر شائع کریں۔ اسی غرض سے وہ اپنے استاذ سے غزلیں اور نظمیں حاصل کرتے رہے اور کافی مطالعے و مشاہدے کے بعد دیباچہ لکھا اور پروفیسر منظر اعجاز کے انتقال کے بعد پیسے خرچ کر کے کتاب شائع کی۔ ترتیب کا یہ کام بیشک عمدہ ہوا ہے۔ اس میں 16 صفحات پر مشتمل مقدمہ لائق ستائش ہے۔ موصوف نے ان کی غزلوں کو بالاستیعاب پڑھا ہے، دیر تک سوچا اور سمجھا ہے۔ پھر قلم اٹھایا ہے۔ انہوں نے موصوف کی شاعری کے مختلف رنگوں کو سلیقے سے اجاگر کیا ہے۔ جو نتیجہ اخذ کیا ہے آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

''منظر اعجاز صاحب نے اپنے ادبی سفر کا آغاز شاعری اور افسانہ نگاری سے کیا اور ابتدا میں 'بکھری کلیاں' کے نام سے ایک ناول بھی لکھا۔ افسانے بھی لکھے۔ 'ورق ورق اجالا' کے عنوان سے غزلوں کا ایک مجموعہ 2009 میں آیا۔''

''وہ ایک استاد تھے۔ انہیں پروموشن کی ضرورت تھی اس کے لیے تنقیدی مضامین اور تنقیدی کتابوں کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے انہوں نے انہیں کتابوں کو چھپوانے کو ترجیح دی جس کے باعث ان کی تحقیقی نگارشات معرض التوا میں پڑی رہیں۔''

''منظر اعجاز ایک صاحب فہم و ادراک شاعر تھے۔ ان کا شمار عہد رواں کے ممتاز نقادوں میں بھی ہوتا ہے۔ وہ شاعری کے رموز و اوقاف سے اچھی طرح واقف تھے۔ ان کی شاعری میں نہ زبان و بیان کی خامیاں ہیں اور نہ عروضی معائب ہیں۔ انہوں نے اپنی غزلوں میں اپنی زندگی کے تلخ و ترش حادثات و واقعات کو شعری جامہ پہنایا ہے اور عصری حسیت کو بھی جگہ دی ہے۔''

مذکورہ بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ظفر انصاری ظفرؔ کو اصناف سخن کے ساتھ نثر نگاری پر بھی عبور حاصل ہے اور ہو نہ کیوں جب کہ وہ ایک یونیورسٹی کے پروفیسر جو ٹھہرے۔ حالانکہ یہ خوبیاں بیشتر پروفیسران میں نہیں پائی جاتیں۔ اس لیے موصوف کی توصیف لازمی ہے۔ اپنے مقدمے میں انہوں نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ ایک ممتاز ادیب اور ادب شناس استاد ہیں۔ اردو شعر و ادب سے ان کو انسیت ہے۔ وہ اردو شاعری اور شعری تنقید سے کما حقہ آشنا ہیں۔ ساتھ ہی ایسا کر کے انہوں نے اردو ادشعر و ادب کے خزانے میں اضافہ کیا ہے اور استاد کی تخلیقات کو ضائع ہونے سے بچایا بھی ہے۔ قارئین کو اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ اس کارِ خیر کے لیے انہیں بہت بہت مبارکباد۔

☆مبصر سے رابطہ: ہاوڑہ (مغربی بنگال) Mob:9339976034

□□□

بارشِ رحمت

شاعرہ: مینو بخشی

صفحات: 184، قیمت: -/300، اشاعت: 2024

ISBN 978-93-6062-701-0

ناشر: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، انصاری روڈ، دریا گنج، نئی دہلی-2

——— از: ڈاکٹر محمد مستمر☆

مینو بخشی کا چھٹا شعری مجموعہ 'بارشِ رحمت' سے اندازہ ہوتا ہے کہ جہانِ شاعری میں ان کا شعری سفر کہنہ مشقی کے باب میں داخل ہو چکا ہے۔ وہ تجربات اور مشاہدات کی بھٹی میں تپ کر کندن بن چکی ہیں۔ ان کی پیدائش 8 جولائی 1955 کو نئی دہلی میں ہوئی اور اسی دہلی کی ٹکسالی زبان کے ماحول میں ان کی پرورش و پرداخت ہوئی۔ تعلیم و تربیت بھی حاصل کی اور جواہر لعل نہرو یونیورسٹی جیسے مشہور ادارے سے وابستہ بھی رہیں۔

مینو بخشی کے مجموعۂ کلام 'بارشِ رحمت' کو پڑھنے کے بعد یہ اندازہ بخوبی ہو جاتا ہے کہ ان کے مزاج، افتادِ طبع اور جبلت میں دہلی کی تہذیب و ثقافت، رسم و رواج اور یہاں کی ٹکسالی زبان گھلی ہوئی ہے۔ ان کے اشعار میں نفاست و نزاکت اور پاکیزگی اس بات کا غماز ہے کہ دہلی کی سرزمین سے ان کا گہرا

رشتہ ہے۔

مجموعۂ کلام میں بارگاہِ خداوندی میں ایک ’حمد‘ اور دربارِ رسالت (ﷺ) میں ایک ’نعت‘ کے ساتھ ننانوے غزلیں شامل ہیں۔ علاوہ ازیں تین شعر، دو شعر اور نو متفرقات شامل ہیں۔ ’بارشِ رحمت‘ کے کل ادبی سرمایہ میں مینوبخشی کے نازک احساسات، حسین جذبات، تلخ وشیریں تجربات اور عمیق مشاہدات قاری کو قدم قدم پر اپنی جانب متوجہ کرتے ہیں اور دل کے تاروں کو چھیڑتے ہیں نیز دماغ میں سرمستی اور سرور کی کیفیت طاری کرتے ہیں۔ مینوبخشی نے اپنے شعری مجموعے کا انتساب ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے ’’اپنے باغِ زندگی کے پھولوں کے نام... جن کے حصے کا بہت سا وقت میری شاعری کی نذر ہو گیا... اس کے باوجود انہیں مجھ سے کوئی شکایت نہیں...‘‘ دورِ حاضر کے مشہور ادیب ونقاد حقانی القاسمی نے اپنے خیالات کا اظہار اپنے مضمون بعنوان ’’باطن کی روشنی کا شعری استعارہ‘‘ میں خوبصورت انداز سے کیا ہے۔ اس مجموعے پر دوسرا اظہارِ خیال ظفر انصاری ظفر کا ’’بارشِ رحمت کی غزلیں‘‘ کے عنوان سے ہے۔ اسی کے ساتھ ظفر انصاری ظفر نے مینوبخشی کے نام دو رباعیات بھی تحریر کی ہیں گویا انہوں نے منثور اور منظوم دونوں اعتبار سے انہیں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔

مینوبخشی کی نسوانیت اور تانیثیت اپنے دور کی شاعرات سے کچھ الگ ہٹ کر ہے۔ ان کے یہاں نسوانیت کے پہلو زیادہ ہیں اور تانیثیت کے خال خال۔ ہوسکتا ہے ان کے نزدیک نسوانیت کا اظہار ایک فطری امر ہو جبکہ تانیثیت قدرت کے نزدیک ایک بغاوت کی علامت۔ اگر تانیثیت میں عنصرِ بغاوت نہیں بلکہ اس میں حق کا پہلو ضم ہے تو وہ قدرت کے برعکس نہیں۔ اسی لیے وہ بغاوت کی بالکل بھی قائل نہیں ہیں۔ انہیں نہ مرد سماج سے کوئی شکوہ شکایت ہے اور نہ اعتراض بلکہ وہ سراپا مشرقی روایات اور اقدار کی امین و ضامن ہیں۔ ان کے لہجے کی مٹھاس اور شاعرانہ انداز ان کی شاعری کو مزید شیریں گفتار بناتا ہے۔ ان کی تلخیوں اور ترشاہٹ میں بھی شکر پاروں کا احساس کیا جاسکتا ہے۔ مذکورہ شعری مجموعہ بہ ظاہر تو اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ یہ کوئی حمدیہ کلام کا مجموعہ ہوگا مگر شاید شاعرہ کے نزدیک شاعری کا یہ تمام عطیہ بارشِ رحمت ہی ہے۔

’بارشِ رحمت‘ کی زبان میں ٹھہراؤ نہیں ہے بلکہ بہتے ہوئے دریا کی مانند ایک روانی ہے۔ الفاظ کے انتخاب میں مشکل پسندی سے پرہیز کیا گیا ہے۔ آسان اور سادہ لفظوں کا استعمال اس مجموعے کا خاص امتیاز ہے لیکن اس آسان اور سادگی میں بھی انہوں نے شگفتگی وشائستگی نیز زبان کی لطافت اور خوبصورتی کو زائل ہونے نہیں دیا ہے۔ حالؔی کے نزدیک اگر شعر کی خصوصیات کا ذکر کیا جائے جس میں سادگی، اصلیت اور جوش شامل ہے تو اس اعتبار سے مینوبخشی کی غزلوں میں سادگی بھی ہے، اصلیت بھی ہے اور جوش بھی شامل ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کہیں کہیں احساسات اور جذبات کی رو میں اصلیت پر مہین سی غیر فطری چادر چڑھ جاتی ہے۔ یہ نقص صرف مینوبخشی کی شاعری کا ہی نہیں ہے بلکہ بڑے بڑے شعرا کے یہاں بھی اصلیت پر غیر فطری چادر چڑھتی ہوئی دیکھی جاسکتی ہے۔

مینوبخشی کی غزلوں کے اپنے موضوعات ہیں، اپنے الفاظ ہیں اور اسلوب بھی اپنا ہی ہے مگر ’حمد‘ میں ان کا رنگ وآہنگ کچھ کچھ اقبال سے مشابہت رکھتا ہے۔ شعر دیکھیے:

تو اول و آخر ہے تو ہی ظاہر و باطن
یہ میرا عقیدہ ہے، یہ ایمان مرا ہے

گیارہ اشعار پر مشتمل نعت بھی بہت خوبصورت اور دل آویز انداز میں لکھی گئی ہے۔ نعت کی ردیف اپنی جانب متوجہ کرتی ہے اور ایک نئے رنگ کو جنم دیتی ہے۔ نعت کا قافیہ بھی انوکھے آہنگ کو ابھارنے میں مدد کرتا ہے۔ اس موقع پر ایک شعر ملاحظہ کیجئے:

بے نیازِ دولتِ دنیا رہوں
مجھ کو مل جائے جو صدقہ آپ کا

ان کے یہاں مشرقی اقدار اور روایات نیز شوہر پرستی اور عشق ومحبت کا ایسا رنگ ابھر کر سامنے آتا ہے جو خالص مینوبخشی کا انفرادو تشخص ہے۔ ان کا شوہر ہی محبوب ہے اور محبوب ہی شوہر ہے۔ وہ اپنے دلبر اور محبوب سے مخاطب ہوتی ہیں۔ اس اندازِ تخاطب میں وہ باغی نظر نہیں آتیں اور نہ ہی شکایت کی پوٹلی کھول کر بیٹھتی ہیں بلکہ وہ اپنے محبوب کی تعریف ایک ہندوستانی اور

وفا شعار باحیا مشرقی عورت کی طرح کرتی ہیں۔ وہ اپنے ناخدا کو خوابوں کا آئینہ، امید کی ضیا، خوش ادا، زخمِ دل کی دوا وغیرہ لفظوں سے تعبیر کرتی ہیں:

یاس کی تیرگی میں شامِ فراق
شمع امید کی ضیا ہے تو
ہم سفر جب سے تم بنے میرے
ہو گئی سہل رہ گزارِ حیات

ان کی غزلوں کی گردان اور آہنگ، ندرت و جدت کا احساس کراتا ہے۔ ان کی غزلیں خواہ مردف ہوں یا غیر مردف، دلچسپی اور تاثیر سے خالی نہیں ہیں۔ مینو بخشی نئے ردیف اور قافیہ کی اختراع کرنے میں گریز نہیں کرتیں اور اس کوشش میں وہ کامیاب بھی دکھائی دیتی ہیں۔ بعض اوقات ان کی غزلوں کی ردیف طویل بھی ہوتی ہیں اور مختصر بھی لیکن اس طویل ردیف میں بھی الگ فنی لطافت اور معنویت جنم لیتی ہے۔ اس حوالے سے ان غزلوں کے کچھ شعر بطور نمونہ یہاں درج کیے جاتے ہیں:

خار زاروں کا سفر تم کو بہت کرنا ہے
پیکرِ گل کی عنایات سے رشتہ توڑو
ان کے دریائے جوانی میں بلا کا جوش ہے
فتنۂ محشر اٹھانے کا زمانہ آ گیا
اس لیے اس شوخ سے ملتے ہوئے ڈرتی ہوں میں
منقطع میرے جنوں کا سلسلہ ہو جائے گا
نہ جانے رنگ اڑا کیوں کسی کے چہرے کا
کسی کا نام جب آیا غزل کے پردے میں

مینو بخشی غیر مردف غزلیں بھی بہت خوبصورت دل نشین اور معنی خیزی کے ساتھ کہتی ہیں۔ چند شعر ملاحظہ کیجئے:

کبھی ساتھ بلبل کے میں بھی تھی گریاں
کسی گل سے میری بھی تھی آشنائی
نو بہ نو گل روز کھلتے تھے جہاں
اڑ رہی ہے اس چمن میں اب تو گرد

ان کی غزلوں کا مطالعہ گہرے شعور اور بصیرت کی طرف لے جاتا ہے۔ غزلوں کی قرأت کے بعد یہ اندازہ بخوبی ہوتا ہے کہ مینو بخشی کا مطالعہ محدود نہیں ہے بلکہ انہوں نے بہت سے علوم وفنون سے استفادہ کرتے ہوئے اپنی غزلوں کی بساط رکھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں تلمیحاتی، استعاراتی، علامتی اور تشبیہاتی انداز جنم لے کر انہیں عظمت ورفعت کے مقام پر فائز کرتا ہے۔

مینو بخشی کی غزلوں کا سب سے خاص امتیاز اور اختصاص یہ بھی ہے کہ وہ کسی بھی موضوع کو شعری جامہ پہناتی ہوں لیکن جمالیاتی اور رومانی کیفیت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتی ہیں۔ اس جمالیاتی اور رومانی کیفیت کے درمیان بہت سے نفسیاتی پہلو اور تقاضے بھی جنم لیتے ہیں۔

مینو بخشی رجائیت کی قائل ہیں۔ ان کے یہاں قنوطیت کا شائبہ خال خال ہی نظر آتا ہے بلکہ اگر یوں کہہ دیا جائے کہ وہ قنوطیت میں بھی رجائیت کا پہلو تلاش کر لیتی ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ اس رجائیت اور قنوطیت کے درمیان صنعتِ تضاد کا حسن بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ وہ بیزاری، اداسی، پژمردگی، افسردگی، مایوسی جیسے نفسیاتی امراض سے دور رہتی ہیں۔ اس کے برعکس ان کے یہاں وہ سرگوشیاں، شوخیاں اور شرارتیں جنم لیتی ہیں جن کا تعلق درون بینی عضلات سے ہوتا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیے:

اے صبا! آ کے بتا دے مجھے چپکے سے کبھی
میرے اس ملک کے تعلق سے تو کیا جانتی ہے
مطلعِ صبح پہ ظاہر ہیں مسرت کے نقوش
درد میں ڈوبی ہوئی رات سے رشتہ توڑو
ہو گیا ہے عشق مجھ کو کیا کروں
ایک ستمگر، فتنۂ عالم کے ساتھ
مینو بخشی عشق کا یہ فیض ہے
ہے خوشی حاصل ہو جو مجھ کو غم کے ساتھ

مینو بخشی کی غزلوں کا ایک خاص پہلو یہ بھی ہے کہ ان کی نسوانیت میں جنسیت کارفرما نہیں ہے بلکہ پاکیزگی اور تقدس کا عنصر کارفرما رہتا ہے۔ انہوں نے اپنے مجازی خدا کو ہی اپنا محبوب اور معشوق تصور کر لیا ہے۔

شعری مجموعہ ’بارشِ رحمت‘ کا مطالعہ یقینی طور پر قارئین کے لیے نشاط انگیز ہوگا۔

☆مبصر کا پتہ: اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، ذاکر حسین دہلی کالج (دہلی یونیورسٹی)، نئی دہلی-110002 موبائل:8920860709

□□□

گلدستۂ غزل (آن لائن طرحی مشاعرے کا مجموعہ)

مرتبین: فہیم پرتاپ گڑھی، آفتاب جونپوری

صفحات: 204، قیمت: -/250، اشاعت: 2024
ملنے کا پتہ: فہیم پرتاپ گڑھی، صدر بازار، پرتاپ گڑھ۔ (یوپی)
موبائل: 7599101135
ڈاکٹر آفتاب جونپوری۔ موبائل: 9335133022

از: ابوذر انصاری☆

گلدستۂ غزل ایک ادبی روایت ہے۔ بلکہ یہ کہا جائے تو شاید زیادہ صحیح ہو کہ یہ اردو شعریات کا ثقافتی وِرثہ ہے۔ قدیم سے یہ طریقہ چلا آتا ہے کہ طبع آزمائی کے لیے کوئی ایک مصرع اس کے ردیف و قافیہ کی پابندی کے ساتھ مشتہر کر دیا جاتا ہے۔ شعرا اور اساتذہ اپنے مستفیدین و شاگردان کے ہمراہ شرکت کرتے ہیں۔ یہ مشاعرے ماہ بہ ماہ یا پندرہ دن پر یا ہر ہفتہ منعقد ہوتے ہیں۔ ان کے اپنے فائدے بھی ہیں۔

ان مشاعروں کی رپورٹ یا محض ان کی غزلیں ہی کتاب یا رسالہ کی شکل میں شائع کیے جاتے ہیں۔ انہیں گلدستہ یا گلدستۂ غزل کا نام دیا جاتا ہے۔ درمیان میں یہ سلسلہ کمزور پڑ گیا تھا۔ کمزور پڑتی اس روایت کو یہ گلدستہ ایک بار پھر سے تازہ دَم کرتا ہے۔ خصوصیت یہ ہے کہ اس میں شامل شعرا بہ نفس نفیس بزم مشاعرہ میں شریک نہیں ہوئے اور یہ بھی کہ کوئی ایسا روایتی مشاعرہ بھی کسی مشاعرہ گاہ میں قائم نہیں ہوا، جو آج کے اردو دوست مشاعرہ پسند عوام میں معروف ہے بلکہ کلام نے شعرا کی نمائندگی کا فریضہ ادا کیا۔ اور وہ بھی آن لائن جیسے جدید سائنسی وسیلے کے ذریعہ سے۔ اب وہی کلام کتاب کی شکل میں شائقین کی ضیافتِ طبع کے لیے حاضر ہے۔ یہ گلدستہ آن لائن طرحی مشاعرے کی غزلوں پر مشتمل ہونے کے لحاظ سے اولیت کا درجہ رکھتا ہے۔

انٹرنیٹ کی ایجاد نے زندگی کے ہر شعبہ کو متاثر کیا ہے۔ وقت تیز گام ہے اور ہر لمحہ اپنی قدر پہچنوا رہا ہے۔ ادبی علمی تقاریب کا آن لائن منعقد کیا جانا شاید وقت کا تقاضہ اور ضرورت ہے۔ فہیم پرتاپ گڑھی اور آفتاب جونپوری نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور 'اردو ہماری روح ہے' کے عنوان سے پرتاپ گڑھ میں آن لائن طرحی 'بزم شاعر' کا آغاز کیا۔ اس 'بزم کی ادبی خدمات' کا ذکر کرتے ہوئے جناب عبرت مچھلی شہری لکھتے ہیں:

''ابتدا میں شرکا کی تعداد مختصر تھی لیکن اس وقت پچاس کے قریب ہوگئی ہے۔... اشاعت فن کا وسیلہ ہونے کے ساتھ ساتھ یہ بزم ایک درس گاہ یا تربیت گاہ ہونے کی حیثیت بھی رکھتی ہے۔'' (صفحہ 13)

جناب درد دہلوی نے 'قابل ستائش قدم' کو ان لفظوں میں سراہا ہے:

''اس گروپ میں مبتدی اور منتہی دونوں ہی شعرا حضرات شامل ہیں۔ کلام پر تنقید و تبصرہ کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے جس سے مبتدی شعرا مستفیض ہوتے رہتے ہیں۔'' (صفحہ 22)

انہوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ مشاعروں کی نمائندہ غزلیں ہی اس میں شامل کی گئی ہیں۔

گلدستۂ غزل میں شامل محمد عرفان جونپوری کا مضمون 'سخن عرفان' معلومات افزا ہے۔ اس سے گلدستوں کی تاریخی روایت پر روشنی پڑتی ہے اور یہ راز بھی واشگاف ہوتا ہے کہ آن لائن طرحی بزم شاعر کی نمائندہ غزلوں کو گلدستہ کی شکل دینے کی تجویز بھی موصوف ہی کی تھی۔ 'بزم شاعر اردو ہماری روح ہے' کے بنیاد گزار یعنی فہیم پرتاپ گڑھی اور آفتاب جونپوری دونوں حضرات کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد عرفان جونپوری ہی اس کے سر پرست بھی ہیں۔

بزم کے اغراض و مقاصد کا ذکر کرتے ہوئے مرتبین نے جو کچھ لکھا ہے اس سے اردو کے لیے ان کی دردمندی اور اخلاص کا اظہار ہوتا ہے۔ کہتے ہیں:

''اس بزم کا مقصد ... بذریعہ آن لائن اردو کو فروغ دینا۔ پلیٹ فارم (مہیا کرنا) ... اردو ہماری روح ہے کا جذبہ پیدا کرنا تھا۔ ساتھ ہی اساتذہ کی نگرانی میں نومشق شعرا کو شعر و شاعری کا شعور اور اس کے اغراض و مقاصد سے روشناس کرانا تھا۔''

(صفحہ 19)

گلدستہ میں شامل چند اشعار بلا تبصرہ نقل کیے جا رہے ہیں

جس سے شعرا کے مذاق ومزاج کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔
عبرت مچھلی شہری کی غزل سے:

زندگی کم پڑھے پردیسی کا خط ہے عبرتؔ
یہ کسی طرح پڑھا جائے نہ سمجھا جائے

قاسم ہنر سلونی کی غزل سے:

یا الٰہی دیکھنے کو پھر ملے ایسی فضا
مضطرب ہوں دار پر ہم نغمہ خواں کے لیے

گمنام نصیر آبادی کی غزل سے:

دل نے ان سے بڑھائی ہے قربت
جن کو گمنام باہنر دیکھا

فہیم پرتاپ گڑھی کی غزل سے:

کھیت کھلیان نباتات نے دم توڑ دیا
شہر کی گود میں دیہات نے دم توڑ دیا

آفتاب جونپوری کی غزل سے:

بےخودی کا عالم تھا پھر بھی ہوش اتنا تھا
رک گئے قدم میرے ان کی جب گلی آئی

درد دہلوی کی غزل سے:

وہ عشق میں جو فنا کردے مجھ کو
الٰہی وہ جذبہ عطا کردے مجھ کو

ذاکر علوی جرولی کی غزل سے:

میرے یہاں تو عشق کی منڈی ہی بند ہے
کیا حال ہے تمہارے یہاں روزگار کا

اکرم جونپوری کی غزل سے:

کئی لوگ پتھر اٹھائے ہوئے ہیں
نشانہ پہ شاید کوئی آئینہ ہے

اپنی ضخامت کے لحاظ سے دیکھیے تو یہ غزلوں کا گلدستہ نہیں پورا ایک چمن ہے۔ اس میں طرح طرح کے پودے اپنی بہار دکھا رہے ہیں اور رنگ رنگ کے پھول خوشبو ریز ہیں۔
شائقین شعر وسخن کو اس کے مطالعہ کا مشورہ دیا جا سکتا ہے۔

☆مبصر سے رابطہ: جونپور (یوپی) موبائل: 9389289027

□□□

اسفارِ زندگی (مجموعہ کلام)

شاعر: عقیل کنٹریکٹر طلب گار

صفحات: 192، قیمت: -/400، اشاعت: 2024
ISBN 978-93-85849-31-2
ناشر: نیوز ٹاؤن پبلشرز، ممبئی۔
Mobile: 9930211461 - 9820038704

——از: سعید اختر اعظمی☆

عقیل کنٹریکٹر (ولادت 1957) کی مادری زبان گجراتی ہے، لیکن انگریزی ذریعہ تعلیم ہونے کی وجہ سے اس زبان میں لکھنا ان کے لیے سہل ثابت ہوا۔ اسکولی تعلیم کے دوران ہی انہیں شعروشاعری سے دلچسپی پیدا ہوگئی جس کے نتیجہ میں وہ انگریزی میں نظمیں لکھنے لگے۔ ابتدا میں بے ربط سی شعرگوئی دوستوں کی صحبت تک محدود رہی جس میں گاہے گاہے اصلاح کا عمل بھی جاری رہا۔ 1986 میں انگریزی نظموں کے دو مجموعے (After kalinga اور Sprite songs and other poems) چھ ماہ کے وقفے سے منظر عام پر آئے۔ اس سے حوصلہ پا کر انگریزی شعرا کے لیے 'پوئٹری سرکل، ممبئی' کی بنیاد ڈالی۔ 2019 میں لاک ڈاؤن کے دوران انہیں 'ریختہ ڈاٹ کام' پر دیوناگری رسم الخط میں اساتذہ کے دیوان کی ورق گردانی کا موقع ملا۔ اس دلچسپی کو فروغ دیتے ہوئے انہوں نے مختلف شعری مجموعے جو دیوناگری زبان میں تھے خرید ڈالے اور اُن کے مطالعے میں لگ گئے۔ یوں انگریزی میں سوچنے کا رخ اردو کی جانب منتقل ہوگیا۔ احباب کی حوصلہ افزائی پر اپنا تخلص 'طلب گار' منتخب کیا اور غزلوں، نظموں کے انبار لگا دیے۔ یک صد سے زائد تخلیقات کی یکجائی کے بعد اشتیاق سعید کو نوک پلک درست کرنے کی ذمہ داری سونپی، جسے انہوں نے حتی الوسع نبھانے کی کوشش کی ہے۔

'اسفارِ زندگی' عقیل کنٹریکٹر طلب گار کی ابتدائی کاوش ہے جسے انہوں نے 'نیا نیا عشق ہے' سے تعبیر دیا ہے۔ اس میں حمد کے علاوہ سات درجن سے زائد غزلوں، تقریباً ایک درجن نظموں،

41 قطعات اور 34 متفرق اشعار کی شمولیت ہے۔اس میں تین رنگوں کی آمیزش نظر آتی ہے۔اول : روایتی رنگ جو ہر شاعر کے یہاں نظر آتا ہے۔اس میں ایسے اشعار ہیں جو سہل ہیں اور عوامی زبان پہ چڑھ جانے کی اہلیت رکھتے ہیں۔بطور نمونہ یہ اشعار:

پینے کے کئی بہانے بنا سکتا ہوں
کم ہے شراب تو پانی ملا سکتا ہوں

....

تنہائی میں یہ شور کیسا
یہاں سناٹے کا نام نہیں

....

بظاہر نظر آتی ہے منزل قریب
پھر بھی بھٹکتا ہے طلب گار آج تک

....

محسن کوئی نہیں ان کا
کسی کا سلام یاد آیا ہوگا

دوم: ایسے اشعار جن میں لفظوں کا انبوہ گراں بار ہے اور قاری کو دوران قرأت معنی اخذ کرنے کے لیے سوچنا پڑتا ہے۔ ایسے اشعار میں سے چند بطور نمونہ ملاحظہ ہوں:

تیرے ہونٹوں کے گوشے پہ ایستادہ
تبسم کا ایک نظارہ ہے میری منزل

....

سرمئی اجالا ہی سہی نفرتوں کے چراغ تلے
خوں آشام اندھیروں کو کون ڈھوتا ہے

....

دیوار تکالیف پہ چڑھ کے جنوں بولا
میں ہوں معشوق گراں مایہ زندگی کا

سوم: وہ اشعار جن کے معانی ومطالب کا کوئی سر پیر نہیں ملتا۔ایسے اشعار میں سے بطور نمونہ یہ دیکھیے:

افواہیں پھیلتے ہی پشیمانی بن گئیں
ایسے میں گرفتار اب تقریر کو کرو

....

دیارگل میں خاروں کا ہے پہرہ
خار ہی خار سے اب خار کرتے ہیں

....

مسلسل چلتے رہنا ہی سفر ہوتا ہے
کاروان حیات یونہی بسر ہوتا ہے

....

طلب گار سن کے فریاد آب رواں
بے چین ہے ملنے گنگا سے گانگی میری

'تقریر کی گرفتاری ،خار سے خار کرنا،حیات کے بجائے کاروان حیات کو بسر کرنا اور گنگا سے گانگی کا ملنا' کسی عجوبہ سے کم نہیں۔ آخر میں درج آزاد نظموں میں سے 'خدا کی تلاش' سے منتخب مصرعے ملاحظہ ہوں:

آئے کتنے اس دہر میں/ چلے گئے انجانی دنیا کی طرف/
کتنے لگے رہے تلاش میں/ خدا کی/ پر! خدا نہ ملا

'بادلوں کا رقص' میں قافیہ پیمائی کے چکر میں مفہوم کہیں سے کہیں چلا گیا ہے۔ یہ ابتدائی سطریں دیکھیے:

بادلوں میں ڈولتی ہے زندگی/ بادلوں میں بولتی ہے بندگی/
بادلوں کی ہے دنیا ہی الگ/ اچک لیتا ہے زمیں سے گندگی

بہ حیثیت مجموعی یہ کاوش قابل داد ضرور ہے کہ جذبات کی ترسیل کے لیے ایک غیر اردو داں نے اردو سیکھی اور اس میں شاعری کے گل بوٹے کھلائے۔اشتیاق سعید کا میدان نثر ہے اس لیے شاید وہ شاعری کے رموز سے واقف نہیں۔لہٰذا اصلاح کے بعد بھی 'ایک آنچ کی کسر' واضح طور پر محسوس کی جاسکتی ہے۔

☆مبصر سے رابطہ: ریاض۔(سعودی عرب)
Mobile: +966598300320

❑❑❑

اُردو تنقید پر مغربی تنقید کے اثرات
(ترمیم واضافے کے ساتھ)
مصنف: ڈاکٹر سیّد تنویر حسین
ISBN 978-93-90579-98-3
صفحات :224، قیمت :-/300، اشاعت :2023
رابطہ: اردو بک ریویو، نئی دہلی۔فون: 011-44753890

تحقیق و ترتیب: محمد عارف اقبال

پروفیسر چودھری محمد نعیم (ماہر لسانیات، دانشور)

ماہر لسانیات، دانشور اور مفکر پروفیسر چودھری محمد نعیم بدھ 9 جولائی 2025 کی شب میں شکاگو (USA) میں انتقال کر گئے۔ ان کی عمر تقریباً 89 برس تھی۔ ان کی تجہیز و تدفین شکاگو میں ہی عمل میں آئی۔

پروفیسر چودھری محمد نعیم جو پروفیسر سی ایم نعیم کے نام سے مقبول تھے، 3 جون 1936 کو بارہ بنکی (یوپی) کے قصبہ کرسی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد چودھری محمد مسعود ضلع کے فرسٹ کلاس مجسٹریٹ تھے۔ ان کی ابتدائی تعلیم بارہ بنکی (اودھ) میں ہوئی۔ اس کے بعد انہوں نے لکھنؤ یونیورسٹی سے اردو میں ایم اے (1955) کیا۔ پھر دکن کالج، پونے میں تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد وہ امریکہ چلے گئے۔ 1961 میں انہوں نے یونیورسٹی آف کیلی فورنیا (برکلے) سے لسانیات (Linguistics) میں ایم اے کیا۔ 1960 اور 1961 کے درمیان میں بطور لکچرر بھی خدمات انجام دیں۔ 1961 ہی میں وہ شکاگو یونیورسٹی کے شعبہ ساؤتھ ایشین لینگویجز اینڈ سیویلائزیشن سے بطور ریسرچ فیلو منسلک ہوئے۔ اس شعبے میں انہوں نے طویل عرصے تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ پروفیسر سی ایم نعیم 1985 سے 1991 تک اسی شعبہ کے صدر رہے۔ وہ شکاگو یونیورسٹی سے 2001 میں باضابطہ سبکدوش ہو گئے۔

پروفیسر سی ایم نعیم تدریسی خدمات کے علاوہ علمی و ادبی تحقیق میں تاحیات مصروف رہے۔ پروفیسر نعیم 2003 میں جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی میں ویزیٹنگ پروفیسر رہے۔ اس سے قبل وہ 1971-72 میں چند ماہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ایسوسی ایٹ پروفیسر بھی رہے تھے۔ وہ شملہ (ہماچل پردیش) کے انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ایڈوانسڈ اسٹڈی کے 2009 میں 'نیشنل فیلو' بھی بنائے گئے تھے۔

پروفیسر سی ایم نعیم کئی جرنلس کے بانی مدیر تھے۔ ان میں Annual of Urdu Studies اور "Mahfil" خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ سی ایم نعیم کی آواز بڑی توانا تھی۔ انہوں نے اردو زبان، ثقافت اور اس سے متعلقہ سیاست کو اس وقت زندہ کیا جبکہ براعظم میں اردو ختم ہو رہی تھی۔ ان کی ایک کتاب "Urdu Crime Fictions, 1890-1950: An Informal History" بے حد معروف ہے۔ اسی طرح "Ambiguities of Heritage: Fictions and Polemics" ان کی مشہور کتابوں میں شامل ہیں۔

پروفیسر سی ایم نعیم ایشین سوسائٹی، نیویارک سٹی، پرنسٹن یونیورسٹی پریس، یونیورسٹی آف شکاگو، یونیورسٹی آف کیلی فورنیا پریس، فیمنسٹ پریس، شاستری انڈو کینیڈین انسٹی ٹیوٹ اور نیشنل انڈومنٹ فار ہیومنیٹیز میں بطور کنسلٹنٹ بھی رہے۔ وہ برکلے اردو لینگویج پروگرام اِن پاکستان، یونیورسٹی آف کیلی فورنیا اور برکلے کی ایڈوائزری کمیٹی میں بھی شامل تھے۔

پروفیسر سی ایم نعیم کی چند اہم کتابوں کے نام اس طرح ہیں:

1. Introductory Urdu (in 2 volumes)
2. Readings in Urdu: Prose and Poetry
3. Conversational Hindi-Urdu (2 Volumes)
4. Zikr-i- Mir: The Autobiography of the Eighteenth Century Mughal Poet, Mir Muhammad Taqi 'Mir'
5. Iqbal, Jinnah and Pakistan: The Vision and Reality
6. Two Days in Palestine (Article for the magazine The Message International)
7. A Season of Betrayals: A Short Story and Two Novellas by Qurratulain Hyder (translated from Urdu)
8. Urdu Texts and Contexts: The Selected Essays of C.M. Naim, Parmanent Balck, New Delhi, 2004
9. The Most Noble Life: The Biography of Ashrafunnisa Begum (1877-1903). Edited and translated by C.M. Naim, Orient Blackswan, New Delhi, 2022.

پروفیسر سی ایم نعیم نے 1961 میں ایک امریکی خاتون سے

شادی کی تھی جن کا نام Candace R. Caveny تھا لیکن یہ شادی 1978 میں طلاق پر منتج ہوئی۔ ان کے دو بیٹے ہیں۔ سی ایم نعیم کے انتقال پر ہندوستان کی دو خواتین ودیا راؤ (سنگر اینڈ رائٹر) اور شفالی جھا (سوشل سائنٹسٹ) نے "The India Forum" پر اپنے فکر انگیز مضامین کے ذریعے خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ ◆◆

انیس رفیع (افسانہ نگار و ادیب)

اردو کے ممتاز افسانہ نگار انیس الرحمٰن خان (قلمی نام انیس رفیع) سنیچر 7 جون 2025 کو 80 سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔ ان کے والد کا نام مجیب الرحمٰن خاں مظہر تھا۔ وہ کلکتہ کے ایک بڑے کاروباری تھے۔ 1954 میں کلکتہ چلے گئے اور وہیں اپنا مکان بنوالیا۔ وہ چمڑے کی تجارت کرتے تھے۔ اسی دن بعد نماز عصر انیس رفیع کی تدفین کولکاتہ کے باگ ماری قبرستان میں ہوئی۔ مرحوم گزشتہ چند ماہ سے صاحب فراش تھے۔ ان کے پس ماندگان میں اہلیہ نوشابہ پروین، دو بیٹے آصف انیس خان، انتخاب انیس خان اور ایک بیٹی ڈاکٹر عظمیٰ انیس ہیں۔

انیس رفیع 5 جنوری 1945 کو ویشالی (بہار) میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے علم سیاست میں ایم اے کے ساتھ ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کی تھی۔ مختلف کالجز میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ 1975 میں یو پی ایس سی کے ذریعے آل انڈیا ریڈیو میں ملازمت حاصل کی۔ آل انڈیا گورکھپور، کلکتہ اور پٹنہ میں پروگرام کے ایگزیکیوٹیو عہدے پر فائز رہے۔ اس کے بعد 1991 میں وہ دوردرشن کے اسسٹنٹ ڈائرکٹر بنائے گئے۔ دہلی، پونہ اور کلکتہ میں اپنے فرائض انجام دے کر وہ ڈائرکٹر ہوئے اور ڈبروگڑھ (آسام)، مظفر پور (بہار) اور کوہیما (ناگالینڈ) میں معمور رہ کر 2005 میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ 2008 میں وزیٹنگ فیلو کی حیثیت سے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ ماس کمیونی کیشن میں درس وتدریس کے فرائض بھی انجام دیے۔

افسانہ نگار کی حیثیت سے انیس رفیع کی ایک منفرد شناخت تھی۔ ان کا افسانوی سفر 1963 میں شروع ہوا تھا۔ ان کا پہلا افسانہ 'ہیرو: نہلے پہ دہلا' کالج میگزین میں شائع ہوا تھا۔ ان کے تین افسانوی مجموعے 'اب وہ اترنے والا ہے'، 'کرفیو سخت ہے' اور 'گداگر سرائے' ادبی حلقے میں بہت مقبول ہوئے۔ ان کے تنقیدی مضامین کا بھی ایک مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔ ◆◆

(روزنامہ پندار، پٹنہ اور دیگر ذرائع سے ماخوذ)

پروفیسر زبیر حسن (ماہر اقتصادیات، شاعر)

ماہر اقتصادیات اور او آئی سی (OIC) کے ایوارڈ یافتہ مفکر و دانشور پروفیسر (ڈاکٹر) زبیر حسن اتوار 22 جون 2025 کو دہلی میں انتقال کر گئے۔ ان کی عمر تقریباً 94 برس تھی۔ پس ماندگان میں ایک بیٹا اور تین بیٹیاں شامل ہیں۔ مرحوم کی تدفین ان کی رہائش گاہ (ذاکر باغ، جامعہ نگر) کے قریب بٹلہ ہاؤس قبرستان میں بعد نماز ظہر عمل میں آئی۔

پروفیسر زبیر حسن 1932 میں بجنور (اتر پردیش) کے ایک علمی اور باوقار خانوادے میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد مولوی محمد مجید حسن تحریک آزادی میں کلیدی رول ادا کرنے والے تاریخ ساز اخبار مدینہ بجنور (اجرا: 1912) کے بانی اور مالک تھے۔ اس کے پہلے مدیر حامد الانصاری غازی تھے۔ 1912 میں اس اخبار کا سرکولیشن 12500 تھا۔ اس تاریخی اخبار سے وابستہ معروف شخصیات میں امین احسن اصلاحی، نصراللہ خاں عزیز، عثمان فارقلیط، ابواللیث اصلاحی ندوی، ضیاءالحسن فاروقی، مظہرالدین شیرکوٹی، ابوسعید بزمی وغیرہ شامل ہیں۔

پروفیسر زبیر حسن اخبار 'مدینہ' کے آخری مدیر تھے۔ یہ اخبار 1975 میں بند ہو گیا تھا۔ پروفیسر زبیر حسن نے میرٹھ کالج سے ابتدا سے پی ایچ ڈی تک کی تعلیم حاصل کی۔ میرٹھ کالج ہی میں ان کا تدریسی کریئر 1957 میں شروع ہوا تھا۔ اس کے بعد وردھمان کالج بجنور میں 1963 میں ان کا تقرر شعبہ معاشیات کے سربراہ کی حیثیت سے ہوا تھا۔ بعد ازاں وہ ذاکر حسین کالج، دہلی سے بھی منسلک ہوئے اور 1981 تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ یہیں سے پروفیسر زبیر حسن 1981 میں 'آن ڈیپوٹیشن' عراق کے مشہور تعلیمی ادارہ بصرہ یونیورسٹی چلے گئے۔ بصرہ سے واپسی پر وہ ملیشیا منتقل ہو گئے۔ وہاں انہوں نے عالمی اسلامی یونیورسٹی کوالالمپور اور گلوبل یونیورسٹی ملیشیا میں سات برس

تدریسی خدمات انجام دیں۔ان کا شمار دنیا کے 130 بڑے ماہر معاشیات میں ہوتا تھا۔ انہوں نے معاشیات پر گیارہ کتابیں تصنیف کیں۔ انہوں نے چالیس ممالک میں معاشیات کے موضوع پر اپنے تحقیقی مقالات پیش کیے۔ پروفیسر زبیر حسن کی چند کتابوں کے نام اس طرح ہیں:

1. Introduction to Microeconomics: An Islamic Perspective (2006)
2. Theory of Profit (1975)
3. Economics with Islamic Orientation (2015)
4. Leading Issues in Islamic Economics and Finance: Critical Evaluations (2020)
5. Islamic Banking and Finance: Second Edition (2023)

پروفیسر زبیر حسن کو اسلامک ڈیولپمنٹ بینک، جدہ (IDB) کی طرف سے 2009 میں اسلامک معاشیات ایوارڈ عطا کیا گیا تھا۔ 2014 میں انہیں OIC کی جانب سے COMEC AWARD سے نوازا گیا تھا۔ ہندوستان واپسی پر ان کا مستقل قیام دہلی میں تھا۔ وہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد میں اسلامک فینانس کے وزیٹنگ پروفیسر بھی رہے۔

پروفیسر زبیر حسن اردو زبان و ادب سے والہانہ شغف رکھتے تھے۔ اردو زبان انہیں ورثے میں ملی تھی اور اپنے پیشہ وارانہ کریئر کے آغاز سے قبل وہ اخبار 'مدینہ' بجنور کے ایڈیٹر بھی رہے۔ وہ ایک صحافی بھی تھے اور کہنہ مشق شاعر بھی۔ ان کا شعری مجموعہ 'آئینہ' 2021 میں شائع ہوا۔ اس کے مرتب ہیں پرویز عادل ماحی۔ اس کتاب پر 'اردو بک ریویو' کے شمارہ جنوری تا مارچ 2023 میں تبصرہ شائع ہوا۔ (دیکھیے صفحہ 72-73، مبصر: سعید اختر اعظمی)

اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور ان کی خدمات کو شرف قبولیت بخشے۔ آمین! ♦♦ (محمد عارف اقبال)

پروفیسر آصفہ زمانی (ادیب ونقاد)

اتر پردیش اردو اکادمی کی سابق چیئر پرسن، لکھنؤ یونیورسٹی کے شعبۂ فارسی کی سابق صدر پدم شری پروفیسر آصفہ زمانی کا جمعہ 13 جون 2025 کو لکھنؤ میں انتقال ہوگیا۔ ان کی عمر تقریباً 83 برس تھی۔ انہیں آرتھرائٹس کا شدید عارضہ لاحق تھا جس کی وجہ سے وہ چلنے پھرنے سے معذور ہوگئی تھیں۔ ان کی تدفین لکھنؤ کے عیش باغ قبرستان میں ہوئی۔ مرحومہ کے پس ماندگان میں ان کے بیٹے آصف زماں رضوی ہیں۔

پروفیسر آصفہ زمانی علمی خانوادے سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کے والد قاری ودودالحقؒ ندوی (مولانا) علی میاں ندوی کے ہم جماعت تھے۔ ان کی شادی سابق ریاستی وزیر اعزاز رضوی سے ہوئی تھی۔ آصفہ زمانی نے لکھنؤ یونیورسٹی کے شعبۂ فارسی میں تیس سال سے زائد عرصے تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ ان کی خدمات کے پیشِ نظر لکھنؤ یونیورسٹی نے انہیں پروفیسر ایمریٹس کا خطاب دیا تھا۔ انہیں 2004 میں پدم شری کے اعزاز سے نوازا گیا، جب کہ اس سے قبل انہیں صدر جمہوریہ کے بدست ایوارڈ مل چکا تھا۔ مرحومہ 2018 سے 2020 تک اتر پردیش اردو اکادمی کی چیئر پرسن رہیں۔

آصفہ زمانی کے انتقال سے شہر لکھنؤ کے علمی حلقوں میں سوگ کی لہر دوڑ گئی۔ اہم شخصیات نے ان کے انتقال کو علم وادب کا خسارہ قرار دیا۔ آصفہ زمانی کی تقریباً 32 کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں اور کئی کتابوں پر انہیں انعامات سے بھی نوازا جاچکا ہے۔ ان کی اہم تصنیفات میں 'آبگینہ'، 'طالب آملی'، 'مقالاتِ زمانی'، 'پرتوِ تحقیق'، 'احساسِ بیکراں'، 'جدید ادبی جائزے'، 'لکیریں ہاتھ کی'، 'اردو ادب میں خواتین کا حصہ'، 'منشی نول کشور اور ان کی ادبی خدمات' وغیرہ شامل ہیں۔ ♦♦

(روزنامہ انقلاب، دہلی، 14 جون 2025 سے ماخوذ)

ڈاکٹر ستیہ پال آنند (شاعر ونقاد)

گنگا جمنی تہذیب کے علمبرداروں کی آخری نسل سے تعلق رکھنے والوں میں ایک قدآور نام ڈاکٹر ستیہ پال آنند کا ہے جن کا سنیچر 2 اگست 2025 کو 94 سال کی عمر میں کناڈا (ٹورنٹو) میں انتقال ہوگیا۔ اردو، ہندی، پنجابی اور انگریزی میں ان کی درجنوں تصانیف ہیں جن میں ناول، افسانوی مجموعے، شعری مجموعے کے ساتھ ہی ایک خودنوشت بھی شامل ہے۔ ان زبانوں کے علاوہ ڈاکٹر ستیہ پال کو عربی اور فارسی پر بھی خاصا

عبور حاصل تھا۔

ستیہ پال آنند 24 اپریل 1931 کو متحدہ پنجاب کے کوٹ سارنگ، ضلع چکوال (جو اَب پاکستان میں ہے) میں پیدا ہوئے تھے۔ انہوں نے پرائمری تعلیم 'کوٹ سارنگ' کے سرکاری اسکول سے مادری زبان پنجابی میں حاصل کی۔ تقسیم ہند کے بعد وہ خاندان کے ہمراہ ہندوستان (لدھیانہ) چلے آئے۔ انگریزی میں پنجاب یونیورسٹی چنڈی گڑھ سے ایم اے کیا، اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان گئے اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ ڈاکٹریٹ کی دوسری ڈگری انہوں نے ٹیکساس کی ٹرینٹی یونیورسٹی سے حاصل کی۔ اس کے بعد امریکہ میں سکونت اختیار کرلی۔ اس دوران وہاں کی 13 مختلف یونیورسٹیز میں انہوں نے تدریسی خدمات انجام دیں۔

ستیہ پال آنند کے انتقال پر نیویارک (امریکہ) کے تنویر پھول نے ہجری اور عیسوی کے اعتبار سے دو قطعات کہے ہیں۔ عیسوی قطعے ملاحظہ ہو:

نظم وہ کہتے تھے، کرتے نعت گوئی بھی وہ تھے
آج رخصت، چھوڑ کر دنیائے فانی ہوگئے
کہنی ہے تاریخ، پہلے پھول! کہہ دو "آج موت"
"ستیہ پال آنند آخر آنجہانی ہوگئے"
(2025 عیسوی)

ستیہ پال آنند نے نومبر 1957 میں محترمہ پرومیلا سے شادی کی تھی۔ پس ماندگان میں دو بیٹے پرومود، سچن اور ایک بیٹی ڈیزی شامل ہیں۔ ان کو اعزاز و ایوارڈ سے بھی نوازا گیا جن میں جواہر لعل نہرو فیلوشپ، اردو مرکز ایوارڈ (لاس اینجلس) اور شرومنی ساہتیہ کار ایوارڈ (حکومت پنجاب، انڈیا) شامل ہیں۔ انگلش میں ستیہ پال آنند کی چند کتابوں کے نام اس طرح ہیں:

- One Hundred Buddhas (2011)
- Sunset Strands (2011)
- A Promise Kept (1996)
- Memory Ambers, A Vagrant Mirror (2011)

♦♦

عبدالسمیع بوبیرے (صحافی)

ممبئی کے معروف اردو صحافی عبدالسمیع بوبیرے بدھ 25 جون 2025 کو اپنی رہائش پر انتقال کر گئے۔

عبدالسمیع اپنے وقت کے مشہور صحافی اور اہلِ علم عبدالحمید بوبیرے کے فرزند تھے۔ جب عروس البلاد ممبئی میں علی سردار جعفری کے مجلے 'گفتگو' اور یادگارِ سیماب ماہنامہ 'شاعر' (مدیر اعجاز صدیقی) کے علاوہ اور بھی کئی ممتاز جریدے شائع ہو رہے تھے، انہی میں عبدالحمید بوبیرے کا مجلّہ 'صبحِ امید' بھی نمایاں تھا۔ عبدالحمید بوبیرے کے انتقال کے بعد عبدالسمیع بھائی نے اپنے پدرِ بزرگوار کی اس وراثت کا عَلَم اُٹھالیا بلکہ انہوں نے اسی کو اپنی زندگی کا محور بنالیا۔ بلاسس روڈ پر عربیہ ہوٹل کے عقب میں ان کی رہائش ہی 'صبح امید' کا دفتر بھی بنی ہوئی تھی۔

بھیونڈی کے جواں مرگ ڈاکٹر ریحان انصاری جب طبیہ کالج (ممبئی) میں زیر تعلیم تھے تو وہ اپنے صحافتی ذوق کو جِلا دینے کے لیے 'صبحِ امید' کے دفتر (جو اُن کے کالج سے قریب تر تھا) چلے آتے تھے اور کتابت و کاپی پیسٹنگ میں سمیع بھائی کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ ریحان میاں سے ہماری پہلی ملاقات 'صبحِ اُمید' کے اسی دفتر میں ہوئی تھی۔

25 جون کی شام سمیع بھائی کے جسدِ خاکی کو سپردِ لحد کر کے بڑے قبرستان میں واقع مسجد کے صحن میں سستانے کے لیے ہم بیٹھے تھے تو شہر کے معروف سماجی خدمتگار اور 'انجمن اسلام' جیسے تعلیمی ادارے کے مخلص کارکن، مشہور تاجر شاہنواز (تھانہ والا) نے بتایا کہ "عبدالسمیع بوبیرے اور انہوں نے شہر کی ممتاز ترین درس گاہ 'کے سی کالج' ہی سے گریجویشن کیا تھا، سمیع بھائی مجھ سے سینئر تھے۔ وہ کالج کے زمانے میں بھی نہایت 'ہوش' یار، چاک چوبند رہتے تھے، اُن کے جسد میں ایک بے چین روح محسوس ہوتی تھی۔"

یہ سچ ہے کہ عبدالسمیع بوبیرے چپکے بیٹھنے والوں میں سے نہیں تھے، وہ کچھ نہ کچھ کرتے رہتے تھے۔ 'اُردو میں ایک لفظ 'بے دھڑک' ہے، سمیع بھائی پر یہ لفظ خوب سجتا تھا وہ 'قبلِ آغاز انجام کے خوف سے بے نیاز ہو کر کام کرنے کی خُو کے حامل

تھے۔ بوہرہ قوم کے سرکردہ اشخاص سے اُن کی شناسائی ہوئی اور اس شناسائی سے انہوں نے 'کام' لیا اور خوب لیا۔ ایک دن فون آیا:

''ندیم میاں! میں محرّم میں ایک مشاعرہ کرنا چاہتا ہوں اس میں میری مدد کرو۔''

ہم نے پوچھا کیا مدد درکار ہے؟

جواب ملا: ''پہلے تو یہ کہ اس مشاعرے کو مَیں 'مسالمے' کا عنوان نہیں دینا چاہتا، کوئی دوسرا نام بتائیے اور سلام کہنے والے شعرا کی ایک فہرست بھی مطلوب ہے۔''

ہم نے برجستہ کہا: اس مشاعرے کو آپ 'روحانی مشاعرے' کا عنوان دیدیجیے۔ ساتھ میں سلام کہنے والے چند شعرا کی فہرست بھی دے دی، پھر یہ 'روحانی مشاعرہ' پاٹکر ہال (ممبئ) میں برپا ہوا جس میں بیرونِ شہر کے بھی ممتاز شعرا شریک رہے اور سال بہ سال وہ 'روحانی مشاعرے' برپا کرتے رہے۔

عبدالسمیع بوبیرے نے ایک 'شامنامہ' ہی نہیں بلکہ انگریزی کا بھی ایک مجلہ جاری کیا۔

عبدالسمیع بوبیرے تھے تو کوکنی برادری کے فرد مگر اُن کے لب و لہجے اور زبان پر عام کوکنیوں کی طرح مرہٹی بھاشا کی گِرفت نہیں تھی، بلکہ اس کے برعکس ہمارے شناسا کوکنیوں میں زبان دانی کے پس منظر میں (شیخ مصری والے) عارف احمد جی کے بعد سمیع بھائی واحد شخص تھے جو شمالی ہند کے لوگوں کی زبانی غلطیوں کی ... 'ٹیر' ... لیا کرتے تھے۔ سمیع بھائی دیگر کوکنیوں کی طرح 'نون غُنّہ' ہضم نہیں کرتے تھے، ہم نے اُن کی زبان سے کبھی 'ہیں کو 'ہے' نہیں سنا۔ دراصل یہ اُن کے جذب و اخذ کی قوت تھی کہ انہوں نے ممبئ میں اپنے وقت کے اساتذہ سے ہوش کی حالت میں سبق لیا، 'ہیں' اور 'ہے' کے فرق کو روا رکھا۔

روزنامہ انقلاب میں حافظ سعید خان نے اپنی خبر میں سمیع بھائی کے اس فقرے کو نقل کیا ہے اور صحیح کیا ہے:

''اُردو صحافت میں کچھ ایسے لوگ دَر آئے ہیں، جن کا اِملا غلط، جن کا جملہ غلط، جو منجملہ غلط۔''

انجمن اسلام کے نائب صدر مشتاق انتولے بھی اہلِ کوکن میں اس لحاظ سے منفرد ہیں کہ ایک دن انہوں نے شمالی ہند کے ایک خود ساختہ 'اہلِ زبان' کی گرفت کرتے ہوئے کہا:

''حضرت! مجلس منعقد نہیں برپا ہوتی ہے اور محفل منعقد ہوتی ہے۔''

لیکن ایک کوکنی شخص کی زبان دانی کا یہ مظاہرہ بھی لوگوں کے ذہن میں ریکارڈ ہو گیا۔ تقریباً فائی اسٹار ہوٹل میں ایک تقریبِ تہنیت تھی، جس کے شرکا میں مسلم خواتین کی بھی خاصی تعداد تھی، صاحبِ اعزاز کے محاسنِ کردار بیان ہو رہے تھے، اہل کوکن کے ایک ممتاز شخص مائک پر صاحبِ اعزاز کے ساتھ بیرونِ ملک کے ایک سفر کی روداد بیان کرتے ہوئے کہنے لگے کہ ائیر پورٹ پر ہمارا سامان اور اِن کا سامان ایک ساتھ اسکریننگ مشین سے گزرا تو ذمے داران نے ایک سوٹ کیس میں کوئی ممنوع چیز محسوس کی تو صاحبِ اعزاز کا بیگ کھلوایا گیا تو اُس میں ریوالور بر آمد ہوا۔ یہ دیکھ کر تو ... 'میری پھ۔۔۔ٹ' گئی، اس جلسے میں شریک ایک معمر کوکنی نے ہم سے پوچھا تھا:

کیا چیز 'پھ۔۔۔ٹ' گئی تھی۔؟

ہمارے ذہن نے مرزا نوشہ کے مصرع کو دُہرایا:

'کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا'

اُس جلسے میں سمیع بھائی نہیں تھے ورنہ اُن سے ہم ضرور پوچھ بیٹھتے کہ کیا چیز... گئی تھی۔

سمیع بھائی اُردو زبان ہی کے پروردہ اور اُردو ہی کے آدمی تھے۔ ان کے ہاں اُردو کی تہذیبی رواداری بھی تھی اور وضع داری بھی۔ ہمارے والدِ مرحوم اور اُن کے پدرِ بزرگوار عبدالحمید بوبیرے میں ایک تعلقِ خاطر تھا۔ ابّا کو علامہ اقبال سے ایک اُنس تھا وہ برسہا برس 21 اپریل کو 'یوم اقبال' مناتے تھے اور اس تقریب میں شہر کے مشاہیر ادب سے سیالکوٹی علامہ کی 'اقبال مندی' پر تقریر کرواتے تھے جن میں عبدالحمید بوبیرے بھی شامل ہوتے تھے۔ سمیع بھائی ہمارے ابّا کی اس روایت کے سبب ان کی تکریم کیا کرتے تھے اور اکثر فون ہی پر نہیں ممبرا آ کر بھی ان کی مزاج پُرسی کرتے تھے۔

گزشتہ نومبر میں جب احقر کی کتاب 'ظ: ایک شخص تھا' کی تقریبِ رونمائی ہوئی تو وہ علالت کے باجود خلافت ہاؤس آئے۔ دوسرے دن پھر فون پر کہنے لگے میں نے کتاب دیکھی

اس میں کیا شک ہے کہ 'ظ' انصاری ایک زندہ شخص ہی کا نام ہے مگر اب ہم سب کو بھول رہے ہیں۔ کل تقریب میں محسوس ہوا کہ ظ انصاری تو زندہ ہیں۔

آپ عمر میں مجھ سے چھوٹے ضرور ہیں مگر کل محفل میں ایک بزرگ محسوس ہوئے، آنجناب نے تقریب کے مقررین سے یہ استدعا کر کے اپنے ظرف کے عمق کا بھی خوب مظاہرہ کیا کہ 'للہ، مقررین حضرات میرے تعلق سے نہیں ظ مرحوم کے علم و ادب پر کلام کریں۔'

سمیع بھائی نے یہ بھی کہا کہ ''ظ انصاری سے ایک زمانہ مستفیض ہوا مگر اُن کا حق ادا کرنے میں لوگوں نے مجرمانہ اعراض برتا، اُن کا کام کس قدر ٹھوس اور نا قابلِ فراموش ہے۔''

سمیع بھائی اپنے ہم عصروں اور ہم عمروں میں ایک تشخص رکھتے تھے اور اس تشخص کا نمایاں عنصر اُن کا 'تحرک' تھا۔ عبدالسمیع بوبیرے اُردو کی اس تیرہ شبی میں 'صبح' کی ایک 'امید' تھے جو، اب معدوم ہوگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

ممبئی کے بڑے قبرستان میں سمیع بھائی کو مٹّی دینے کے لیے اکثر مخلصین حاضر تھے جن سے ہم واقف ہیں۔ اُن میں روزنامہ اُردو ٹائمز کے مالک و مدیر سعید احمد، سرفراز آرزو (مدیر و مالک روزنامہ ہندستان) ظہیر قاضی، شاہنواز تھانہ والا، اسلم کرتپوری، سعید خان (مانے گارڈن)، یوسف پنجابی، پروفیسر جمیل کامل، جاوید جمال الدین، فواد پاٹکا، ارشاد الحسن خان اور انور داؤد (انقلاب پریس) شامل تھے۔ ♦♦

(تحریر: سینئر صحافی ندیم صدیقی، ممبئی)

عبدالمجید خان مجید (شاعر)

چمپارن کے معروف شاعر عبدالمجید خان مجید کا جمعرات 3 جولائی 2025 کو طویل علالت کے بعد موتیہاری کے ایک ہسپتال میں انتقال ہوگیا۔ ان کی عمر تقریباً 76 برس تھی۔ دیر شام ان کا جسد خاکی بتیا شہر کے لیبرٹی سینما روڈ میں واقع ان کی رہائش گاہ پر لایا گیا اور بعد نماز جمعہ نیا ٹولہ کے بڑے قبرستان میں نماز جنازہ اور تدفین عمل میں آئی۔ نماز جنازہ میں شعراء، ادبا سمیت علمی وسماجی وسیاسی شخصیات نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔

عبدالمجید خاں کی پیدائش 12 دسمبر 1949 کو بتیا میں ہوئی۔ 1947 میں اردو ہائی اسکول بتیا سے انہوں نے میٹرک کا امتحان پاس کیا، منشی سنگھ کالج موتیہاری سے 1971 میں گریجویشن پاس کیا۔ 1975 سے اسٹیٹ بینک آف انڈیا میں ملازم ہوئے اور مغربی چمپارن و گوپال گنج ضلع کی مختلف برانچوں میں منیجر کے عہدے پر رہتے ہوئے 2009 میں سبکدوش ہوئے۔

بتیا شہر کے شعرا و ادبا کے حلقے میں رہتے ہوئے انہوں نے اپنی زندگی کی چالیس بہاریں گزارنے کے بعد شعر گوئی کی طرف توجہ کی اور مشہور شاعر ایم ایم وفا سے مشورہ سخن کرنے لگے۔ ان کا پہلا شعری مجموعہ اک آگ سی سینے میں، 2004 میں شائع ہوا اور دوسرا اور آخری مجموعہ 'دست ہنر' 2018 میں شائع ہوا، جس نے ان کی شاعری کو مزید مقبولیت عطا کی۔ وہ مشاعروں میں ترنم سے اپنا کلام پیش کرتے تھے اور وقتاً فوقتاً ادبی نشستیں منعقد کرتے رہتے تھے۔ مرحوم عبدالمجید خان آمنہ اردو ہائی اسکول اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کے صدر تھے۔ اس کے بعد سجاد پبلک اردو لائبریری کے بھی وہ صدر ہوئے اور انہی کے دور میں لائبریری کی نئی عمارت تیار ہوئی۔ سماجی، علمی اور ثقافتی تنظیموں سے ان کا گہرا تعلق تھا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ عبدالمجید خان مجید ان شعرا میں سے تھے جن کا شمار شرفا میں ہوتا ہے۔ وہ نہایت ہی خلیق، ملنسار، شریف النفس، سادہ مزاج اور صوم وصلوٰۃ کے پابند انسان تھے۔

عبدالمجید خان سادہ اور سلیس زبان میں براہ راست اشعار کہتے تھے۔ ان کے اشعار زیادہ تر رومانی ہوتے تھے مگر رومان کے توسط سے عصر حاضر کے تمام کیف وکم کی کامیاب اور مؤثر عقدہ کشائی ان کا طرہ امتیاز تھا۔ مرحوم نے اپنی حیات میں نہ صرف شہر بتیا بلکہ ملک کے مختلف شہروں میں اپنے اشعار کا جادو بکھیر دیا۔ ♦♦

(روزنامہ انقلاب، 5 جولائی 2025 سے ماخوذ)

اقبال دانش (استاد شاعر)

شہر الہ آباد کے معروف نعت گو استاد شاعر حضرت اقبال دانش کا طویل علالت کے بعد منگل 15 جولائی 2025 کی سہ پہر انتقال ہوگیا۔ اقبال دانش نے شاعری کا آغاز تقریباً بیس

سال کی عمر سے کیا۔ شاعری میں انھوں نے اپنے عہد کے معروف شاعر ماہر الحمیدی کو اپنا استاد تسلیم کیا۔ اقبال دانش نے اگرچہ شاعری کی مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی لیکن صنف نعت ان کو بے حد محبوب تھی۔ اپنے مخصوص لب و لہجے اور پاٹ دار آواز کے سبب مشاعروں کی دنیا میں اقبال دانش کی شخصیت ہر دلعزیز مانی جاتی تھی۔

اقبال دانش کی غزلوں کے دو مجموعے 'میزان' اور 'چراغ شام' منظر عام پر آنے کے بعد ایک نعتیہ مجموعہ 'جانِ جاناں' ادبی دنیا میں داد و تحسین حاصل کر چکا ہے۔ اقبال دانش کے ذہن و فکر نے جس انداز سے سرمایۂ نعت گوئی کو اپنی گراں قدر شعری خدمات سے مالا مال کیا وہ ان کو تا دیر زندہ رکھنے کے لیے کافی ہے۔ مرحوم کی نماز جنازہ بعد نماز عشا گلاب باڑی واقع مسجد میں ادا کی گئی اور تدفین حسن منزل قبرستان میں ہوئی، جس میں کثیر تعداد میں لوگوں نے شرکت کی۔ پس ماندگان میں مرحوم کی اہلیہ، بیٹے ضیا دانش، پوتے اعظم علی، طیب علی کے نام اہم ہیں۔ اقبال دانش کو الہ آباد کی ایک ادبی تنظیم نے 2021 میں اکبر الہ آبادی ایوارڈ سے نوازا تھا۔ ♦♦

شاکر ادیبی (شاعر)

بھیونڈی کے ممتاز شاعر، معلم اور اردو زبان کے مخلص خدمت گزار شاکر ادیبی سوموار 4 اگست 2025 کی شب انتقال کر گئے۔ وہ ایک عرصے سے صاحب فراش تھے۔ ان کی عمر تقریباً 95 برس تھی۔ ان کی تدفین منگل کو بھسار محلہ قبرستان میں ہوئی۔ پس ماندگان میں تین بیٹے اور دو بیٹیاں شامل ہیں۔

شیخ شاکر حسین امام الدین (قلمی نام شاکر ادیبی) 17 اپریل 1933 کو مہاراشٹر کے قصبہ ارنڈول ضلع جلگاؤں میں پیدا ہوئے۔ عملی زندگی کا آغاز پیشہ معلمی سے کیا اور تعلیم و تربیت کو اپنی زندگی کا مشن بنایا۔ وہ حضرت ادیب مالیگانوی کے شاگرد تھے جن کی نسبت سے 'ادیبی' لکھنے لگے۔ شاکر ادیبی کو نہ صرف شاعری میں کمال حاصل تھا بلکہ اردو سے انہیں والہانہ عشق تھا۔ ان کی شاعری میں فنی خوبیوں اور دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی سچائی کا عکس جھلکتا ہے۔ ان کا شعری مجموعہ 'حباب میں موتی' کے نام سے شائع ہو کر داد و تحسین حاصل کر چکا ہے۔ شاکر ادیبی درس و تدریس اور شاعری کے ساتھ غیر مسلم افراد کو اردو سکھانے میں مہارت رکھتے تھے۔ خاص طور سے بھیونڈی میں تعینات پولیس افسران کو اردو سکھانے کی کوششیں کیں۔ ان کے شاگردوں میں 'شہید' ہیمنت کرکرے اور گلاب راؤ پول جیسے متعدد افسران شامل رہے ہیں۔ شاکر ادیبی نہ صرف ایک معلم بلکہ استاذ الاساتذہ تھے۔ ان کے دیگر شاگردوں میں اساتذہ، ڈاکٹر، انجینئر، صحافی، ادیب اور سیاست داں سبھی شامل ہیں۔ ♦♦

(روزنامہ انقلاب ممبئی، 6 اگست 2025 سے ماخوذ)

خالد ندیم بدایونی (شاعر)

معروف شاعر خالد ندیم بدایونی کا جمعہ کی رات 20 جون 2025 کو انتقال ہو گیا۔ ان کی عمر تقریباً 67 برس تھی۔ ان کا تعلق اردو ادب، تہذیب، تصوف اور روحانیت کے مرکز، قدیم شہر بدایوں سے تھا۔ بدایوں کی علمی و ادبی فضاؤں میں انہوں نے اپنا گہرا نقش چھوڑا۔ انہوں نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ محکمۂ تعلیم میں بطور استاد خدمات انجام دیتے ہوئے گزارا۔ کورونا کے دور سے قبل وہ ہیڈ ماسٹر کے عہدے سے ریٹائرڈ ہو گئے تھے۔ ان کی شخصیت میں خلوص اور فرض شناسی کا وقار جھلکتا تھا۔

خالد ندیم بدایونی 15 جون 1958 کو بدایوں میں پیدا ہوئے۔ انہیں شاعری ورثے میں ملی تھی۔ ان کے والد محکمہ پولیس میں تھے۔ انہوں نے زیادہ تر مقامی ادبی محفلوں کو ہی ترجیح دی اور اپنے فن سے مقامی ادبی فضا کو نکھارتے رہے۔ زبان پر زبردست عبور تھا، وہ نہ صرف اچھے شاعر تھے بلکہ بہترین ناظم مشاعرہ بھی رہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد جب سوشل میڈیا کا دور آیا تو اپنی فکری توانائی کو وہاں منتقل کر دیا۔ انہوں نے 'فنکار اکیڈمی' کے نام سے ایک فیس بک گروپ اور یوٹیوب چینل بنایا جہاں خالد ندیم کی تقاریر، اشعار اور مشاعروں کے ویڈیوز اپلوڈ کیے جاتے تھے۔ کورونا کے دوران جب آن لائن مشاعروں کا سلسلہ شروع ہوا تو خالد ندیم بدایونی کی شرکت نے ان مشاعروں کو چار چاند لگا دیے۔ ان کے منفرد اندازِ گفتگو، شائستہ لہجہ اور صاف ستھری زبان نے انہیں ہر دلعزیز بنا دیا۔ انہوں

نے بین الاقوامی سطح پر اپنی شناخت بنائی اور بہت کم وقت میں دنیا بھر کے ادبی حلقوں میں پہچانے جانے لگے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد انہوں نے اپنی شاعری کے کئی مجموعے شائع کروائے، جن پر انہوں نے ریٹائرمنٹ سے حاصل ہونے والی رقم خرچ کی۔ نعتیہ مجموعے، طرحی مشاعروں کی غزلیں اور کئی یادگار کتابیں ان کے ادبی ذوق کی دلیل ہیں۔ ♦♦

(روزنامہ انقلاب اور دیگر ذرائع سے ماخوذ)

شکیل سہسرامی (شاعر)

کہنہ مشق اور صالح فکر شاعر شکیل سہسرامی کا سنیچر 12 جولائی 2025 کو پٹنہ میں تقریباً ایک ماہ کی علالت کے بعد انتقال ہوگیا۔ وہ کینسر (سرطان) جیسے موذی مرض میں مبتلا تھے۔ ان کی عمر تقریباً 60 سال تھی۔ ان کے جسد خاکی کو ان کے آبائی شہر سہسرام لے جایا گیا جہاں انہیں سپردِ خاک کیا گیا۔

شکیل سہسرامی کا اصل نام محمد شکیل خان ہے۔ وہ 5 جولائی 1966 کو سہسرام میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد عبدالوحید خان غازی شمسی اپنے وقت کے بڑے خطیب تھے۔ ان کے نام پر سہسرام کے محلہ کرن سرائے میں 'مولوی عبدالوحید منزل' آج بھی موجود ہے۔ شکیل سہسرامی قادرالکلام شاعر تھے۔ ان کی حمد، نعت، منقبت، قطعات اور غزلیں مقامی اخبارات و رسائل میں اکثر شائع ہوتی رہتی تھیں۔ ان کا پہلا شعری مجموعہ 'آوارجہ' 2017 میں اور دوسرا 'نظافت سخن' 2019 میں شائع ہوکر منظرعام پر آیا۔ شکیل سہسرامی کے انتقال پر کئی شاعروں، ادیبوں اور صحافیوں نے اپنے گہرے رنج وغم کا اظہار کیا ہے۔ کئی شعرا نے تعزیتی قطعات لکھے، ان میں عزیز بلگامی بھی شامل ہیں۔ ♦♦

(روزنامہ پندار پٹنہ، 13 جولائی 2025 سے ماخوذ)

احمر جلیسری (شاعر)

معروف شاعر احمر جلیسری کا منگل یکم جولائی 2025 کی شب آگرہ میں انتقال ہوگیا۔ ان کے جسد خاکی کو ان کے آبائی گھر جلیسر لے جایا گیا جہاں 2 جولائی کو نماز ظہر کے بعد درگاہ قبرستان میں ان کی تدفین کی گئی۔

احمر جلیسری کا اصل نام محمد سمیع الدین تھا اور ادب کی دنیا میں احمر جلیسری کے نام سے جانے جاتے تھے۔ وہ اپنی عمر کے 87 سال مکمل کرچکے تھے۔ ان کے سات شعری مجموعے شائع ہوچکے ہیں۔ ان کے پس ماندگان میں دو بیٹے محمد عامر، محمد وحید اور دو بیٹیاں شامل ہیں۔ احمر جلیسری کا آگرہ سے بہت پرانا تعلق تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا انتقال ادب کا بہت بڑا نقصان ہے۔ ♦♦

(روزنامہ انقلاب، 3 جولائی 2025 سے ماخوذ)

قاضی ناصر علی (شاعر)

شہر کے نامور شاعر قاضی ناصر علی کا طویل علالت کے سبب غالباً 24 جون 2025 کو انتقال ہوگیا۔ ان کی عمر 75 برس تھی۔ قاضی ناصر علی کی شخصیت اردو ادب کی دنیا میں بے حد مقبول تھی۔ انہوں نے شاعری کے ذریعے ہی اپنی شناخت قائم کی۔ ان کی غزلیں، نظمیں اور مشاعروں میں کہی گئی باتیں ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ ان کے انتقال پر شہر کے علماء کرام، سیاسی رہنماؤں، سماجی کارکنوں، ڈاکٹر، وکلا، شعرا اور صحافیوں نے اظہارِ تعزیت کرتے ہوئے کہا کہ قاضی ناصر علی جیسے شاعر کا انتقال اردو ادب کا ناقابل تلافی نقصان ہے۔ ♦♦

(روزنامہ انقلاب دہلی، 25 جون 2025 سے ماخوذ)

جلیس احمد حمیدی (سابق صدر طلبا یونین، اے ایم یو)

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (اے ایم یو) طلبا یونین کے سابق صدر اور امیرالدولہ اسلامیہ کالج کے سبکدوش لیکچرار جلیس احمد حمیدی کا بدھ 11 جون 2025 کو بلرام پور کے ایک ہسپتال میں انتقال ہوگیا۔ ان کی عمر تقریباً 87 برس تھی، وہ کچھ عرصے سے علیل تھے۔ پس ماندگان میں بیوہ کے علاوہ ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہیں۔ تدفین بعد نماز عصر عیش باغ قبرستان میں عمل میں آئی۔

جلیس احمد حمیدی ایک نامور شخصیت، ایک بہترین مقرر کے طور پر اے ایم یو میں اپنے طالب علمی کے دنوں سے ہی پہچانے جاتے تھے۔ وہ 1960 میں اے ایم یو طلبا یونین کے صدر منتخب ہوئے تھے، لیکن انہوں نے اس عہدے کو سیاسی اغراض ومقاصد کے لیے استعمال کرنے سے پرہیز کیا۔ [باقی صفحہ 66]

نئی کتب

NEW ARRIVALS
Classified List

تحقیق و ترتیب: محمد عارف اقبال

اسمائے کتب	مصنف/مؤلف/مترجم	صفحات	قیمت	ناشر/تقسیم کنندگان
اسلامیات: قرآنیات، سیرت، احادیث، فقہ				
اسلام میں ذہنی غلامی کے انسداد کی تاریخ	مبشر نذیر	462	750/-	حرا بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 7007892005
اسلام: اہل مغرب کی نظر میں (مغربی فضلاء کی تصانیف کا تجزیہ)	پروفیسر عبدالرحیم قدوائی، مرتب: رفیق احمد رئیس سلفی	296	500/-	ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ۔ (یوپی) Mobile: 9219789483
انوارِ مجدد (امام ربانی مجدد الف ثانی کی حیات وخدمات اور مکتوبات)	محمد شکیل استھانوی	260	300/-	EPH، انصاری روڈ، دریا گنج، نئی دہلی-110002
تحقیق وتدریس قرآن	ڈاکٹر ضیاء الدین فلاحی	362	600/-	پروفیسر خلیق احمد نظامی مرکز علوم القرآن، علی گڑھ۔ Mobile: 9897674550
تحقیق نمازِ تراویح	سیّد محمد علی مونگیری، سیّد فضل اللہ جیلانی	128	300/-	جامعۃ الصفہ، اورنگ آباد (بہار) M: 9117394766
تصورِ اقامت دین: تفہیم وتوضیح	رضی الاسلام ندوی، محمد اسعد فلاحی	300	1000/-	منشورات، منصورہ ملتان روڈ، لاہور۔ (پاکستان)
جہاتِ قرآنیات (مقالات)	پروفیسر عبدالرحیم قدوائی، ترتیب: رفیق احمد رئیس سلفی	376	500/-	پروفیسر خلیق احمد نظامی مرکز علوم القرآن، علی گڑھ۔ Mobile: 9219789483
حضرت ابراہیم (علیہ السلام): امام انسانیت	محمد رضی الاسلام ندوی	200	190/-	MMI پبلشرز، نئی دہلی ۲۵۔ M: 7290092401
حکمت کے خزانے (احادیث نبوی کی روشنی میں)	محمد رضی الاسلام ندوی	240	250/-	ہدایت پبلشرز، نئی دہلی ۲۵۔ M: 9891051676
قرآن کے ادبی اسالیب (مولانا فراہی...)	علامہ خالد مسعود	184	250/-	ہدایت پبلشرز، نئی دہلی ۲۵۔ M: 9891051676
کتابِ شفا در حقوق مصطفیٰ ﷺ	قاضی عیاض اندلسی، محمد علاء الدین ندوی	768	800/-	حرا بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 7007892005
محمد (ﷺ) سیرتِ پاک کا روحانی اور...	سیّد حسین نصر، ترجمہ: اسامہ حمید	80	100/-	ہدایت پبلشرز، نئی دہلی ۲۵۔ M: 9891051676
المدخل الی مشکوٰۃ المصابیح	مفتی محمد تنویر الطاف	352	500/-	حرا بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 7007892005
مطالعۂ سیرت: موجودہ حالات کے تناظر میں	سیّد سعادت اللہ حسینی، محمد عبداللہ جاوید، محی الدین غازی، یحییٰ نعمانی	96	100/-	ہدایت پبلشرز، نئی دہلی ۲۵۔ M: 9891051676
فہمِ قرآن کے جدید رجحانات	ڈاکٹر ضیاء الدین فلاحی	252	500/-	پروفیسر خلیق احمد نظامی مرکز علوم القرآن، علی گڑھ۔
سماجیات: سائنس، سیاست، تعلیم، میڈیا				
اردو صحافت کے ادبی، نسائی اور اطفالی رنگ	حقانی القاسمی	486	750/-	عرشیہ پبلی کیشنز، نئی دہلی۔ M: 9971775969
اکیسویں صدی کے 21 سبق	Yuval Noah Haravi، ترجمہ: ناصر فاروق	150	250/-	حرا بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 7007892005
پیسے کی نفسیات (Psychology of Money)	مورگن ہاؤسل، ترجمہ: وقاص معظم جھوجہ	208	400/-	حرا بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 7007892005
تاریخ جو کھو گئی	مائیکل ہیملٹن مارگن، ترجمہ: ناصر فاروق	176	280/-	حرا بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 7007892005
خدائی سرگوشیاں	مجیب الحق حقی	232	450/-	حرا بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 7007892005
خواتین کا کردار اور متوقع کردار (اسلامی معاشرے میں)	علامہ یوسف القرضاوی، ترجمہ: الیاس نعمانی ندوی	120	150/-	ہدایت پبلشرز، نئی دہلی ۲۵۔ M: 9891051676

ستاروں کے اس پار (فلکیات)	تحسین اللہ خان	248	600/-	حرا بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 7007892005
سوچ کے نرالے ڈھنگ	(Edward De Bono)، مترجم: شہزاد نیّر	224	350/-	حرا بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 7007892005
شیعیانِ ہند	جان نارمن ہالسٹر، ترجمہ: ریحان عمر	416	درج نہیں	حارث پبلی کیشنز، کراچی۔ M: 03009216491
فکری روایات کا تنقیدی مطالعہ...	جمشید اقبال	468	700/-	حرا بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 7007892005
فکری وحدت میں آزادئ رائے کا کردار	ڈاکٹر عبدالمجید النجار، ترجمہ: محی الدین غازی	96	120/-	ہدایت پبلشرز، نئی دہلی ۲۵۔ M: 9891051676
فلسفہ مغرب کی تاریخ	برٹرینڈ رسل	980	1500/-	حرا بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 7007892005
فلسطین: قرض اور فرض	ڈاکٹر محمد طارق ایوبی	176	180/-	ہدایت پبلشرز، نئی دہلی ۲۵۔ M: 9891051676
قیام امن: ایک جستجو (2025)	زینت شوکت علی، ترجمہ: نسیم احمد	608	310/-	NCPUL، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
کارپوریٹ نیکسس: غیر انسانی نیٹ ورک	ناصر فاروق	136	250/-	حرا بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 7007892005
کتابِ امید (Mark Manson)	ترجمہ: ناصر فاروق	140	250/-	حرا بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 7007892005
لامذہبی دور کا تاریخی پس منظر	محمد تقی امینی	200	300/-	حرا بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 7007892005
مقالات حلاق (اجتہاد، اجماع، قانون وغیرہ)	وائل حلاق، مترجم: صابر علی	240	600/-	حرا بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 7007892005
میڈیا (ساخت، تھیوری اور اثرات)	صابر علی	316	700/-	حرا بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 7007892005
ناجنس اور اسلام (LGBTQIA+)	ڈاکٹر محمد رضوان	286	200/-	MMI پبلشرز، نئی دہلی ۲۵۔ M: 7290092403
ناممکن ریاست (اسلام اور سیاست اور جدیدیت کی اخلاقی شکل)	وائل حلاق، مترجم: صابر علی	304	500/-	حرا بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 7007892005
نفسیاتی صحت: جدید نقطہ نظر اور اسلامی رہنما	ایس امین الحسن	176	200/-	ہدایت پبلشرز، نئی دہلی ۲۵۔ M: 9891051676
یورپ کے تین معاشی نظام	مفتی محمد رفیع عثمانی	96	200/-	حرا بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 7007892005

شخصیات: تاریخی، دینی، علمی، ادبی

پروفیسر عبدالرحیم قدوائی: شخصیت و کارنامے	مرتب: فاروق ارگلی	376	1000/-	فرید بک ڈپو، نئی دہلی ۲۔ M: 9250963868
سگمنڈ فرائڈ: حالات زندگی	شیر محمد اختر	160	300/-	حرا بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 7007892005
صاحب اعیان (سیّد شاہ شعیب رضوی نیر پھلواروی) حیات و خدمات مع کلیات	سیّد محمد نیّر رضوی	576	600/-	الرحمان اپارٹمنٹ، نیو پارس ٹولی، ڈورنڈا، رانچی۔ Mobile: 8987582814
علامہ یوسف القرضاوی (1926-2022)	ترتیب: ابوالاعلیٰ سیّد سبحانی	288	300/-	ہدایت پبلشرز، نئی دہلی ۲۵۔ M: 9891051676
غنیمہ فہد المرزوق (صحافتی، رفاہی اور تربیتی خدمات کے نقوش)	عبدالحی اثری، محمد خالد اعظمی، ترجمہ: ذکی الرحمٰن غازی مدنی	212	درج نہیں	المنار پبلشنگ ہاؤس، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی-25
مولانا محب اللہ لاری ندوی علیگ: حیات و خدمات	ڈاکٹر جمشید احمد ندوی	670	300/-	ڈاکٹر جمشید احمد ندوی، لکھنؤ۔ M: 9270932213
نقشِ ضیاء الہدیٰ (حیات و خدمات)	شاہد انور	318	500/-	منشورات پبلشرز، نئی دہلی۔ M: 9811650228

ادب: انٹرویوز/آپ بیتی/سفرنامہ/خطوط

پکارتے ہیں راستے (سفرنامہ)	ایس ایم حسینی (حمزہ)	280	400/-	حرا بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 7007892005
حضرت علامہ شوق نیموی (خودنوشت)	ترتیب: طلحہ نعمت ندوی	128	——	مرتب (بجنور)۔ موبائل: 9117394766
سلسلۂ روز و شب (روزنامچہ)	پروفیسر سیّد امتیاز احمد	500	500/-	طلحہ نعمت ندوی، بہار۔ M: 9117394766
مجموعہ مکاتیب اکبر (اکبر الہ آبادی کے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ خطوط)	جمع و تدوین: محمد راشد شیخ	684	1000/-	البلاغ پبلی کیشنز، N-1 ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی-25

مکتوبات علم وتحقیق (مشفق خواجہ، ڈاکٹر مختار الدین احمد)	محمد راشد شیخ	542	850/-	البلاغ پبلی کیشنز، N-1 ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی-25
نقوشِ کلام (سوانح حیات ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام)	عبداللہ ابن القمر الحسینی	460	225/-	NCPUL، آر کے پورم نئی دہلی۔ M: 9821221440

ادب: تحقیق و تنقید/لسانیات/نصابیات

اخلاق اثر بنام شکیل اعجاز (تنقید)	شکیل اعجاز	76	200/-	شکیل اعجاز، مومن پورہ، اکولہ-444006 (مہاراشٹر)
اسلم عمادی: ارباب ادب کی نظر میں	ڈاکٹر جاوید انور	240	500/-	اردو آشیانہ، 167 آفاق خاں کا احاطہ، بنارس-221103
اوراقِ گم گشتہ محشر	مولانا محب الحق محشر، زہرہ خاتون	296	400/-	ڈاکٹر زہرہ خاتون، D-178, AFE، نئی دہلی-25
بچوں کے ادب پر ادبی مضامین	شکیل اعجاز	110	500/-	شکیل اعجاز، مومن پورہ، اکولہ-444006 مہاراشٹر
تحدیث اقبال (مجموعہ مقالات)	پروفیسر اسلوب احمد انصاری	432	500/-	مشکوٰۃ پبلی کیشنز، علی گڑھ۔ M: 9897674550
جلوۂ دانشِ فرنگ (اضافہ شدہ ایڈیشن)	عبدالرحیم قدوائی	328	600/-	براؤن بکس، علی گڑھ۔ Mob: 7088884468
سخن ورانِ گجرات (تنقید)	سیّد ظہیر الدین مدنی	319	195/-	NCPUL، نئی دہلی۔ Tel: 011-26109746
سیّد حسن عسکری طارق: شخصیت اور شاعری	طلحہ نعمت ندوی	120	——	مدرسۃ الصفہ، اورنگ آباد، بہار۔ M: 9117394766
شذراتِ اصلاحی ('الاصلاح' کے اداریے)	ڈاکٹر عرفات ظفر	328	500/-	حرا بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 7007892005
فکر تازہ (مضامین)	اشتیاق سعید	200	260/-	اشتیاق سعید، ممبئی۔ Mob: 9930211461
فرہنگ اقبال: بانگ درا (لسانیات)	سیّد امتیاز احمد	416	700/-	جامعۃ الصفہ، اورنگ آباد، بہار۔ M: 9117394766
فرید الدین یکتا: شخصیت وشاعری (کلیات)	مصطفیٰ بلخی گویا، ڈاکٹر مظفر بلخی	500	800/-	مصنف، کنڈ محلہ، پلاموں۔ M: 9572736250
کتابیں (دوسری زبانوں کی کتابوں کا ذکر وتعارف)	شاہد ندیم	176	300/-	اردو قبیلہ، ممبرا (تھانے)۔ M: 9323786610
مثنوی درِ منظوم (غلام جیلانی رفعت)	نقد وتدوین: ڈاکٹر غزالہ بی	364	800/-	ڈاکٹر غزالہ بی، رامپور۔ Mob: 7017659387
مجنوں گورکھپوری کے افسانوں کا تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر صائمہ بی	272	——	ڈاکٹر صائمہ حلیم، رامپور۔ Mob: 9412392813
مشہور اشعار گمنام شاعر (حصہ اول، دوم)	خلیق الزماں نصرت	168	400/-	خلیق الزماں نصرت، ممبئی۔ M: 9223303330
یہ شہر، یہ گلیاں	حقانی القاسمی	448	500/-	عبارت پبلی کیشن، نئی دہلی۔ M: 9015698045

ادب: افسانے/ناول/خاکے/طنز و مزاح/انشائیے/ڈرامے

آتماؤں کے سراب (ناول)	راجیو پرکاش ساحر	239	350/-	EPH، D1/16 انصاری روڈ، دریا گنج، نئی دہلی-2
پرائی کوکھ کا درد (افسانوی مجموعہ)	ایم مبین	216	400/-	GNK پبلی کیشنز، بڈگام۔ M: 7006738304
تین ستارہ منزل (کہانی)	جہانگیر اُنس	128	150/-	جہانگیر اُنس، سیوان (بہار) M: 9162357830
چہرے پڑھا کرو (خاکے)	معصوم مرادآبادی	408	550/-	ایم آر پبلی کیشنز، نئی دہلی۔ M: 9810784549
طرز بیاں اپنا (تاثرات، خاکے)	ڈاکٹر عظیم راہی	176	250/-	کریم کالونی، اورنگ آباد۔ M: 9370992203
کارپ ڈائم (سنسنی خیز کہانی)	رابعہ خان	576	749/-	حرا بک ڈپو، لکھنؤ۔ Mob: 7007892005
کردار کا جنم (ڈراموں کا مجموعہ)	قمر جاوید	184	200/-	EPH، D1/16 انصاری روڈ، دریا گنج، نئی دہلی-2
کیسے انہیں بھلائیں (خاکے)	عمیر منظر	158	299/-	نامک پبلی کیشنز، نئی دہلی۔ M: 9555999150
نگینے لوگ (خاکے)	معصوم مرادآبادی	200	250/-	انجمن ترقی اردو (ہند)، اردو گھر، نئی دہلی-110002
یادیں باتیں چہرے لوگ (تاثرات/خاکے)	محمد اویس سنبھلی	240	300/-	نعمانی پرنٹنگ پریس، بارود خانہ، گولا گنج، لکھنؤ-18

تاریخ و تذکرہ

پس غروب روشنی (تذکرہ، شخصیات)	سیّد سعادت اللہ حسینی	384	400/-	ہدایت پبلشرز، نئی دہلی ۲۵۔ M: 9891051676
تذکرہ شعرائے ناگور	محمد سلیم سلاوٹ کامل ناگوری	324	350/-	مون ٹریڈرس، ناگور۔ M: 9414463628

ادب اطفال

ابّو کا بیٹا (طبع زاد کہانیاں)	ڈاکٹر بانو سرتاج	48	50/-	رحمانی پبلی کیشنز، مالیگاؤں۔ M: 9890801886
ایک لڈّو تین خواب (ایک کہانی)	ڈاکٹر بانو سرتاج	48	40/-	رحمانی پبلی کیشنز، مالیگاؤں۔ M: 9890801886
پانچ ہلکے، ایک بھاری (پانچ کی کہانیاں)	ڈاکٹر بانو سرتاج	40	35/-	رحمانی پبلی کیشنز، مالیگاؤں۔ M: 9890801886
تارا تارا نظمیں (خالد سعید)	مرتب: ملنسار اطہر احمد	56	80/-	ڈاکٹر بی بی رضا خاتون، MANUU، حیدرآباد۔
تیسرے سوال کا جواب (تین کہانیاں)	ڈاکٹر بانو سرتاج	48	40/-	رحمانی پبلی کیشنز، مالیگاؤں۔ M: 9890801886
روشن ستارے (بچوں کے لیے شاعری)	حبیب سیفی	168	120/-	51B/E12، حوض رانی، مالویہ نگر، نئی دہلی-17
گیہوں کے چار دانے (چار کہانیاں)	ڈاکٹر بانو سرتاج	48	40/-	رحمانی پبلی کیشنز، مالیگاؤں۔ M: 9890801886
ست رنگی توتے (تینا لی رام کی کہانیاں)	ڈاکٹر بانو سرتاج	56	40/-	رحمانی پبلی کیشنز، مالیگاؤں۔ M: 9890801886
ویران جزیرہ (کہانیوں کا مجموعہ)	ماریہ اِرم	304	300/-	رحمانی پبلی کیشنز، مالیگاؤں۔ M: 9890801886

شعری ادب

برمحل اشعار... اوران کے مآخذ (جلد ۲)	خلیق الزماں نصرت	368	550/-	کائنات پبلی کیشنز، بھیونڈی۔ M: 9923257606
بوئے دوست (مجموعہ کلام)	عبداللہ ندیم	160	250/-	بک امپوریم، سبزی باغ، پٹنہ-800004
حواشی (مجموعہ کلام)	شہرام سرمدی	144	225/-	بازگشت بکس، نئی دہلی/ مکتبہ جامعہ، دہلی۔
روشنی ہے مرے چراغوں میں (مجموعہ کلام)	یاسین انصاری	176	300/-	D1/16، EPH انصاری روڈ، دریا گنج، نئی دہلی-2
سحابِ سخن (شعری مجموعہ)	اسلم مرزا	124	275/-	اسلم مرزا، ڈیوڑھی بازار، اورنگ آباد-01 مہاراشٹر
ضیائے حنا (سہروں کا مجموعہ)	ڈاکٹر عبدالودود قاسمی	464	500/-	D1/16، EPH انصاری روڈ، دریا گنج، نئی دہلی-2
گل کنج کلیاتِ شاہ	شاہ حسین نہری	448	500/-	ہمدرد پبلک لائبریری، بیڑ۔ M: 9225303313

رسائل و جرائد: خصوصی اشاعت

آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت رجسٹرڈ (یادگاری مجلّہ، 1964 تا 2025)، ایڈیٹر: ڈاکٹر ظفر الاسلام خان، صفحات 132، قیمت: درج نہیں،
پتہ: D-84، ابوالفضل انکلیو1، جامعہ نگر، نئی دہلی-110025۔ موبائل: 7678421322

اچھا ساتھی، بجنور، ایڈیٹر: ڈاکٹر سراج الدین ندوی، ستمبر 2025، صفحات 64، سالانہ -/450، پتہ: اچھا ساتھی، سرکرہ (دھامپور)، بجنور-246761

اردو ادب، سہ ماہی (خصوصی پیشکش: دستور انجمن ترقی اردو 1903)، ایڈیٹر: اطہر فاروقی، صدق الرحمن قدوائی، جولائی تا دسمبر 2025، صفحات 204،
قیمت -/150، پتہ: انجمن ترقی اردو (ہند)، اردو گھر، راؤز ایونیو، نئی دہلی-110002

بزمِ ادب: 30 (بزم خواتین علی گڑھ کا سالانہ جریدہ 2025)، ایڈیٹر: ہما خلیل، صفحات 260، قیمت -/250، رابطہ: 9837323320 (علی گڑھ)

جامعہ رسالہ (شمارہ 4 تا 6)، ایڈیٹر: پروفیسر کوثر مظہری، تجمل حسین خاں، اپریل تا جون 2025، صفحات 160، قیمت -/100، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی-25

چہارسو، ماہنامہ (خصوصی گوشہ خوشبیر سنگھ شاد)، ایڈیٹر: سیّد ضمیر جعفری، گلزار جاوید، ستمبر تا اکتوبر 2025، صفحات 124، درج نہیں، پتہ: راولپنڈی (پاکستان)
Mobile: +92 336 0558618 - www.chaharsu.wordpress.com

روح ادب، سہ ماہی (میر نمبر)، ایڈیٹر: ابوذر ہاشمی، جنوری تا مارچ 2025، صفحات 328، قیمت -/50، پتہ: سکریٹری مغربی بنگال اردو اکادمی، کولکاتا-16

رہنمائے میوات، دوماہی (اشاعت خاص بیاد محدث جلیل داعی کبیر)، ایڈیٹر: مولانا محمد اسحاق میواتی، ادارت: مفتی محمد یوسف قاسمی، مئی جون 2024،
پتہ: دفتر رہنمائے میوات، یونہانہ، ضلع نوح-122508 (ہریانہ)، موبائل: 8059730648 - 9991375378

سیما، سہ ماہی کتابی سلسلہ 16 (گوشہ عابد رضا بیدار، انیس رفیع)، ایڈیٹر: صغیر افراہیم، جولائی تا ستمبر 2025، صفحات 312، قیمت -/250،
پتہ: خیابانِ ادب، علی گڑھ-202002 (یوپی) موبائل: 9358257696

شاہراہ علم (جامعہ کا پیغام ملت اسلامیہ کے نام)، ایڈیٹر: حذیفہ وستانوی، جولائی 2025، صفحات 196، سالانہ -/400، رابطہ: 9011958392 (نندوربار)

غالب نامہ، ششماہی (علمی اور تحقیقی رفتار کا آئینہ)، ایڈیٹر: صدیق الرحمٰن قدوائی، جنوری تا جون 2025، صفحات 212، -/250، رابطہ: 011-2322583 (نئی دہلی)

❑❑❑

ابن صفی کی عصری معنویت

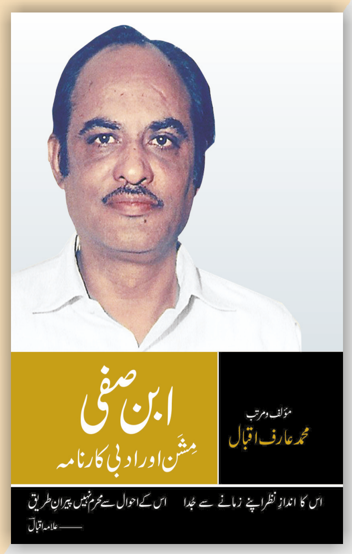

ابن صفی: مشن اور ادبی کارنامہ

مولف و مرتب: محمد عارف اقبال

اردو میں جاسوسی ادب کے معمار
ابن صفی کی ادبی خدمات کا احاطہ کرتے ہوئے
ہندوستان میں پہلی بار ایک جامع کتاب۔
ابن صفی کے پرستاروں اور ابن صفی پر تحقیق کرنے والے
اسکالرز کے لیے۔
صفحات: 904 (مجلد)، نیا ایڈیشن: 2016
(حذف و اضافہ شدہ)، قیمت: -/900 روپے
ISBN 978-93-83239-27-6

اوراقِ پارینہ

از: ادریس شاہجہانپوری

جاسوسی دنیا کے پیش لفظ، اداریے اور پیش رس، تفریح کے
ساتھ تحقیق کرنے والوں کے لیے
یہ کتاب تحقیق کے نئے در وا کرتی ہے۔
صفحات: 614 (مجلد)، اشاعت اول: 2023
قیمت: -/1000 روپے
ISBN 978-93-9513-423-95

رابطہ: اردو بک ریویو، نئی دہلی Mobile: 9953630788

یہ جگہ اشتہار کے لیے خالی ہے

URDU BOOK REVIEW QUARTERLY
NEW DELHI-110 002
Ph.: (Office) 011-44753890, Mobile: +91-9953630788

R.N.I. No. 63106 / 95
VOL. XXXI ISSUE NUMBER - 43
July, August, September - 2025

’آل انڈیا یونانی طبّی کانگریس‘

فروغِ طب کی ایک مکمل تحریک ہے

آپ بھی ممبر بن کر اس تحریک کا حصہ بن سکتے ہیں!

ممبرشپ حاصل کرنے کے لیے دو عدد فوٹو، ووٹر آئی ڈی یا آدھار کارڈ کی فوٹو کاپی

اور ایک ہزار روپے کا ڈی ڈی کسی بھی بینک سے

"ALL INDIA UNANI TIBBI CONGRESS"

کے نام بنوا کر مرکزی دفتر ’آل انڈیا یونانی طبّی کانگریس‘ کو رجسٹرڈ ڈاک سے ارسال کریں۔

مرکزی دفتر

آل انڈیا یونانی طبّی کانگریس

D-49، نیو سیلم پور، نزد شہید اشفاق اللہ خاں پارک، دہلی-110053

Branch Office

Sadar Unani Clinic, 1739/2, M.P. Street, Pataudi House,
Darya Ganj, New Delhi - 110002

Tel.: 011-47524630 / 9810429359 / 7893246825

E-mail: aiutcongress@gmail.com, mahmad1952@yahoo.com

Website: www.aiutc.com

ISSN 0971-9288

Printed, published and owned by **Mohammad Arif Iqbal**, Printed at Asila Offset Printers, 1307-08, Kalan Mahal, Darya Ganj, New Delhi-2 and published from 1739/3 (Basement) New Kohinoor Hotel, Pataudi House, Darya Ganj, New Delhi-110002 *Editor :* **Mohammad Arif Iqbal**